(یھدی الی الحق والی طریق مستقیم)

واضحہ شرح کافیہ

(از ابتدا تا مرفوعات)

مرتب

محمد یحیٰ ڈینڈرولوی پالن پوری
(خادم الحدیث والفقہ دارالعلوم ہدایت الاسلام، عالی پور
تحصیل چکھلی، ضلع نوساری، جنوبی گجرات (انڈیا)
موبائل: ۹۹۲۵۸۹۸۵۸۰

تفصیلات

نام کتاب : واضحہ شرح کافیہ

مرتب : محمد یحییٰ ڈینڈر رولوی پالنپوری

سال اشاعت : سنہ ۱۴۴۰ھ مطابق سنہ ۲۰۱۹ء

کمپوزنگ وسیٹنگ : سکندر رواپی، محمد یاسین (میمن) پالنپوری

ناشر

مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ

عالی پور، چکھلی ضلع: نوساری، جنوبی گجرات، الہند

موبائل: ۹۹۲۵۸۹۸۵۸۰

فہرست

انتساب

ان تمام طلبۂ کرام کے نام جو سچے دل سے طلب علم کی کوشش میں جٹے ہوئے ہیں

اور

اساتذۂ کرام کے نام

جن کی علمی زندگی نے قدم قدم پر رہنمائی کی

اور

والدین محترمین کے نام جن کی دعائے سحر گاہی ہمیشہ میری دستگیری کرتی رہتی ہے

اور

رفیقۂ حیات کے نام جس کی رفاقت ہر لمحہ حوصلہ افزائی کرتی رہتی ہے۔

حفاظت جس سفینہ کی انہیں منظور ہوتی ہے
کنارے تک اسے خود لا کے طوفان چھوڑ جاتے ہیں

محمد یحییٰ مظاہری

کلمات بابرکت

حضرت مولانا رفیق احمد صاحب اعظمی مدظلہ

(شیخ الحدیث دارالحدیث دارالعلوم، چھاپی، پالنپور، شمالی گجرات، وخلیفہ اجل حضرت مولانا (بھائی) طلحہ صاحب سہارنپوری مدظلہ العالی)

عزیز محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کی کتاب ''واضحہ شرح کافیہ'' کو مکمل تو نہیں دیکھ سکا، بلکہ جستہ جستہ مقامات سے دیکھا، لیکن جتنا دیکھا، اس سے محسوس ہوا کہ یہ شرح خوب سے خوب تر ہے اور طلبا و اساتذہ دونوں ہی کے لئے نہایت ہی کارآمد اور مفید ہے، سوال و جواب کے پیرایہ میں مسئلہ بہت جلد ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت و کوشش کو قبول فرما کر اس شرح کو قبولیت عامہ سے نوازے اور اس کے نفع کو عام و تام فرمائے۔ وما ذالك على الله بعزيز

(شیخ الحدیث) رفیق احمد الاعظمی المعروفی

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ

تأثرات

الحمدﷲ الذی شرح صدور المسلمین للاسلام و لصلوۃ و السلام علی النبی الکریم الذی اعطی جوامع الکلام

درس نظامی میں فن نحو کی جان وشان کے نام سے معروف ومشہور کتاب کافیہ ابن حاجب صدیوں سے اپنالوہا منوارہی ہے، اپنی بے شمار خصوصیات کے ساتھ مختصراتنی کہ اہل شغف کو حفظ ہو جاتی ہے اور جامع اتنی کہ مطولات نحو سے بت نیاز کر دیتی ہے، اورمخدوم ایسی کہ آج تک کئی شروحات وحواشی ماہرین فن کے قلمی چشمہ سے رواں ہوکر جم غفیر کو سیراب کرر ہے ہیں۔

من جملہ ان شروحات وحواشی کے ایک جدید ولذیذ اورانوکھی والبیلی شرح بنام واضحہ شرح کافیہ آپ کے دست مبارک میں ہے جو اصل میں وہ جواہر ولالی ہیں، جو مولانا یحیی صاحب مظاہری دامت برکاتہم العالیہ کے سینہ و گنجینہ سے بواسطۂ لسان اعتدال نکل کر باذوق طلبہ عزیز کے سینہ وسفینہ میں محفوظ ہوتے رہے، اوراب زیور طباعت سے آراستہ ہوکرقرطاس علمی کی زینت بن چکے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ کہ شرح کی افادیت واہمیت کوراقم الحروف کا شکستہ قلم بیان کرنے سے عاجز وقاصر ہے، ہاں اتنا ضرورعرض کرونگا کہ مقاصد مصنف اور مفاہم مصنّف کو اس قدر مختصر اور آسان لفظوں کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے جس نے کافیہ کی وضاحت کا یقینا حق ادا کیا ہے پھر ہر عبارت کی دل نشیں تشریح، بعدہ توضیح، معہ بیان کردہ عبارت میں قواعد النحو کی ترتیب وترقیم نے دشرح کو مفید ترین اور سہل ترین بنادیا ہے، گویا کہ اگر کتاب سے کافیہ کی عبارت کو علیحدہ کر دیا جائے تو یہ شرح نحو کی آسان نحو یا تسہیل النحو یا تیسیر النحو نامی مستقل کتاب آتی ہے، اورقواعد پر نظر کی جائے تو قواعد النحو کا انسائکلو پیڈیا معلوم ہوتی ہے۔

اور اصطلاحات کو دیکھا جائے تو اصطلاحات النحو نظر آتی ہے، کئی مقامات پر اضافی مگر مفید باتوں کو اس انداز سے شامل شرح کیا گیا ہے جس نے دوران مطالعہ نشاط ذہنی اور انبساط قلبی کا کام کیس ہے، شرح فی الحال از ابتدا تا مرفوعات مکمل ہے جس کو الحمدللہ تالا بندی کے زمانے میں مکمل مطالعہ کرنے کا موقع ملا، بل کہ اس کے مطالعہ پر اکتفا کرتے ہوئے تدریس کافیہ کا بھی موقع ملا، امید ہے کہ شارح محترم اس کار عظیم کو بفضلہٖ تعالی مکمل فرما کر اس فن سے دل چسپی رکھنے والے طلبہ واساتذہ پر علمی احسان فرمائیں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالی موصوف محترم کی جمیع تصنیفی وتالیفی وتدریسی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے ،امت مسلمہ کے لئے مفید ونافع بنائے اور موصوف کے والدین واساتذہ کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین

محتاج دعا

محمد آصف اشاعتی مالیگانوی

خادم التدریس مدرسہ مرکز اسلامی سلیمیہ ورابعہ للبنات

منگرول پھاٹا سلوڑ ضلع اورنگ آباد مہاراشٹر

۸/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ مطابق

۳۰/جولائی ۲۰۲۰

عرض مرتب

حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہِ اقدس میں بار بار جبینِ نیاز خم کر کے بھی شکریہ ادا نہیں کیا جاسکتا جس نے اس بے مایہ کو اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمایا۔

چنانچہ یہ عاجز ایک مدتِ دراز سے دار العلوم ہدایت الاسلام عالی پور میں تدریسی خدمت انجام دے رہا ہے اور اس طویل مدت میں مختلف فنون کی کتب زیرِ درس رہیں، منجملہ ان میں سے ایک فنِ نحو کی شہرۂ آفاق کتاب ''کافیہ'' بھی ہے اور ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ اس کا فنِ نحو میں مقام کیا ہے؟

بتوفیقِ خداوندی اس کا درس اس عاجز کے ذمہ رہا، دورانِ درس عزیز طلبہ کی دلچسپی نظر آتی رہی، ہر سال چند طلبہ دورانِ درس اس کی کاپی لکھتے رہے، بندہ نے چند سالوں کی کاپیاں دیکھی تو دل میں یہ خیال انگڑائی لینے لگا کہ کیا ہی اچھا ہوتا، اس پر نظر ثانی کر کے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جائے، تاکہ علم کا شوق رکھنے والے طلبہ کے لئے مفید ثابت ہو، اس کے پیشِ نظر ان کاپیوں کو بنظرِ غائر دیکھا تو ان میں سے خصوصاً دو کاپیاں (عزیزم مولوی وسیم سچین اور مولوی حمید الرحمٰن مدراسی) کی واضح اور مرتب تھی، اس لئے ان دونوں کا انتخاب کیا۔

دونوں کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کرنا شروع کیا، شدہ شدہ کچھ دوست واحباب کو اس کا علم ہوا تو ان کی ہمت افزائی نے بندہ کو مزید حوصلہ بخشا، جس سے طباعت کا عزم مصمم ہوگیا۔

''واضحہ شرح کافیہ'' میں کام کی نوعیت یہ ہے کہ مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتھم العالیہ کی متداول شرح ''ہادیہ شرح کافیہ'' کو زمین بنایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ طلبہ متوسط درجہ کے ہوتے ہیں ان کی رعایت ہو جائے، اور کچھ طلبہ ذہین اور شوق، ذوق رکھنے والے ہوتے ہیں اس لئے وضاحت کے عنوان کے ماتحت سوال و

جواب کے انداز میں کتاب کو حل کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ دونوں قسم کے طلبہ کی رعایت ہوجائے۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ سرِ دست یہ مرفوعات تک کی ہی شرح ہے۔ان شاءاللہ اگر زندگی رہی تو باقی کام آپ حضرات کی توجہ سے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی کوشش رہے گی۔

نیز اس قلمی سفر کے دوران جن اہلِ علم نے مخلصانہ،محبانہ مشوروں سے نوازا، ان کو فراموش کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی، خاص کر فعال عالم دین، ادیب بے نظیر حضرت مولانا سراج صاحب دیولوی ندوی، مظاہری زیدمجدہ اور مولانا امین صاحب کھولوڑی اور قاری ذاکر صاحب ایلولوی جنہوں نے گوناگوں مصروفیات ومشغولیات کے باوجود پوری تندہی کے ساتھ اس سلسلہ میں میری مدد فرمائی،اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے،اوردارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے،آمین۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم

محمد یحییٰ مظاہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

حضرات مدرسین کی یہ عادت رہی ہے کہ کسی بھی فن یا کتاب کو شروع کرنے سے پہلے اپنے طلبہ کے سامنے کچھ تمہیدی گفتگو پیش کرتے ہیں، چنانچہ آپ کے سامنے اسی مناسبت سے کچھ ضروری اور مفید باتیں بیان کر رہے ہیں۔

چنانچہ یہ کتاب **"کافیہ"** فن نحو میں ہے۔

سوال: فن نحو، علوم عالیہ میں سے ہے یا علوم آلیہ میں سے ہے؟

جواب: فن نحو، علوم آلیہ میں سے ہے۔

سوال: اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: درس نظامی میں جو فنون پڑھائے جاتے ہیں، وہ دو طرح کے ہیں جن میں سے بعض کا تعلق علوم عالیہ سے ہیں اور بعض کا تعلق علوم آلیہ سے۔

سوال: علوم عالیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: علوم عالیہ ان علوم کو کہتے ہیں جو مقصود بالذات ہوں۔ جیسے تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ۔

سوال: علوم آلیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: علوم آلیہ ان علوم کہتے ہیں جو مقصود بالذات نہ ہوں بلکہ علوم عالیہ کے لئے واسطہ ہو۔ جیسے منطق، فلسفہ، صرف، نحو وغیرہ۔

سوال: علوم آلیہ کیوں پڑھائے جاتے ہیں؟

جواب: جن حضرات کی زبان عربی ہے ان کو نحو وصرف وغیرہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہیں اس لئے کہ صرف اور نحو یہ گرامر ہے اور اہل زبان کو گرامر کی ضرورت نہیں ہوتی البتہ جن کی زبان عربی نہیں ہے ان کو عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے

کے لئے گرامر کی ضرورت پڑتی ہے بغیر گرامر پڑھے وہ عربی زبان میں کامل مہارت حاصل نہیں کر سکتے اس لئے نحو، صرف جن کا تعلق علوم آلیہ سے ہے، پڑھائے جاتے ہیں ۔

سوال : اگر کوئی شخص علوم آلیہ پڑھتا، پڑھاتا ہے تو کیا وہ عنداللہ ثواب کا مستحق ہوگا؟

جواب : بالکل! جو شخص علوم آلیہ پڑھتا، پڑھاتا ہے وہ بھی عنداللہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

سوال : جو شخص علوم آلیہ پڑھتا، پڑھاتا ہے، وہ عنداللہ ثواب کا مستحق کیوں ہوتا ہے؟

جواب : اس لئے کہ علوم آلیہ علوم عالیہ (تفسیر، حدیث وغیرہ) کے لئے واسطہ بنتے ہیں اور علوم عالیہ پڑھنے والا، پڑھانے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے لہذا جو علوم، علوم عالیہ کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بنتے ہیں پڑھنے پڑھانے والا بھی ثواب کا مستحق ہوگا۔

سوال : فن نحو کا تعلق علوم آلیہ سے کس طرح ہے؟

جواب : عربی زبان میں مہارت کے لئے علم نحو کا جاننا ضروری ہے، گویا علم نحو واسطہ اور ذریعہ ہے عربی زبان کے لئے اور جو چیز واسطہ اور ذریعہ ہو اس کو آلہ کہتے ہیں۔

سوال : اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب : اس کی تفصیل یہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ کے قول کے مطابق، اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار مخلوق پیدا فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام میں آدمی کو اشرف المخلوقات بنایا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اشرف المخلوقات کیوں بنایا؟

جواب: اس کے دو جواب ہیں:

جواب: (۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ''علم'' کی بنیاد پر اشرف المخلوقات بنایا۔

سوال: اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: قرآن کریم کی آیت ۔اِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (پ: ۲۲ سورۃ الاحزاب) میں امانت سے مراد ''علم'' ہے۔

سوال: انسان نے امانت کو اٹھایا اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان کی تعریف فرماتے حالانکہ اِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا فرما کر بظاہر اس کی مذمت کی ہے؟

جواب: اس کے دو جواب ہیں (۱)۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے پیار اور محبت کے انداز میں حضرت انسان کو ظلوم اور جہول فرمایا جیسے باپ اپنے بیٹے کو پیار اور محبت میں کہتا ہے، پاگل ایسا نہیں کیا کرتے۔

(ب) یہ تقابل عدم وملکہ ہے، عدم کے معنیٰ ہے نہ ہونا اور ملکہ کے معنیٰ ہے پایا جانا جیسے دودھ موجود ہے دہی نہیں ہے؛ لیکن دودھ میں دہی بننے کی صلاحیت موجود ہے، اسی طرح اِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان میں علم کے حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے دیگر مخلوقات میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان میں عدل کو حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے دیگر مخلوقات میں عدل کو حاصل کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے گویا یہ تعریف ہے نہ کہ برائی۔

جواب: (۲) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا '' صفت

عبدیت'' کی بنیاد پر۔

سوال: اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: (۱) حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے نکالا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عبدیت اور فروتنی کا اظہار کیا چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ معلوم ہوا انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی بنیاد صفت عبدیت ہے۔

جواب: (۲) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج میں اپنے پاس بلایا اور پوچھا آپ اپنے لئے کونسا لقب پسند کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے عبدیت کا لقب پسند کیا، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں آیت اسراء میں (سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ) میں ''عبدہ'' کا لفظ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اشرف المخلوقات صفت عبدیت کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔

فائدہ: مذکورہ دونوں قولوں کے درمیان تطبیق بھی دے سکتے ہیں، وہ اس طرح کہ علم کا ثمرہ عبدیت ہے، وہ ہی علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے جو انسان میں عبدیت پیدا کرے۔

جب انسان تمام مخلوقات میں اشرف ہوا تو اللہ تعالیٰ انسان کے لئے جن چیزوں کا انتخاب فرمائیں وہ بھی اشرف ہونی چاہئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے سب سے اشرف چیز ایمان کو منتخب فرمایا۔ اس لئے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ کرتا ہے تو معافی کی امید ہے؛ لیکن کفر اور شرک کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''ایمان'' اشرف ہے۔

ایمان کے جتنے بھی شعبے ہیں ان تمام کی بنیاد علم ہے، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہو یا معاشرت سے، خواہ اعتقادات سے متعلق ہو یا معاملات واخلاقیات سے۔

سوال: ان تمام شعبوں کا علم کہاں سے حاصل ہوگا؟

جواب: ان تمام شعبوں کا علم، قرآن اور حدیث سے حاصل ہوگا اور آپ جانتے ہیں، کہ قرآن وحدیث عربی زبان میں ہیں اور جب تک ہم عربی گرامر (نحو) نہیں پڑھیں گے تب تک کما حقہ عربی زبان میں مہارت پیدا نہیں ہوگی اور جب تک کما حقہ عربی زبان میں مہارت حاصل نہیں ہوگی تو قرآن وحدیث کی مراد بھی ہم نہیں سمجھ پائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کی صحیح فہم کے لئے علم نحو ایک آلہ اور ذریعہ ہے، لہذا علم نحو علوم آلیہ میں سے ہوا۔

مقدمۃ العلم

عامۃ حضرات مدرسین کی یہ عادت ہوتی ہے کہ کتاب کو شروع کرنے سے پہلے بطور تمہید چند چیزیں بیان کرتے ہیں (جن کو مبادیات کہا جاتا ہے) وہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔

(۱) بعض چیزوں کا تعلق فن اور علم کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۲) بعض چیزوں کا تعلق کتاب کے ساتھ ہوتا ہے۔

جن چیزوں کا تعلق فن اور علم کے ساتھ ہوتا ہے، ان کو مقدمۃ العلم کہا جاتا ہے اور جن چیزوں کا تعلق کتاب کے ساتھ ہوتا ہے، ان کو مقدمۃ الکتاب کہا جاتا ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم کی غرض کیا ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم کی غرض یہ ہے کہ فن کی بصیرت حاصل ہو اور فن کے ساتھ تعلق پیدا ہو۔

سوال: مقدمۃ الکتاب کی غرض کیا ہے؟

جواب: : مقدمۃ الکتاب کی غرض یہ ہے کہ کتاب کے ساتھ مناسبت اور انسیت پیدا ہو۔

سوال: مقدمہ کی یہ تقسیم سب سے پہلے کس نے کی؟

جواب: مقدمہ کی یہ تقسیم سب سے پہلے علامہ سعدالدین تفتازانیؒ نے کی۔

سوال: مقدمہ کی یہ تقسیم سب سے پہلے علامہ سعدالدین تفتازانیؒ نے کیوں کی؟

جواب: اگر یہ تقسیم نہ کرتے تو مصادرت الی المطلوب لازم آتا۔

سوال: مصادرت الی المطلوب کسے کہتے ہیں؟

جواب: مصادرت الی المطلوب کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز دوسری چیز پر موقوف ہو اور دوسری چیز پہلی چیز پر موقوف ہو اس لئے مقدمہ کی دو قسمیں بیان کی۔

سوال: مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب کا درجہ کیا ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب کا درجہ موقوف علیہ علیٰ وجہ البصیرت کا ہے نہ کہ موقوف علیہ لَوْ لَاہُ لَامْتَنَعَ کا۔

سوال: موقوف علیہ علیٰ وجہ البصیرت اور موقوف علیہ لَوْ لَاہُ لَامْتَنَعَ کسے کہتے ہیں؟

جواب: موقوف علیہ علیٰ وجہ البصیرت کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیان نہ کیا جائے تو کوئی فرق نہ پڑے، صرف مناسبت اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے بیان کیا جائے۔ اور موقوف علیہ لَوْ لَاہُ لَامْتَنَعَ مطلب یہ ہے کہ اس کے ذکر کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، بیان کرنا لازم اور ضروری ہو۔

سوال: مقدمۃ العلم میں کونسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں؟

جواب: مقدمۃ العلم میں علم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، علم کا موضوع، علم کی غرض وغایت، علم کا استمداد وماخذ اور علم کی تدوین کو بیان کیا جاتا ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم میں علم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کیوں بیان کی

جاتی ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم میں علم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اس لئے بیان کی جاتی ہے تاکہ مجہولِ مطلق کا حصول لازم نہ آئے۔

سوال: کتاب کس فن میں ہے؟

جواب: کتاب فنِ نحو میں ہے۔

سوال: نحو کی لغوی تعریف کیا ہے؟

جواب: نحو کے لغوی معنیٰ حسب ذیل ہیں۔(۱) مثل: یُقَالُ: ھٰذَا نَحْوُہٗ أَیْ مِثْلُہٗ۔

(۲) نوع: یُقَالُ: ھٰذَا عَلیٰ اَرْبَعَۃِ اَنْحَاءٍ أَیْ اَنْوَاعٍ۔

(۳) جہۃ: یُقَالُ: ھم نحو المسجد یذھبون أَیْ جھۃ المسجد۔

(۴) طریق: یُقَالُ: ھٰذَا النحو السوی أَیْ الطریق السوی۔

(۵) صرف: یُقَالُ: نحوت بصری الیه أَیْ صرفت۔

(۶) قصد: یُقَالُ: نحوت ھٰذَا أَیْ قصدت۔

فائدہ: لفظ نحو، لغت میں چند معانی کے لئے آتا ہے (۱) کبھی نحو مثل کے معنیٰ میں (۲) کبھی نوع کے معنیٰ میں (۳) کبھی جہت کے معنیٰ میں (۴) کبھی راستہ کے معنیٰ میں (۵) کبھی پھیرنے کے معنیٰ میں (۶) اور کبھی نحو، قصد کے معنیٰ میں آتا ہے۔

سوال: نحو کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب: نحو کی اصطلاحی تعریف، کلمات عرب کے احوال کو اعراب اور بناء کے اعتبار سے جاننا اور بعض کلمات کی بعض کے ساتھ ترکیب کی کیفیت کا جاننا۔

سوال: علم نحو کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب: علم نحو کی اصطلاحی تعریف، ایسے چند قواعد کا نام ہے جن قواعد سے

کلمات عرب کے احوال کو اعراب اور بناء کے اعتبار سے جانا جائے۔

فائدہ: مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ نحو کی اصطلاحی تعریف الگ ہے اور علم نحو کی اصطلاحی تعریف الگ ہے۔

سوال: اس علم کا نام نحو کیوں رکھا گیا؟

جواب: (۱) عربی زبان میں گفتگو کرنے والا عرب کے طریقے کی پابندی کرتا ہے اور نحو کے ایک معنیٰ، طریقہ اور راستہ کے بھی آتے ہیں، اس لئے اس علم کا نام نحو رکھا گیا۔

جواب: (۲) فن نحو اہل عرب کے قول ما احسن ھذا النحو الذی قد نحوت (کیا خوب ہے یہ طریقہ جس کو تم نے اختیار کیا) سے ماخوذ ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم میں موضوع کو کیوں بیان کیا جاتا ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم میں موضوع کو اس لئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ ایک علم کا دوسرے علم سے امتیاز ہو جائے۔

سوال: علم نحو کا موضوع کیا ہے؟

جواب: علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم میں غرض وغایت کو کیوں بیان کیا جاتا ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم میں غرض وغایت کو اس لئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ عبث اور بےکار کام کا حصول لازم نہ آئے۔

سوال: علم النحو کی غرض وغایت کیا ہے؟

جواب: علم النحو کی غرض وغایت (۱) عربی میں گفتگو کرنے میں غلطی سے بچنا (۲) قرآن وحدیث کے صحیح مدلول کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

سوال: غرض وغایت یہ دونوں ایک ہیں کہ الگ الگ ہیں؟

جواب: غرض و غایت یہ دونوں ایک ہی ہے؛ البتہ بعض حضرات نے دونوں میں فرق بیان کیا ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ غرض نام ہے مقصد کے لئے جانا اور غایت نام ہے مقصد میں کامیاب ہونا جیسے زید بازار سبزی خریدنے کے لئے گیا تو یہ غرض ہے اور سبزی اس کو مل گئی تو یہ غایت ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم میں تدوین کی تاریخ کیوں بیان کی جاتی ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم میں تدوین کی تاریخ اس لئے بیان کی جاتی ہے تاکہ تدوین کی تاریخ جان کر علم کی اہمیت سمجھ میں آئے۔

سوال: علم نحو کی تدوین کی تاریخ کیا ہے؟

جواب: اہل عرب نحو کے قوانین کے محتاج نہیں تھے، اس لئے کہ عربی ان کی مادری زبان تھی لیکن جب اسلام کی اشاعت ہوئی، اور عجمیوں کا عربوں کے ساتھ اختلاط ہوا جس کی وجہ سے عربی زبان مخلوط ہوگئی، اور خود اہل عرب غلطی کرنے لگے، تو اس وقت ضرورت محسوس ہوئی کہ کچھ ایسے قواعد مرتب کئے جائیں جن کی رعایت سے غلطی سے بچا جا سکے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حکم اور رہنمائی سے ان کے خاص شاگرد ابوالأسود ظالم بن عمرو الدؤلی نے کچھ ابتدائی قواعد وضع کئے اس لئے اکثر حضرات کے نزدیک ابوالأسود الدؤلی اس علم کے مدون اول ہے۔

سوال: علم نحو کو مدون کرنے میں کن کن چیزوں سے مدد لی گئی؟

جواب: علمائے متقدمین نے قرآن وحدیث اور زمانۂ جاہلیت کی شاعری کو سامنے رکھ کر چار فنون کو جمع کیا

(۱) تجوید (۲) لغت (۳) نحو (۴) صرف۔ ان کو ایک ہی فن سمجھا جاتا تھا اور فن عربیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، مگر بعد میں ان کو الگ الگ کیا گیا۔

سوال: فن نحو کا حکم کیا ہے؟

جواب: فن نحو کا حکم فرض کفایہ ہے۔

سوال: فن نحو کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: فن نحو کی فضیلت کے سلسلہ میں چند اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں۔

"تعلموا النحو کما تعلموا السنن و الفرائض"

ترجمہ: علم نحو سیکھو جس طرح تم سنن اور فرائض سیکھتے ہو۔

(۲) حضرت ایوب سختیانیؒ کا قول ہے۔

"تعلموا النحو فانه جمال و ترکه عیب"

ترجمہ: علم نحو سیکھو اس لئے کہ وہ خوبصورتی کا باعث ہے اور اس کا نہ جاننا ایک طرح کا عیب ہے۔

(۳) علامہ محمد بن لیث کا مشہور مقولہ ہے۔

"النحو فی الکلام کالملح فی الطعام"

ترجمہ: نحو کی حیثیت ادب میں ایسی ہے جیسے کہ کھانے میں نمک کی حیثیت۔ (جس طرح بے نمک کے کھانا بے مزہ ہوتا ہے اسی طرح کلام بھی بغیر نحو کے بے مزہ اور پھیکا ہوتا ہے)۔

(۴) امام کسائیؒ کا شعر ہے۔

"انما النحو قیاس یتبع و به فی کل علم ینتفع"۔

ترجمہ: بے شک نحو ایک عقلی چیز ہے، اس کی پیروی کی جاتی ہے اور اس سے ہر علم میں نفع اٹھایا جاتا ہے۔

(۵) صاحب مراح الأرواح فرماتے ہیں "الصرف أم العلوم و النحو أبوها"۔

ترجمہ: علم صرف تمام علوم کی ماں ہے اور علم نحو تمام علوم کا باپ ہے۔

سوال: فن نحو میں کتنے مذاہب مشہور ہیں؟

جواب: فن نحو میں عامۃً دو مذاہب مشہور ہیں۔

(۱) کوفی (۲) بصری۔

سوال: دونوں میں فرق کیا ہے؟

جواب: کوفی: بیشتر مسائل میں قیاس پر اعتماد کرتے تھے، نیز عرب دیہاتیوں کو بھی قابل سند مانتے ہیں۔

بصری: سماع کو ترجیح دیتے تھے اور روایت کے سخت پابند تھے اور خالص فصیح عربوں کو قابل سند مانتے تھے۔

سوال: درس نظامی کی وجہ تسمیہ اور اس کا مختصر تعارف کیا ہے؟

جواب: برصغیر میں جو نظامِ تعلیم سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ ''درس نظامی'' کے نام سے مشہور ہوا، بارہویں صدی ہجری سے اس کا آغاز ہوا، مغل مسلم حکمرانوں کے عہد میں یہی نظام رائج رہا۔

یہ ملا نظام الدین بن قطب الدین بن عبد الحلیم الانصاری سہالوی، لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء) کے نام سے منسوب ہے، آپؒ رسائل الارکان، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت اور شرح سلم العلوم جیسی بلند پایہ کتب کے مؤلف بحر العلوم علامہ عبد العلیؒ کے والد گرامی قدر تھے، لکھنؤ کے ایک مضافاتی قصبہ سہالہ میں ولادت ہوئی۔

شیخ غلام نقشبندیؒ بن عطاء اللہ لکھنوی اور شیخ امان اللہ بن نور اللہ بنارسی جیسے عظیم اساتذہ سے تعلیم پائی، اور علوم وفنون میں گہری بصیرت حاصل کی، تبحر علمی کے ساتھ آپ زاہد ومجاہد، بلند کردار کے حامل، انتہائی متواضع اور ملنسار تھے، سلسلہ قادریہ شیخ

عبد الرزاق بن عبد الرحیم حسینی سے حاصل کیا، آپ کی تالیفات میں مسلم الثبوت کی دو شرحیں ''الأطول'' اور ''الطویل'' منار الاصول اور تحریر الاصول کی شرح، ہدایت الحکمت، اور شمس بازغہ کے حواشی ہیں۔

آپ پچیس سال کی عمر میں فراغت حاصل کرنے کے بعد مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے، آپ کی زیرنگرانی اس مدرسہ نے تمام علوم وفنون میں اپنے دور میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل کیا اور ہندوستان میں سب سے بڑا علمی مرکز قرار پایا۔

ملا نظام الدینؒ نے اپنے مدرسہ کے لئے ایک نظام تعلیم مرتب کیا تھا، جو تقریبا گیارہ فنون کی تینتالیس (۴۳) کتب پر مشتمل تھا، جس میں معقولات کی کتابوں کی تعداد بیس، علوم عربیہ کی چودہ، علوم عالیہ میں فقہ کی دو، اصول فقہ کی چار، تفسیر کی دو اور حدیث کی ایک، اس طرح نو کتابیں شامل تھیں، کتابوں کے انتخاب میں مختصر مگر جامع کتاب کو ترجیح دی گئی، تاکہ سرسری معلومات کے بجائے مستحکم معلومات حاصل ہوں اور فن پر عبور ہو، اور آپ کا طریق درس یہ تھا کہ کتابی خصوصیات کا لحاظ نہیں فرماتے تھے، بلکہ کتاب کو محض ذریعہ تعلیم قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے۔

یہ نظام تعلیم دینی علوم میں رسوخ، عقائد میں پختگی اور صحیح علمی ذوق پیدا کرنے میں مؤثر ہونے کے ساتھ ساتھ زمانہ کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ تھا، جس کی وجہ سے کبھی فارغ التحصیل طلبہ کو کسی بھی شعبہ میں اپنی عملی زندگی دینی بنیادوں پر استوار کرنے میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھ، اور ہر شخص اپنے ذوق اور صلاحیت کے مطابق زندگی کے جس شعبہ کو پسند کرتا اختیار کر لیتا، اس نظام تعلیم نے فقط مفسرین، محدثین اور فقہاء ہی نہیں، بلکہ فلاسفہ، ادباء، ماہرین طب وسائنس اور ماہرین قانون بھی پیدا کئے۔

موجودہ اکثر مدارس کے تعلیمی نظام کی اساس اسی درس نظامی کی کچھ ترمیم شدہ

شکل ہے، جو مخصوص حالات کے پیش نظر اختیار کی گئی تھی۔

مقدمۃ الکتاب

سوال: مقدمۃ الکتاب میں کونسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں؟

جواب: مقدمۃ الکتاب میں عامۃً تین چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) کتاب کا نام: چنانچہ کتاب کے تین نام ہیں (۱) کافیہ (۲) مقدمۃ النحو

(۳) مقدمۃ ابن حاجب۔

سوال: لفظ کافیہ کونسا صیغہ ہے؟

جواب: لفظ کافیہ اسم فاعل کا صیغہ ہے، اگر تاء محض کی ہو یا مبالغہ کی ہو تو واحد مذکر کا صیغہ ہوگا، اور اگر تاء تانیث کی ہو تو واحد مؤنث کا صیغہ ہوگا۔

سوال: لفظ کافیہ کس سے مشتق ہے؟

جواب: لفظ کافیہ کفی یکفی کفایۃً (ض) سے ہے۔

سوال: لفظ کافیہ کے کتنے معنی آتے ہیں؟

جواب: لفظ کافیہ کے تین معنی آتے ہیں۔

(۱) بمعنی اکتفی اس صورت میں یہ باب لازم ہوگا اور فاعل پر باء زائدہ ہوگی جیسے کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا۔

اب کافیہ کے معنی مکتفیۃ (کفایت کرنے والی) ہوگا۔

(۲) بمعنی اغنی اس صورت میں متعدی بیک مفعول ہوگا، اور فاعل پر باء زائدہ نہیں ہوگی جیسے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔

اب کافیہ کے معنی مغنیۃ للطلبۃ من غیرہ (طلبہ کو اپنے علاوہ سے بے نیاز کرنے والی) ہوگا۔

(۳) بمعنی وقی اس صورت میں متعدی بدو مفعول ہوگا اور باء نہیں ہوگی جیسے کَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ۔

اب کافیہ کا معنی واقیۃ الطلبۃ الخطأ اللفظی (طلبہ کو خطاء لفظی سے بچانے والی) ہوگا۔

فائدہ: ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں۔

(۱) لفظ کافیہ مبنی بر سکون لا محل لھا من الاعراب ہو۔

(۲) معرب ہو۔

پھر معرب میں چند احتمال ہیں۔

(۱) مرفوع، مبتدا محذوف الخبر جیسے کافیۃ ھذا، کافیۃ ھذہ۔

(۲) مرفوع، خبر محذوف المبتداء جیسے ھذا کافیۃ، ھذہ کافیۃ۔

(۳) منصوب، مفعول بہ فعل محذوف کے لئے اقرأ الکافیۃ۔

(۴) مجرور ہو، جس کا فعل اور حرف جار محذوف ہو خذ بالکافیۃ۔

فائدہ: پانچ لفظ آتے ہیں (۱) متن (۲) شرح (۳) حاشیہ (۴) منہیہ (۵) تعلیق

(۱) متن کے لغوی معنی پشت کے ہیں، اور اصطلاحی معنیٰ ہے مایکون صعبا ومحتاجا الی الشرح۔

(۲) شرح کے لغوی معنی کھولنا اور اصطلاحی معنی مایوضح المتن کلہ۔

(۳) حاشیہ کے لغوی معنی کنارہ اور اصطلاحی معنی جو متن کے بعض مقامات کا حل کرے۔

(۴) منہیہ کے لغوی معنی اس سے ہونے والا اور اصطلاحی معنی ہے وہ عبارت جو متن کی تشریح کے لئے مصنف خود لکھے۔

(۵) تعلیق کے لغوی معنی لٹکانا اور اصطلاحی معنی میں حاشیہ کے مترادف ہے خواہ مصنف لکھے یا کوئی اور لکھے۔

حالاتِ مصنّف

سوال: حالاتِ مصنّف کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

جواب: حالاتِ مصنّف کا جاننا اس لئے ضروری ہے تا کہ کتاب کے مصنّف کی عظمت دل میں آئے اور طلبہ کتاب کو شوق سے پڑھے۔

سوال: حالاتِ مصنّف میں کیا بیان کیا جاتا ہے؟

جواب: حالاتِ مصنّف میں چند چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) نام (۲) تحصیل علم (۳) تدریسی خدمت (۴) تصنیفی خدمت (۵) مقام ومرتبہ۔

(۶) وفات۔

جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) نام: عثمان، کنیت: ابوعمرو، لقب: جمال الدین، والد کا نام: عمرو، ان کا لقب حاجب، بقول حافظ ذہبیؒ وہ امیر عزالدین کے یہاں دربان تھے، جس کی وجہ سے آپ کو عرف میں ''حاجب'' کہا جاتا تھا اور صاحبِ کافیہ کو ابن الحاجب کہا جاتا تھا۔

نسب نامہ: جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس الدوینی۔

سن ولادت: ملک مصر کے مقام اسناء میں ۵۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔

(۲) تحصیل علم: ابتداء میں آپ نے قاہرہ میں تعلیم پائی، صغرسنی میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور قرأت کی تحصیل علامہ شاطبیؒ سے کی، علامہ ابوالجواد سے قرأت سبعہ پڑھی اور فقہ مالکی کو علامہ ابومنصور ابیاری سے اور علم ادب علامہ شاطبی اور ابن البناء سے حاصل کیا۔

(۳) تدریسی خدمت: جامع دمشق میں ایک زمانہ تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی اس کے بعد آپ مصر تشریف لائے اور مدرسہ فاضلیہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے، اخیر میں آپ اسکندریہ منتقل ہو گئے تھے اور آپ کا ارادہ یہیں پر مستقل قیام کا تھا مگر چند دنوں کے بعد آپ راہی ملک بقاء ہو گئے۔

(۴) تصنیفی خدمت: آپ کی بیشمار تصانیف ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) المکتفی للمبتدی: شیخ ابوعلی فارسی کی کتاب الایضاح کی شرح۔

(۲) الایضاح شرح مفصل (۳) المختصر، فقہ میں (۴) المختصر، اصول فقہ میں (۵) جمال العرب علم ادب میں (۶) المقصد الجلیل، علم عروض میں۔

(۷) شافیہ، فن صرف میں (۸) شرح شافیہ (۹) کتاب جامع الامہات (۱۰) کافیہ۔

(۵) صفات واخلاق:

علامہ ابن حاجبؒ بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ مناظر، متقی، پرہیزگار، معتمد وثقہ، نہایت متواضع اور تکلفات سے ناآشنا تھے۔ آپ کی ذکاوت و ذہانت کی تعریف میں ابن خلکان رقم طراز ہیں (کان من احسن خلق اللہ ذھنا) اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ روشن دماغ تھے۔

(۶) وفات: ۶ شوال ۶۴۶ھ بروز جمعرات اسکندریہ میں دن چڑھے وفات ہوئی اور "باب البحر" کے باہر، شیخ صالح بن ابی اسامہ کی تربت کے پاس مدفون ہوئے۔

سوال: حالاتِ مصنَّف کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

جواب: حالاتِ مصنَّف کا جاننا اس لئے ضروری ہے تا کہ کتاب کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے اور کتاب کے ساتھ انسیت پیدا ہو جائے۔

حالاتِ مصنّف (کتاب)

سوال: حالاتِ مصنّف کیا ہے؟

جواب:: کتاب کا نام کافیہ ہے، کافیہ علم نحو میں ابن حاجبؒ کی وہ مشہور کتاب ہے، جس میں آپ نے علم نحو کے تمام قواعد نہایت عمدہ اسلوب کے ساتھ بیان کئے ہیں، علم نحو کا یہ جامع اور مستند مجموعہ ۸۰۰ سال سے مدارس میں داخل نصاب ہے۔

کافیہ بہت ہی مختصر مگر جامع رسالہ ہے، مدارس کے ماحول میں یہ مقولہ مشہور ہے، کہ ''ابن حاجبؒ نے سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے'' یہ مقولہ بالکل صحیح ہے، چنانچہ آپ علم نحو کی مستند کتابوں کا مطالعہ کیجئے، بالخصوص علامہ سیوطیؒ کی ''همع الهوامع'' کو دیکھئے تو مقولہ سمجھ میں آجائے گا، کہ علامہ سیوطیؒ نے ''همع الهوامع'' کی سات جلدوں (جن کے کل صفحات ۲۲۰۰ سے زائد ہیں) میں علم نحو کے جن مسائل کو بیان کیا ہے ان تمام مسائل کو ابن حاجبؒ نے صرف سوا سو (۱۲۵) صفحات میں جلی حروف کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

کافیہ میں جن حضرات کا تذکرہ ہے وہ گیارہ ہیں۔

(۱) سیبویہ: آپ کا نام عمرو بن عثمان بن قنبر، بصری ہے، مسلکِ نحو کے امام ہیں، سیبویہ سے مشہور ہیں، ۱۴۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۸۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، گویا بتیس سال کی مختصر عمر پائی تھی۔

(۲) الاخفش: امام سیبویہ کے شاگرد ہیں، ان کا نام سعید، کنیت ابوالحسن، اخفش سے معروف ہیں، ان کی وفات ۲۱۰ھ یا ۲۱۵ھ یا ۲۲۱ھ میں ہوئی۔

(۳) الکسائی: آپ کا نام علی بن حمزہ بن عثمان ہے، آپ کو کسائی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حج کے موقعہ پر انہوں نے کمبل کا احرام باندھا تھا اور کِساء کے معنی کمبل

کے آتے ہیں اور یاء نسبتی ہے تو کسائی کا مطلب ہوا کمبل والا ۱۸۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۴) الفراء: آپ کا نام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ بن مروان الدیلمی ہے، یہ فراء سے مشہور ہیں، اس لئے کہ کان یفری الکلام (وہ تعجب انگیز کلام کرتے تھے) ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۵) الخلیل: خلیل بن احمد بن عمر بن تمیم الفراہدی ۱۷۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ۷۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۶) ابوعمر: ابوعمر بن العلاء بن عمر بن عبداللہ المازنی سے مشہور ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) زبان (۲) حماد (۳) حمیدہ (۴) عثمان (۵) محمد (۶) محبوب (۷) یحییٰ۔ آپ کی وفات ۱۵۴ھ یا ۱۵۹ھ میں ہوئی۔

(۷) ابو العباس المبرد: ابو العباس کنیت ہے ابو یزید مبرد سے مشہور ہیں ۲۱۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۸۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۸) الزجاج: ابواسحٰق کنیت ہے، نام ابراہیم ہے، شیشہ کا پیشہ تھا اس وجہ سے الزجاج کہا جاتا ہے۔ ۲۳۰ھ میں وفات ہوئی۔

(۹) المازنی: ابوعثمان کنیت، نام، بکر بن محمد المازنی۔ ۲۴۸ھ یا ۲۴۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) یونس: یونس بن حبیب البصری ۹۰ھ میں پیدا ہوئے، ۱۸۲ھ میں وفات ہوئی۔

(۱۱) ابن کیسان: محمد بن ابراہیم بن کیسان النحوی ۲۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں وفات ہوئی۔

کافیہ کے حاشیہ کا نام: حاشیۃ الکافیہ جس کے مصنف حضرت مولانا معشوق الٰہی بن غلام نبی الحنفی ہے۔

کافیہ کے ساتھ والہانہ تعلق

حضراتِ اکابر کے کافیہ کے ساتھ والہانہ تعلق کے دلچسپ واقعات ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

مولانا مملوک علیؒ اور کافیہ سے شغف

حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ ایک رات دوکان کے تخت پر بیٹھکر کتاب ''کافیہ'' دیکھ رہے تھے، اتفاق سے کسی شہزادہ کی سواری نکلی، ہاتھی پر شہزادہ سوار اور گھوڑے کے نقیب اور چوبدار صدالگاتے ہوئے نکل رہے تھے مگر مولانا کافیہ کے مطالعہ میں اتنے منہمک تھے کہ ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ کس کا جلوس آرہا ہے مولانا ٹانگیں زمین پر رکھے ہوئے کتاب دیکھ رہے تھے، نقیبوں نے آوازیں دیں مگر ان کے کان میں کچھ آواز نہیں آئی، یہ اپنی کتاب دیکھتے رہے، شہزادے کی سواری قریب آئی تو اس کو غصّہ آیا اور چوبدار کو حکم دیا کہ اس کو دھکا دو، اب ان کو پتہ چلا کہ کوئی سواری نکل رہی ہے۔

مولانا کو کافیہ پر اتنا اعتماد تھا کہ فوراً فرمایا کہ بڑا بے چارہ شہزادہ بنا پھرتا ہے اگر کافیہ کا ایک مسئلہ پوچھ لوں تو میاں سے جواب نہ بن پڑے گا۔ یہ مولانا کو اعتماد اور ناز تھا اپنی کافیہ پر'' کافیہ کافی است باقی دردِ سر'' یہ مولانا کی ہی مثل ہوگئی۔

(مجالس حکیم الاسلام ص:۷۵)

علامہ محمد بن سلیمانؒ کا لقب کافیجی

علامہ محی الدین محمد بن سلیمان کافیجیؒ ایک بہت بڑے محدث ہے جن کی

وابستگی اور تعلق ’’کافیہ‘‘ سے زیادہ تھا گویا ہر دم اس کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اس کا مطالعہ کثرت سے کرتے تھے جس کی وجہ ان کا لقب ہی کافی جی (ہر وقت کافیہ میں مشغول رہنے والے) ہو گیا۔

الکافیجی : محمد بن سلیمان (ت: 879) لُقِّب بذلك لكثرة اشتغالة بالكافية فی النحو لابن الحاجب۔

(النکت علی الاتقان فی علوم ج اص:۱۸۹۱)

مولانا بنوریؒ کا تبصرہ کافیہ پر

مولانا بنوریؒ (متوفی ۱۳۹۷ھ) نے ’’کافیہ‘‘ وغیرہ جیسی مغلق کتب پر فرمایا کہ ’’ان لوگوں نے کاغذ کم خرچ کیا اور دماغ کو زیادہ خرچ کروایا‘‘۔

اس پر امیر المومنین فی الحدیث حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ نے فرمایا ’’اگر مولانا زندہ ہوتے تو میں انہیں یہ جملہ کہتا کہ ’’ایسی بات نہیں، متون اس لئے نہیں لکھے گئے کہ ان کی تشریح میں دماغ پاشی کی جائے، یہ تو حفظ کے لئے لکھے گئے ہیں۔‘‘

(ملفوظات مع مختصر سوانح شیخ محمد یونس صاحبؒ ص:۳۱۴)

فہرست شروحات وحواشئ کافیہ

کافیہ علمِ نحو کا ایک حسین گلدستہ ہے، اس کی تصنیف کے تقریباً ۷۰۰ سال ہو چکے ہیں لیکن اس کی قبولیت پر کوئی فرق نہیں آیا، ہر دور کے علماء نے اس کو اپنا محور اور مرکز بنایا، یہی وجہ ہے کہ اس کی ۵۰ سے زائد شروحات کا تذکرہ ملتا ہے، جن کے نام مع مصنفین حسب ذیل ہیں۔

(۱) شرح کافیہ: شیخ جمال الدین ابو عمرو عثمان ابن الحاجب، صاحب کافیہ، سنہ ۶۴۶ھ۔

(۲) شرح کافیہ: شیخ رضی الدین محمد بن حسن استرآبادی، سنہ ۶۸۳ھ۔

(۳) شرح کافیہ کبیر: سید رکن الدین حسن محمد استرآبادی، سنہ ۷۱۷ھ۔

(۴) شرح کافیہ متوسط: سید رکن الدین حسن محمد استرآبادی، سنہ ۷۱۷ھ۔

(۵) شرح کافیہ صغیر: سید رکن الدین حسن محمد استرآبادی، سنہ ۷۱۷ھ۔

(۶) شرح کافیہ: شیخ تاج الدین ابو محمد احمد بن عبد القادر بن مکتوم قیس حنفی، سنہ ۷۴۹ھ۔

(۷) شرح کافیہ: شیخ احمد بن محمد حلبی معروف بابن ملا، سنہ ۱۰۰۰ھ۔

(۸) شرح کافیہ: شیخ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن اصبہانی، سنہ ۷۴۹ھ۔

(۹) شرح کافیہ: شیخ احمد بن محمد زبیدی اسکندری مالکی، سنہ ۸۰۱ھ۔

(۱۰) شرح کافیہ: شیخ عیسیٰ بن محمد صفوی سنہ ۹۰۶ھ۔

(۱۱) شرح کافیہ: شیخ علاؤ الدین علی فناری، سنہ ۹۰۶ھ۔

(۱۲) شرح کافیہ: شیخ عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائنی، سنہ ۹۴۳ھ۔

(۱۳) شرح کافیہ: شیخ علاؤ الدین علی بن محمد قوشی۔

(۱۴) شرح کافیہ: قاضی ناصر الدین بن عبد اللہ بیضاوی، سنہ ۶۸۵ھ۔

(۱۵) شرح کافیہ: شیخ اسحٰق بن محمد۔

(۱۶) شرح کافیہ: شیخ محمود بن محمد بن علی۔

(۱۷) شرح کافیہ: امام تاج الدین ابو محمد علی بن عبداللہ، سنہ ۷۴۶ھ۔

(۱۸) شرح کافیہ: شریف نور الدین علی بن ابراہیم شیرازی، سنہ ۸۶۳ھ۔

(۱۹) شرح کافیہ: شیخ تاج الدین بن محمود عجمی شافعی۔

(۲۰) شرح کافیہ: علامہ اصفندی۔

(۲۱) شرح کافیہ: شیخ یعقوب بن احمد بن حاج عوض، سنہ ۸۴۵ھ۔

(۲۲) شرح کافیہ: شیخ رکن الدین حدیثی۔

(۲۳) شرح کافیہ (ترکی): علامہ سودی، سنہ ۱۰۰۰ھ۔

(۲۴) شرح کافیہ (فارسی): شیخ معین الدین محمد امین ہروی۔

(۲۵) المرشح: شیخ ابوبکر شمس الدین محمد بن ابی بکر بن محمد حمیصی، سنہ ۷۱۷ھ۔

(۲۶) السعیدی: شیخ نجم الدین احمد بن محمد عجمی، سنہ ۷۴۹ھ۔

(۲۷) تحفۃ الطالب (۲ جلد): شیخ نجم الدین احمد بن محمد قمولی، سنہ ۷۲۷ھ۔

(۲۸) کشف الحقائق: حکیم شاہ محمد بن مبارک قزوینی، سنہ ۹۰۶ھ۔

(۲۹) المناہل الصافیہ فی حل الکافیہ: شیخ محمد بن محمد اسنوی قدسی، سنہ ۸۰۸ھ۔

(۳۰) مرضی المرضیٰ: مولوی میر حسین میبذی، سنہ ۹۱۰ھ

(۳۱) الفوائد الضیائیہ (ملا جامی): شیخ نور الدین عبدالرحمٰن بن احمد الجامی، سنہ ۸۹۸ھ۔

(۳۲) جامع الغموض (فارسی): ملا عبدالنبی بن قاضی عبدالرسول عثمانی احمد نگری۔

(۳۳) فتح الفتاح: شیخ شمس الدین بن قاضی کمال الدین۔

(۳۴)اوفی الوافیہ: شیخ احمد بن ابراہیم حلبی۔

(۳۵)غایۃ التحقیق: شیخ صفی الدین بن نصیرالدین بن نظام الدین جونپوری، سنہ ۸۱۵ھ۔

(۳۶) التعلیق: تاج الدین احمد بن عثمان بن ابراہیم الماردینی الحنفی، سنہ ۷۴۴ھ۔

(۳۷)الہادیہ الیٰ حل الکافیہ: علی بن محمد التبریزی۔

(۳۸)التحفۃ الوافیہ: شیخ تقی الدین ابراہیم بن حسین بن عبداللہ بن ثابت طائی۔

(۳۹)الاسرار الصافیہ: شیخ اسمٰعیل بن ابراہیم بن عطیہ بحرانی۔

(۴۰)حاشیہ کافیہ فارسی: سید شریف علی بن محمد جرجانی، سنہ ۸۱۶ھ۔

(۴۱) حاشیہ کافیہ: شیخ شہاب الدین احمد بن عمر ہندی دولت آبادی، سنہ ۸۴۹ھ۔

(۴۲)تحریر سنبٹ: مولانا محمد شعیب صاحب۔

(۴۳)سعیدیہ (اردو): مولانا محمد حیات سنبھلی۔

(۴۴)حبیبیہ (اردو):

(۴۵)ایضاح المطالب: مولانا مشیت اللہ دیوبندی۔

(۴۶) ہادیہ شرح کافیہ (اردو): مفتی سعید احمد پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ۔

(۴۷) خادمۃ الکافیہ: یہ کافیہ کی شرح ہے، عربی میں ہے۔ ان کے مصنف باباجی صاحب لاخار کے نام سے مشہور ہیں ۱۳۹۰ھ کو انتقال کر گئے ہیں۔

معرباتِ (مترجمات) کافیہ

(۱)الافصاح: لبعض العلماء۔

(۲)معرب الکافیہ: شیخ حاجی باباطوسی۔

(۳)معرب الکافیہ: شیخ محمد بن ادریس بن الیاس مرعشی۔

(۴)معرب الکافیہ(ترکی): شیخ کمال الدین۔

مختصراتِ کافیہ

(۱)اللباب: قاضی ناصرالدین عبداللہ بیضاوی، ۶۸۵ھ۔

(۲)الوافیہ فی شرح الکافیہ: شیخ فضیل بن علی جمالی، سنہ ۹۹۱ھ۔

(۳) مختصر الکافیہ: شیخ برھان الدین ابراہیم بن عمر جعیدی، سنہ ۷۳۲ھ۔

(۴)مختصر الکافیہ: شیخ محمد بن محمود مغلوی۔

(۵)الاسئلۃ القطعیہ: شیخ خضر بن الیاس۔

منظوماتِ کافیہ

(۱)الوافیہ: شیخ جمال الدین ابوعمرو عثمان ابن الحاجب، سنہ ۶۴۶ھ۔

(۲)نہایۃ البھجہ: شیخ ابراہیم مستتری، سنہ ۹۱۷ھ۔

(۳)نظم الکافیہ: ابن حسام الدین اسمٰعیل بن ابراہیم، سنہ ۱۰۱۶ھ۔

فائدہ:

بعض حضرات نے کافیہ کونحو کے بجائے تصوف کی کتاب کہا ہے اور اس اعتبار سے اس کی شرح بھی کی ہے۔

بحث التسمیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: مصنف نے اپنی کتاب کا آغاز تسمیہ سے کیوں کیا؟

جواب: اس کے چار جواب ات ہیں۔

(۱) قرآنِ کریم کی اتباع کرتے ہوئے۔

❁ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کا آغاز تسمیہ سے کیا پھر سورۂ فاتحہ ہے۔

❁ قرآن کریم کی پہلی وحی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ میں بھی تسمیہ کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) حدیث کی اقتدا کرتے ہوئے۔

چنانچہ روایت میں ہے **"کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللہ فھو اقطع"** ہر وہ مہتم بالشان امر جس کی ابتداء بسم اللہ سے نہ کی جائے وہ کام ناقص اور نامکمل رہتا ہے۔

سوال: بعض مرتبہ انسان بغیر بسم اللہ کے کام شروع کرتا ہے اس کے باوجود کام تمام اور مکمل ہوجاتا ہے؟

جواب: ناتمام اور ناقص کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام بے برکت ہوتا ہے، نصرتِ خداوندی شاملِ حال نہیں ہوتی۔

(۳) انبیاء کرام کی پیروی کرتے ہوئے۔

سوال: کیا آپ ایسی مثال پیش کرسکتے ہیں، جس میں کسی نبی نے کام کا آغاز تسمیہ سے کیا ہو؟

جواب: ہاں؛ ہم ایک مثال پیش کرسکتے ہیں جس میں ایک جلیل القدر نبی نے اپنے کام کا آغاز تسمیہ سے کیا ہے، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس کی طرف خط لکھا تھا تو اس خط کا آغاز تسمیہ سے کیا تھا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہیں "اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"۔

سوال: آیت سے تو بظاہر یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط کا آغاز بجائے بسم اللہ کے اپنے نام سے کیا ہے؟

جواب: حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط کا آغاز بسم اللہ سے ہی کیا تھا لیکن مضمون کے اختتام پر دستخط کرنے کے بجائے خط کے شروع میں بسم اللہ سے پہلے ہی دستخط کر لی۔

سوال: حضرت سلیمان علیہ السلام نے دستخط بسم اللہ سے پہلے کیوں کی؟

جواب: (۱) حضرت سلیمان علیہ السلام نے دستخط بسم اللہ سے پہلے اس لئے کی کہ جس عورت کی طرف خط لکھا جا رہا تھا وہ عورت کافرہ تھی؛ اگر ظاہری اعتبار سے شروع میں دستخط نہ کرتے تو خط کھولتے ہی اس کی نظر اللہ کے نام پر پڑتی جس کی وجہ سے وہ خط کو اہمیت نہ دیتی اور خط کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتی، اس لئے بسم اللہ سے پہلے اپنا نام تحریر فرما دیا۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام جانتے تھے کہ بلقیس کافرہ ہے، ممکن ہے وہ خط کو پھاڑ دے اور عامۃً چیز کو اوپر سے پھاڑا جاتا ہے؛ اب اگر وہ خط کو اوپر سے چاق کرتی تو اللہ کے نام کی توہین ہوتی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے گوارہ نہ کیا کہ میرے نام کی توہین تو بعد میں ہو اور اللہ کے نام کی توہین پہلے ہو، اس لئے اپنا نام مضمون کے اخیر میں لکھنے کے بجائے ابتداء میں تحریر فرمایا۔

(۳) اس بات پر اجماع ہے کہ ہر وہ کام جو شریعت کی نظر میں ناجائز نہ ہو بسم اللہ سے اس کا آغاز کرنا مستحب و مسنون ہے۔

سوال: تسمیہ کا آغاز ''باء'' سے کیوں ہوا ''الف'' سے کیوں نہیں؟

جواب:: (۱) عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے روحوں سے جب ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کا عہد لیا تو سب سے پہلے ان کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ ''بَلٰی'' تھا اور

"بَلٰی" میں پہلا حرف باء ہے، اس لئے تسمیہ کا آغاز باء سے کیا گیا نہ کہ الف سے کیا۔

(۲) تسمیہ کا آغاز الف سے اس لئے نہیں کیا کہ ابتداء بالسکون محال ہے اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔

سوال: حروف ہجا کا آغاز الف سے کیوں؟

جواب: ہر چیز میں دو چیزیں ہوتی ہے (۱) اسم (۲) مسمیٰ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً آگ کہ اس میں دو چیزیں ہیں۔

(۱) آگ کا لفظ جو زبان سے ادا کرتے ہیں، یہ اسم ہے۔

(۲) آگ جو بھٹی میں ہوتی ہے، یہ مسمیٰ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ حرارت (گرمی) اور احراق (جلانا) یہ اس آگ کا خاصہ ہے جو بھٹی میں ہے اور حرارت اور احراق یہ اُس آگ کا خاصہ نہیں ہے جس کو ہم زبان سے ادا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حرارت اور احراق کا حکم مسمّٰی کے ساتھ لگتا ہے نہ کہ اسم کے ساتھ۔ اسی طرح ابتداء بالسکون محال ہے یہ حکم مسمّٰی کے ساتھ ہے نہ کہ اسم کے ساتھ۔ اس سے شرح مأۃ عامل میں جو عبارت "الباء للالصاق" آتی ہے اس پر وارد شدہ اشکال رفع ہوجاتا ہے۔

سوال: اس اشکال کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: اس اشکال کی تفصیل یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ حرف نہ مسند الیہ بن سکتا ہے نہ مسند۔ اب اشکال یہ ہے کہ "الباء للالصاق" میں "الباء" مسند الیہ اور مبتدا ہے حالاں کہ ایک طرف مذکورہ قانون ہے تو اس کا جواب: یہ ہے کہ اس قانون کا تعلق مسمّٰی سے ہے نہ کہ اسم کے ساتھ اور عبارت میں الباء یہ اسم ہے نہ کہ مسمّٰی۔ لہذا اب کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا۔

(۳) الف کھڑا ہوتا ہے جس میں تکبر کی شان پائی جاتی ہے اور "ب" بچھی

ہوئی ہے، جس میں عاجزی اور فروتنی کی شان پائی جاتی ہے اور شریعت محمدیہ کا مقصود بندوں میں عاجزی، فروتنی اور عبدیت پیدا کرنا ہے اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آغاز 'ب' سے کیا۔

(۴) ''ب'' الصاق کے لئے آتی ہے اور الصاق کے معنیٰ آتے ہیں ''ملانے'' کے اور شریعت محمدیہ کا مقصود بندہ کو خدا کے ساتھ ملانا ہے، اس لئے آغاز ''ب'' سے کیا۔

(۵) ''ب'' کے عدد (حروف ابجد) کے اعتبار سے ۲ (دو) بنتے ہیں، جس سے اشارہ مقصود تھا کہ ایمان کے لئے دو چیزیں ضروری ہے۔

(۱) ذات باری کی توحید کا اقرار کرنا۔

(۲) رسول کی رسالت کا اقرار کرنا، اس کے بغیر ایمان قابلِ قبول نہیں ہوتا۔

اسم

سوال: لفظ اسم کس سے مشتق ہے؟

جواب: اس میں دو قول ہیں۔

(۱) بصریین کے نزدیک لفظ اسم ''سُمُوٌّ'' سے مشتق ہے، جس کے معنی بلندی کے آتے ہیں۔

اسم چوں کہ اپنے اخوین (فعل وحرف) پر بلند ہے، اس وجہ سے اسم کو اسم کہتے ہیں۔

(۲) کوفیین کے نزدیک لفظ اسم ''وِسْمٌ'' سے مشتق ہے جس کے معنی علامت کے آتے ہیں۔

اسم چوں کہ اپنے مسمی پر علامت ہوتا ہے اس وجہ سے اسم کو اسم کہتے ہیں۔

سوال: للفظ اسم میں کتنی لغات ہیں؟

جواب: لفظ اسم میں اٹھارہ لغات ہیں۔

(۱)اسم(۲)سمات(۳)سما(۴)سمة(۵)سمو(۶)وسم

یہ چھ الفاظ ہیں ان میں سے ہر ایک کے پہلے حرف میں تینوں حرکتیں ضمہ، فتحہ، کسرہ ہوتی ہیں، اس طرح کل اٹھارہ لغات ہوجاتی ہیں۔

فائدہ: محققین کے نزدیک یہ اسماء محذوفة الاعجاز کے قبیل سے ہیں اور اہل کوفہ کے نزدیک محذوفة الصدر کے قبیل سے ہیں۔

فائدہ: محذوفة الاعجاز: ان اسماء کو کہا جاتا ہے جن کے اخیر سے کوئی حرف حذف کردیا گیا ہو۔

محذوفة الصدر: ان اسماء کو کہا جاتا ہے جن کے شروع سے کوئی حرف حذف کردیا گیا ہو۔

اللہ

اللہ، نام ہے ایسی ذات کا جو واجب الوجود ہو، جس کا وجود ذاتی ہو، اور جو جمیع صفات کے ساتھ متصف ہو۔

نصوص میں ذاتِ باری کے لئے دو قسم کی صفات مذکور ہیں۔

(۱)صفاتِ ثبوتیہ (۲)صفاتِ سلبیہ

صفاتِ ثبوتیہ: وہ صفات ہیں جن کا ثبوت کتاب اور سنت میں ہے، جیسے سمع، بصر وغیرہ۔

صفاتِ سلبیہ: وہ صفات ہیں جن کی نفی اللہ تبارک وتعالی نے اپنی کتاب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے فرمائی ہے جیسے عجز، ظلم وغیرہ۔

فائدہ: ان دونوں طرح کی صفات میں صفات ثبوتیہ زیادہ ہیں جیسے علم، حیات وغیرہ اور صفات ثبوتیہ کے بکثرت ہونے کی وجہ سے اس کی دلالت بھی متنوع ہوتی ہے، جس سے موصوف کا کمال زیادہ ثابت ہوتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالی

نے صفات ثبوتیہ کی خبر صفات سلبیہ کے مقابلے میں زیادہ دی ہے۔

(الصفات الالھیۃ تعریفھا اقسامھا ص: ۲۵)

صفات ثبوتیہ کے اقسام

پھر صفاتِ ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) صفاتِ ذاتیہ (۲) صفات فعلیہ

صفاتِ ذاتیہ: (۱) وہ صفات ہیں جو ارادۂ خداوندی اور مشیت خداوندی کے ساتھ متعلق نہ ہو، بلکہ وہ ذاتی ہوں۔

بالفاظ دیگر وہ صفات ہیں جو ذات خداوندی سے جدا نہ ہو؛ بلکہ ازل اور ابد کے اعتبار سے لازم ہو اور ان صفات کے ساتھ مشیت خداوندی اور قدرت خداوندی متعلق نہ ہو، جیسے حیات، قدرت اور علم وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔

☆......امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں، صفات ذاتیہ آٹھ ہیں:

{۱} حیات {۲} علم {۳} قدرت {۴} سماعت {۵} بصارت {۶} ارادہ {۷} کلام {۸} تکوین

☆......امام ابوالحسن اشعریؒ کے نزدیک سات ہیں۔

انہوں نے مذکورہ بالا صفات میں سے تکوین کو شمار نہیں کیا ہے۔

صفات فعلیہ: وہ صفات ہیں جن کے ساتھ مشیتِ خداوندی اور قدرت الٰہی ہر وقت اور ہر آن متعلق ہو، اور جن صفات کو مشیتِ خداوندی اور قدرت خداوندی پیدا کرے۔ (الصفات الالٰھیۃ تعریفھا اقسامھا)

☆ صفات خداوندی پر ایک اشکال

اشکال: حدیث پاک میں حکم ہے تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ، اللہ تعالیٰ کے

اخلاق سے متخلق بنو، جو اخلاق وصفات خدا کی ہیں؛ ان سے متصف ہو جاؤ، ان کو اپناؤ، وہ کریم ہے، تم بھی کریم بنو، وہ رحیم ہے، تم بھی رحیم القلب بنو، وہ حافظ اور حفیظ ہے، تو تم بھی اپنی اور اپنوں کی نگہداشت کرو، وہ معطی حقیقی ہے، تو تم بھی فقیروں کے ساتھ ہمدردی رکھو اور اعطاء کی صفت اختیار کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات سے متکمل بنو۔

شبہ یہ ہوتا ہے کہ متکبر بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے، تو کیا اس میں بھی تخلق ہونا چاہیے؟ ہر شخص متکبر بنے؟ تو پھر اگر انسان تکبر کرے تو ملامت کیوں کی جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا تو عین کمال ہے؟

اس کے دو جواب ہیں:

(الف) الزامی جواب: (ب) تحقیقی جواب:

(الف) الزامی جواب: تو یہ ہے کہ تکبر کرنا (معاذ اللہ) بری بات نہیں ہے اور نہ کبر بری چیز ہے، وہ تو صفت خداوندی ہے، البتہ جھوٹ بولنا بری بات ہے، اللہ کے سوا جب کوئی شخص یہ کہے گا یا دل میں سمجھے گا کہ میں بڑا ہوں تو وہ جھوٹا ہوگا، اس لئے کہ حقیقتاً سب سے بڑی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے، تکبر اسی کی ذات کے لئے سزاوار ہے، وہی ذات فرما سکتی ہے أنا المتکبر، اس سے پتہ چلا کہ حق تعالیٰ کے سوا جو کوئی اپنے آپ کو بڑا سمجھے یا زبان سے متکبر کہے گا؛ وہ جھوٹ بولنے والا ہوگا، گویا حضرت انسان کو تکبر سے منع کر کے جھوٹ سے روکا گیا۔

(ب) تحقیقی جواب: (۱) یہ ہے کہ صفت کبریائی، صفات ذات میں سے ہے اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ کا تعلق صفات افعال سے ہے اور صفات افعال کو حاصل کرنے کا حکم ہے نہ کہ صفاتِ ذاتی کو، فلا اشکال و لا اعتراض۔ (خطبات حکیم الاسلام)

(۲) اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اخلاق جن سے انسان متصف ہو سکتا ہے، مثلاً حلم ومروت، رحم دلی وغیرہ، ان میں رب العالمین کے

اخلاق اختیار کرو، رہ گئے وہ اخلاق جو صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی، انہیں اختیار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ یہی حال صفت کبر کا بھی ہے کہ حقیقت میں کبریائی اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے، کوئی آدمی اس صفت میں اللہ تعالیٰ کی کسی بھی درجہ میں برابری نہیں کرسکتا۔ (کتاب النوازل)

نوٹ: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یہ حدیث نہیں ہے۔

لفظ اللہ کی تحقیق: لفظ اللہ کے بارے میں چند اعتبار سے اختلاف ہے۔

(۱) یہ کلمہ عربی ہے کہ عجمی؟

(۲) یہ کلمہ علم ہے یا صفت؟

(۳) اگر علم ہے تو اصل وضع کے اعتبار سے علم ہے یا غلبۃً علم ہے؟

(۴) مشتق ہے یا غیر مشتق؟

محققین کے نزدیک یہ لفظ عربی ہے اور اصل وضع کے اعتبار سے علم ہے غیر مشتق اور غیر مرکب ہے۔

لفظ اللہ کی خصوصیات:

(۱) لفظ اللہ اسم اعظم ہے۔

(۲) لفظ اللہ اعرف المعارف ہے۔

واقعہ:

امام نحو علامہ سیبویہ کا جب انتقال ہوا تو کسی نے انہیں خواب میں دیکھا تو دریافت کیا، کیا حال ہیں؟ جواب: دیا مغفرت ہوگئی، سبب مغفرت معلوم کیا تو فرمایا کہ میں نے لفظ اللہ کو ''اعرف المعارف'' کہا تھا، اس بنیاد پر مغفرت ہوگئی۔

(۳) دوسرے اسماء تو لفظ اللہ کی صفت واقع ہوتے ہیں، لیکن لفظ اللہ کسی کی صفت واقع نہیں ہوتا۔

(۴) لفظ اللہ کے حروف کو حذف کرتے جائیے آخر تک بامعنی رہتا ہے۔ سب سے پہلے الف کو حذف کر دیجئے تو ''للہ'' رہتا ہے، اس کے بعد لام کو حذف کر دیں تو ''لہ'' رہتا ہے یہ بھی بامعنی ہے۔ اس کے بعد دوسرے لام کو حذف کر دیں تو (ہ) رہتا ہے جس سے اشارہ اللہ کی طرف ہوتا ہے۔

(۵) لفظ اللہ باری تعالیٰ کا ایسا نام ہے جو مخلوقات میں سے کسی کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔

سوال: لفظ ''ب'' کو براہ راست لفظ اللہ پر داخل کیوں نہیں کیا؟

جواب: (۱) لفظ (ب) مختلف معانی کے لئے آتا ہے، کبھی تیمن وتبرک کے لئے اور کبھی یمین وقسم کے لئے۔ اگر بغیر لفظ اسم کے براہ راست لفظ اللہ پر لفظ ''با'' داخل کیا جاتا تو شبہ ہوتا کہ کہیں یمین وقسم کے لئے تو نہیں ہے اسی ابہام سے بچنے کے لئے درمیان میں لفظ اسم لایا گیا۔

(۲) قرآن کریم کی متعدد آیات بھی اس پر دال ہیں کہ درمیان میں لفظ اسم لایا جائے جیسے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ، تَبَارَکَ اِسْمُکَ ،فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ۔

سوال: تسمیہ میں (بسم) آیا ہے حالاں کہ قاعدہ ہے ہمزہ وصلیہ درمیان میں ساقط ہوتا ہے پڑھنے میں نہ کہ کتابت میں اور یہاں پڑھنے اور کتابت دونوں میں حذف کیا ہے؟

جواب: (۱) تسمیہ کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اور جس چیز کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے وہ چیز تخفیف کو چاہتی ہے، اس لئے تخفیفا کتابت میں بھی حذف کر دیا۔

(۲) چھوٹی چیز کا تعلق جب بڑی چیز کے ساتھ ہو جاتا ہے تو اس کا مرتبہ بھی

بڑھ جاتا ہے اور یہاں اسم کا تعلق لفظ اللہ کے ساتھ ہوا ہے، اس لئے اس کا مرتبہ بھی بڑھ گیا، اس بنا پر بربنائے تعظیم ہمزہ کو کتابت سے بھی حذف کردیا۔

الرحمٰن الرحیم

سوال: رحمٰن ورحیم کس سے مشتق ہیں؟

جواب: رحمٰن بروزن فعلان اور رحیم بروزن فعیل، یہ دونوں کلمے کلام عرب میں بطور مبالغہ استعمال ہوتے ہیں۔

سوال: دونوں میں ابلغ کون ہیں؟

جواب: اس میں دو قول ہیں (۱) بعض کے نزدیک رحمٰن ابلغ ہے۔

دلیل: بلاغت کا قاعدہ ہے زیادۃ المبانی تدل علیٰ زیادۃ المعانی (حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے)

(۲) رحمٰن کے مقابلہ میں رحیم ابلغ ہے۔

دلیل: رحمٰن کے معنی عام الرحمۃ ہیں اور رحیم کے معنی تام الرحمۃ ہیں۔

فائدہ: رحمٰن ذات باری کے ساتھ خاص ہے، اسی وجہ سے رحمٰن کا تثنیہ وجمع نہیں آتا نیز غیر باری تعالی کو دوسرا کوئی لفظ عبد وغیرہ ملائے بغیر رحمٰن کہہ کر پکارنا جائز نہیں ہے۔

رحیم عام ہے، اسی وجہ سے اس کا اطلاق غیر باری تعالی پر دوسرا کوئی لفظ عبد وغیرہ ملائے بغیر بھی جائز ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے رحیم کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَحِيْمٌ (پ ۱۱ سورۃ التوبہ)۔

سوال: رحمٰن عربی ہے کہ غیر عربی؟

جواب: اس میں اختلاف ہے (۱) امام مبرد فرماتے ہیں کہ رحمٰن عبرانی زبان کا لفظ ہے، اصل میں لفظ رحمٰن خائے معجمہ کے ساتھ تھا، اہل عرب نے جب اسے

استعمال کیا تو خائے معجمہ کو حائے مہملہ سے بدل دیا۔
لیکن یہ قول محض تخمین وظن ہے وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (پ ۱۱ سورۃ یونس)۔

فائدہ: علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اس کلمہ کو عجمی قرار دینا وہم ہے۔

(۲) جمہور کے نزدیک لفظ رحمٰن عربی ہے۔

دلیل: (۱) حافظ ابن کثیرؒ نے مختلف اشعار ایسے پیش کئے ہیں جن میں قدیم شعراء نے اس کلمہ کو استعمال کیا ہے اگر عبرانی زبان کا لفظ ہوتا تو قدیم شعراء اس کو استعمال نہ کرتے۔

(۲) حافظ ابن کثیرؒ نے لفظ رحمٰن کے عربی ہونے پر حضرت ابن عباس کا قول بھی نقل کیا ہے۔

الرحمٰن فعلان من الرحمۃ وھو من کلام العرب اس سے معلوم ہوا کہ لفظ رحمٰن عربی ہے۔

سوال: رحمٰن مشتق ہے یا غیر مشتق؟

جواب: لفظ رحمٰن کا مشتق یا غیر مشتق ہونا مختلف فیہ ہے۔

(۱) ابن مالک نحوی کے نزدیک لفظ رحمٰن غیر مشتق ہے۔

(۲) ابن خروف کے نزدیک لفظ رحمٰن مشتق ہے۔

دلیل: (۱) رحمٰن کو عام طور پر مشتق مانا جاتا ہے۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اللہ تعالیٰ انا الرحمٰن، خلقت الرحمۃ معلوم ہوا کہ یہ کلمہ رحمۃ سے مشتق ہے، اسی لئے علامہ قرطبیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ھذا نص فی الاشتقاق۔

سوال: لفظ رحمٰن منصرف ہے کہ غیر منصرف؟

جواب: اس میں اختلاف ہے (۱) علامہ زمخشری، امام بیضاوی اور ابن مالک نحوی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ رحمٰن غیر منصرف ہے جبکہ بعض حضرات اسے منصرف پڑھتے ہیں۔

دراصل انصراف اور عدم انصراف کی شرط میں اختلاف ہے۔

قاعدہ ہے کہ الف نون زائدتان اگر اسم ذات کے اخیر میں ہوں تو اس کے غیر منصرف بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو اور اگر صفت کے آخر میں ہوں تو اس کے غیر منصرف بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس صفت کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آتا ہو جیسے ندمان منصرف ہے اس لئے کہ اس کا مؤنث ندمانۃ بروزن فعلانۃ آتا ہے، اور اگر اسی ندمان کا مؤنث فعلیٰ کے وزن پر آئے تو غیر منصرف ہوگا، جیسے ندمان بمعنی پشیمان ہونا غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس کا مؤنث ندمیٰ آتا ہے۔

یہی بات رحمٰن میں بھی ہے، رحمٰن صفت کا صیغہ ہے اس کے آخر میں الف نون ہے، اب جن کے نزدیک یہ شرط ہے کہ فعلانۃ کے وزن پر اس کا مؤنث نہ آتا ہو ان کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس کا مؤنث رحمانۃ نہیں آتا، اور جن کے نزدیک وجود فعلیٰ کی شرط ہے ان کے نزدیک منصرف ہے اس لئے کہ رحمٰن کا مؤنث ہی نہیں آتا۔

فائدہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ کلام فصیح وبلیغ بھی ہے۔

بسملہ باعتبار علم المعانی

سوال: علم المعانی کسے کہتے ہیں؟

جواب: علم المعانی وہ علم ہے جس میں مقتضائے حال کی رعایت کی

جائے۔

سوال: مقتضائے حال کسے کہتے ہیں؟

جواب: مقتضائے حال کہتے ہیں حال جس کا تقاضہ کرے۔

سوال: حال کسے کہتے ہیں؟

جواب: حال وہ امر ہے جو اس بات پر ابھارے کہ متکلم اپنے کلام میں کوئی خصوصیت پیدا کرے۔

سوال: بسملہ میں خصوصیت کیسے پیدا ہوئی؟

جواب: بسملہ میں بسم اللہ الرحمٰن کو فعل پر مقدم کر کے معنی میں تاکید و حصر پیدا کی جس سے کفر و شرک کی تردید کی اور توحید کا اثبات کر کے کلام میں تخصیص پیدا کی جو مقتضائے حال کے مطابق ہے۔

فائدہ: حصر اور تخصیص کے چار طریقے ہیں۔

(۱) عطف کے ذریعہ (۲) نفی اور استثنا کے ذریعہ (۳) اِنَّما کے ذریعہ

(۴) تقدیم ماحقہ التاخیر کے ذریعہ اس لئے کہ قاعدہ ہے تقدیم ماحقہ التاخیر ویفید الحصر والتخصیص۔

یہاں پر حصر اور تخصیص تقدیم ماحقہ التاخیر کی بنا پر پائی جا رہی ہے۔

بسملہ باعتبار علم البدیع

علم البدیع: وہ علم ہے جس کے ذریعہ تحسین کلام کے طرق کی معرفت حاصل ہو۔

حسن کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حسنِ لفظی (۲) حسنِ معنوی

حسن لفظی: وہ حسن، جس کا تعلق لفظ سے ہو۔

حسنِ معنوی: وہ حسن، جس کا تعلق معنیٰ سے ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں حسنِ معنوی کے چار طریقے۔

(۱) توریہ (۲) صنعتِ استخدام (۳) صنعت ادماج (۴) صنعتِ مذہب کلامی۔

(۱) **توریہ:** کسی لفظ کے دو معنیٰ ہوں، معنیٰ قریب، معنیٰ بعید، معنیٰ قریب کو چھوڑ کر معنیٰ بعید مراد لینا۔

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں توریہ کیسے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں توریہ اس طرح ہے کہ رحمٰن اور رحیم کے دو معنیٰ ہیں (۱) رقتِ قلب یہ معنیٰ قریب ہے (۲) تفضّل واحسان یہ معنیٰ بعید ہے۔

اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں معنیٰ بعید مراد ہے۔

سوال: معنیٰ قریب، رقتِ قلب کیوں مراد نہیں لے سکتے؟

جواب: معنیٰ قریب رقتِ قلب مراد لینا محال ہے۔

سوال: معنیٰ قریب رقتِ قلب مراد لینا کیوں محال ہے؟

جواب: معنیٰ قریب رقتِ قلب مراد لینا محال اس لئے ہے کہ قلب کے لئے رقت، ضعف کی ایک قسم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے اس لئے معنیٰ بعید تفضّل واحسان مراد ہے۔

(۲) **صنعتِ استخدام:** ایک لفظ کے دو معنیٰ ہوں، جب وہ لفظ ذکر کیا جائے تو ایک جگہ ایک معنیٰ مراد ہو اور جب اسی لفظ کو دوسری مرتبہ ذکر کیا جائے تو دوسرے معنیٰ مراد ہوں جیسے قرآن کریم میں ہے فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ہے اس میں ایک لفظ شھر ہے، اس سے ہلال رمضان مراد ہے اور فَلْيَصُمْهُ کی (ہ) ضمیر جو

اَلشَّھْرَ کی طرف لوٹتی ہے اس سے مراد ماہ رمضان ہے چنانچہ ترجمہ ہوگا پس جو شخص رمضان کا چاند دیکھے پس چاہیے کہ رمضان کے روزے رکھے۔

یا کلام میں ایک لفظ ہو اور اس کی طرف دو ضمیریں لوٹ رہی ہوں ضمیر اول سے کوئی اور معنی مراد ہو اور دوسری ضمیر سے دوسرے معنیٰ مراد ہوں جیسے شاعر کا شعر

فسقی الغضا والساکنیه وإن هم... شبوه بین جوانحي وقلوبی۔

ترجمہ: پس سیراب کرے بارش شجرِ غضا کو اور اس کے اردگرد رہنے والے باشندوں کو۔ اگرچہ ان لوگوں نے آگ بھڑکائی ہے میرے پہلو اور قلوب کے درمیان۔

جیسے مذکورہ مثال میں الغضا (شجر نار) ایک لفظ ہے اس کی طرف الساکنیه کی (ہ) ضمیر بھی لوٹتی ہے اور شبوہ کی (ہ) ضمیر بھی لوٹتی ہے لیکن اول ضمیر سے مراد اہل غضا ہے اور دوسری ضمیر سے نار (آگ) مراد ہے۔

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعتِ استخدام کیسے ہے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعت استخدام اس طرح ہے کہ تین لفظ ہے (۱) اللہ (۲) الرحمٰن (۳) الرحیم

جب اللہ بولا گیا تو اس سے لفظ اللہ مراد ہے، اور جب الرحمٰن الرحیم بولا گیا تو اس میں جو ضمیر ہے اس کے ذریعہ ذات اللہ کو مراد لیا گیا، اسی کو صنعت استخدام کہا جاتا ہے۔

(۳) صنعت ادماج: ایک کلام کسی مقصد کے لئے بولا جائے اور اس کلام سے اس کے علاوہ دوسرا مقصد بھی سمجھ میں آئے۔

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعتِ ادماج کیسے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعت ادماج اس طرح ہے کہ بسملہ سے مقصد اصلی تبرک اور مدد حاصل کرنا ہے، لیکن اس کے ساتھ اللہ کی تعریف بھی

سمجھ میں آتی ہے کہ جس ذات کے نام سے مدد اور برکت حاصل کی جارہی ہے یقیناوہ رحمٰن ورحیم ہے۔

(۴) **صنعتِ مذہب کلامی** (اس کا دوسرا نام القول بالموجب ہے)۔

(۱) دعویٰ کی دلیل اہل کلام کے طریق پر پیش کی جائے۔

(۲) دعوی کو دلیل کے ساتھ پیش کرنا۔

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعتِ مذہب کلامی کیسے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعتِ مذہب کلامی اس طرح ہے کہ آپ نے کہا میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ، یہ دعوی ہو گیا اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے گویا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ لا ابتدء الا بسم اللہ، لانہ الرحمٰن الرحیم کی قوت میں ہے لہذا یہ دعوی مع دلیل ہو گیا۔

بسملہ باعتبار علم العقائد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ باری تعالی کا علم ہے، جس کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

المحدث للعالم ھو اللہ تعالی الواحدالقدیم الحی القادر العلیم السمیع البصیر المریدالخ

پھر بسملہ میں اللہ تعالی کی دو صفات ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم'' مذکور ہیں۔ اور صفات کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ''لہ صفات ازلیۃ قائمۃ بالذات وھی لاھو ولا غیرہ۔

فضائل تسمیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بے انتہاء بابرکت کلمہ ہے، اس کے اہتمام سے اعمال میں برکت پیدا ہوتی ہے، آفات وبلیات سے حفاظت ہوتی ہے، چنانچہ قرآن

کریم میں وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد ''بسم اللہ'' ہے (فسّرہ الزہری) اور حضرت وکیعؒ، ابن مسعودکا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

من اراد ان ینجیہ اللہ من الزبانیہ التسعہ عشر فلیقرء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لیجعل اللہ لہ بکل حرف منہا جنۃ من کل واحد (جو شخص یہ چاہے کہ ان انیس فرشتوں کی تکلیف سے محفوظ رہے جو بفرمان الٰہی عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ دوزخ پر مقرر ہیں وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کرے)۔

دوزخ پر مقرر فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں حروف بھی انیس ہیں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ایک ایک حرف پڑھنے سے ایک ایک فرشتے کے عذاب سے حفاظت ہو جائے گی۔

خصائص بسم اللہ

(۱) جو کوئی شخص یکم محرم الحرام کو تیرہ مرتبہ تسمیہ لکھ کر تعویذ بنا کر رکھے، وہ اشرار کی شرارتوں اور اہل جور کے ظلم و آفات سے محفوظ رہے گا (ذکرہ البیجوری فی شرح الشمائل)۔

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں جو رحمٰن ہے، اسے کوئی پچاس مرتبہ لکھے اور بازو پر باندھ لے تو وہ ظالم بادشاہ اور ظالم حاکم کی پریشانیوں سے محفوظ رہے گا۔

تاثیر تسمیہ

امام بیجوریؒ نے شرح شمائل ترمذی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر کلام کرتے ہوئے اس کی تاثیر کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے تفصیل جس کی یہ ہے کہ ملک روم کے کسی بادشاہ کے سر میں سخت درد رہتا تھا، علاج کرواتا مگر مرض سے افاقہ نہ ہوتا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ناچار اس نے اپنی تکلیف کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی اور علاج کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس ایک ٹوپی بھیج

دی، اس نے ٹوپی سر پر استعمال کی۔ جب تک وہ ٹوپی سر پر رہتی تب تک سر میں درد نہ ہوتا اور جب ٹوپی سر سے اتار دیتا تو پھر شروع ہو جاتا۔

بادشاہ پریشان ہوا کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ ٹوپی کھول کر دیکھا تو اس میں ایک تعویذ نکلا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ روم نے کہا کہ جس مذہب کے ایک کلمہ میں اتنی بڑی تاثیر ہے وہ مذہب کتنا رفیع اور وقیع ہوگا چنانچہ اس نے اسلام کو قبول کرلیا۔

تسمیہ کے فقہی احکام

بسملہ سے متعلق پانچ احکام ہیں۔

(۱) فرض: ذبح اور رمی صید کے وقت بسملہ پڑھنا فرض ہے، قصداً ترک کرنا حرام ہے۔

(۲) واجب: شیخ ابن ھمامؒ کے نزدیک ابتدائے وضوء میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔

(۳) سنت: جمھور احناف کے نزدیک وضوء سے قبل تسمیہ سنت ہے۔

(۴) مستحب: ہر مہتم بالشان کام سے پہلے تسمیہ پڑھنا یا لکھنا مستحب ہے۔

(۵) حرام: حرام کام کے وقت تسمیہ پڑھنا حرام ہے۔

(۶) مکروہ: محل نجاست اور اماکن مستقذرات میں بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔

سوال: کتب اشعار کے شروع میں بسم اللہ لکھنا کیسا ہے؟

جواب:: اس سلسلہ میں تین قول ہیں۔

(۱) مکروہ ہے جیسا کہ ”علامہ ابن حجرؒ اور علامہ زرقانیؒ نے فرمایا۔

(۲) مطلقاً جائز ہے یہ قول جمہور علماء کا ہے۔

(۳) اس میں تفصیل ہے۔ کہ جس طرح کلامِ منثور کی دو قسمیں ہیں (۱) حسن (۲) قبیح اسی طرح کلامِ منظوم کی بھی دو قسمیں ہیں، جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے، الشعر کلام حسنه حسن و قبیحه قبیح چنانچہ اگر اشعار کا مضمون اچھا ہو تو اشعار بھی اچھے شمار ہوں گے، اس اعتبار سے اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنا جائز ہوگا اور اگر اشعار کا مضمون اچھا نہیں ہے تو وہ اشعار بھی اچھے نہیں ہوں گے، اس اعتبار سے اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنا جائز نہ ہوگا۔

ترکیب بسم اللہ

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ موصوف، الرحمٰن صفت اول، الرحیم صفت ثانیہ، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ اسم مضاف کا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر با حرف جارہ کا مجرور، اس صورت میں اللہ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور اور الرحمٰن اور الرحیم صفت ہونے کی وجہ سے تبعا مجرور ہیں۔

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ موصوف، الرحمٰن معطوف علیہ، الرحیم معطوف واو عاطفہ کے اسقاط کے ساتھ، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر اللہ موصوف کی صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر با حرف جارہ کا مجرور اس صورت میں عطف مفرد علی المفرد ہوگا اور تقدیری عبارت اس طرح ہوگی (بسم اللہ الرحمٰن و الرحیم)۔

(۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ مبدل منہ، الرحمٰن موصوف، الرحیم صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر بدل الکل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر با حرف جار کا مجرور، اس صورت میں اللہ مجرور ہے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور الرحمٰن تبعا مجرور ہے اللہ کا

بدل ہونے کی وجہ سے اور الرحیم تبعا مجرور ہے موصوف کی صفت ہونے کی وجہ سے، اس صورت میں الرحیم صفت ہوگی الرحمٰن کی نہ کہ اللہ کی، اس لئے کہ اگر الرحیم کو اللہ کی صفت بنائیں تو دو خرابیاں لازم آئے گی، ایک یہ کہ بدل کا مبدل منہ کی صفت پر مقدم ہونا لازم آئے گا، اور دوسری یہ کہ موصوف اور صفت کے درمیان فصل ہو جائے گا۔

(۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا با حرف جار کا، ھو مبتدا محذوف، الرحمٰن خبر اول، الرحیم خبر ثانی، اس صورت میں دونوں صفتوں کو موصوف سے قطع کر کے مبتدا محذوف کی خبر بنا کر مرفوع پڑھیں گے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی (بسم اللہ ھو الرحمٰن الرحیم)۔

(۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا با حرف جار کا، أَعْنِيْ فعل با فاعل محذوف، الرحمٰن، الرحیم مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

فائدہ: اول تین ترکیبوں کے اعتبار سے الرحمٰن، الرحیم مجرور ہے اور آخری دو ترکیبوں کی صورت میں دونوں صفتوں الرحمٰن، الرحیم کو موصوف سے قطع کر کے یا تو مبتدا محذوف کی خبر بنا کر مرفوع پڑھیں گے یا فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھیں گے، اس لئے کہ نحویوں کا اصول ہے کہ اگر صفت سے مدح مقصود ہے تو اولیٰ یہ ہے کہ اس کو موصوف سے قطع کر دیا جائے، کیوں کہ صفت کو قطع کرنے سے موصوف کی تعیین ہو جاتی ہے، لیکن چوں کہ قرآن کریم میں جر کے ساتھ ہے، اس لئے اس کی اتباع ضروری ہے۔

سوال: بسملہ میں با کا متعلق مقدم ہے یا مؤخر؟

جواب: پانچوں ترکیبوں میں با حرف جار اپنے مجرور سے متعلق ہوگا؛ لیکن

اس کا متعلق مقدم ہوگا یا مؤخر، اس بارے میں علماء اس بات پر متفق ہیں کہ متعلق کو مقدم اور موخر دونوں طرح ماننا صحیح ہے۔ چنانچہ دونوں طرح کی مثالیں ملتی ہیں (۱) اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ میں متعلق مقدم ہے۔اور (۲) باسمک ربی وضعت جنبی و بک ارفعه ان امسکت نفسی فاغفر لها و ان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادک الصالحین میں متعلق مؤخر ہے۔

البتہ اولیٰ کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔

علامہ جار اللہ زمخشریؒ نے متعلق کو مؤخر مانا ہے۔

اس کی دو دلیلیں ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا نام ذاتی طور پر فعل سے مقدم ہے تو مناسب یہ ہے کہ ذکر کے اعتبار سے بھی باری تعالیٰ کا نام متعلق پر مقدم ہو۔

(۲) عامل (متعلق منہ فعل) اور متعلق (اسم) میں سے متعلق اہم ہے، اس لئے کہ کفار اپنے معبودوں کے نام سے کاموں کو شروع کیا کرتے تھے اور کہتے تھے "باسم اللات" اور "باسم العزی" تو اس کے خلاف کرنا واجب ہے؛ کہ کسی کام کو شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے اختصاص کا قصد کرے اور اختصاص کا قصد اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ متعلق (اسم) کو مقدم کر کے عامل کو مؤخر کرے جیسے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" میں اسم کو مقدم کر دیا ہے اختصاص کی وجہ سے۔

سوال: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ" میں فعل (عامل) کو مقدم کیوں کیا؟

جواب:: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ" میں فعل (عامل) کو مقدم اس لئے کیا کہ اس مقام پر فعل کی تقدیم زیادہ مناسب ہے۔

حد الکلمۃ

الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد

ترجمہ:

کلمہ ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

مختصر تشریح

کلمہ کی تعریف

المبادی: المبدأ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: سر چشمہ، بنیاد، قاعدہ اور اصول۔ اس جگہ یہ لفظ ''ابتدائی باتوں'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

کلمہ کی تعریف: کلمہ: منھ سے بولی ہوئی وہ بات ہے جو کسی ایک (تنہا) معنی کے لئے وضع کی گئی ہو (لفظ کے ٹکڑے کرنے سے وہ بات سمجھ میں نہ آئے جو پہلے سمجھ میں آتی تھے) جیسے قلم، کراسۃ اور عبداللہ نام ہونے کی حالت میں۔

فائدہ: علامہ زمخشریؒ کے نزدیک: کلمہ ہونے کے لئے لفظ بھی ایک ہونا ضروری ہے، جب لفظ ایک ہوگا تو معنی بھی لامحالہ ایک ہوگا اور اگر لفظ متعدد ہیں اور معنی ایک ہیں تو وہ کلمہ نہیں، جیسے عبداللہ نام ہونے کی حالت میں ان کے نزدیک کلمہ نہیں، کیونکہ وہ دو لفظ ہیں، اگرچہ اس کے معنی ایک ہیں۔

اور مصنفؒ کے نزدیک لفظ ایک ہونا ضروری نہیں: صرف معنی مفرد (ایک) ہونا ضروری ہے۔ پس عبداللہ نام ہونے کی حالت میں کلمہ ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد کلمہ کی تعریف کرنا ہے۔

سوال: علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام کے احوال ہیں اور احوال سے مراد معرب ہونا، مبنی ہونا وغیرہ ہے، تو کتاب کا آغاز معرب اور مبنی سے کرنا چاہئے حالانکہ صاحب کتاب نے کلمہ اور کلام کی تعریف سے کیا؟

جواب: کلمہ اور کلام بمنزلۂ ذات کے ہیں اور اسکے احوال (معرب اور مبنی ہونا) یہ بمنزلۂ وصف کے ہیں اور وصف کا پہچاننا موقوف ہے ذات پر جب تک ذات کی پہچان نہیں ہوگی وصف کی پہچان نہیں ہوسکتی گویا معرب اور مبنی ہونا بمنزلہ موقوف ہے اور کلمہ اور کلام بمنزلہ موقوف علیہ کے ہیں اور موقوف علیہ پہلے ہوتا ہے اور موقوف بعد میں، اس لئے صاحب کافیہؒ نے پہلے کلمہ اور کلام کی تعریف بیان کی۔

سوال: کلمہ اور کلام یہ دونوں ہی نحو کے موضوع ہیں تو پھر تعریف میں کلمہ کو مقدم کیوں کیا اور کلام کو موخر کیوں کیا؟

جواب: (۱) کلمہ بمنزلۂ مفرد کے ہے اور کلام بمنزلۂ مرکب کے ہے اور مفرد، مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

جواب: (۲) کلام میں کلمہ کا ہونا ضروری ہے گویا کلمہ یہ کلام کا جزء ہے اور کلام یہ کل ہے اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے کلمہ کو کلام پر مقدم کیا۔

سوال: کلمہ کی تعریف کیا ہے؟

جواب: کلمہ ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے زید یہ کلمہ ہے اسلئے کہ ایک ہی ذات کے لئے اس کو وضع کیا گیا ہے۔

سوال: الکلمۃ میں کتنی بحثیں ہیں اور کون کون سی؟

جواب: الکلمۃ میں چار بحثیں ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) الکلمۃ میں الف لام کونسا ہے؟ (۲) الکلمۃ کا مشتق منہ کیا ہے یہ کس

سے ماخوذ ہے اور مشتق منہ و مشتق میں مناسبت کیا ہے؟ (۳) الکلمۃ کونسا صیغہ ہے؟
(۴) الکلمۃ میں تاء کونسی ہے؟

بحث (۱)

الکلمۃ میں الف لام کون سا ہے؟

سوال: الکلمۃ میں الف لام کونسا ہے؟

جواب: الکلمۃ میں الف لام کونسا ہے اسکو سمجھنے کے لئے الف لام کے اقسام کو جاننا ضروری ہے۔

چنانچہ الف لام کی اولاً دو قسمیں ہیں (۱) الف لام اسمیہ (۲) الف لام حرفیہ

الف لام اسمیہ کی تعریف: الف لام اسمیہ ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہو جیسے الضارب ای الذی ضَرَبَ اور المضر وب ای الذی ضُرِبَ۔

الف لام حرفیہ کی تعریف: الف لام حرفیہ ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل نہ ہو۔

الف لام حرفیہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) الف لام زائدہ (۲) الف لام غیر زائدہ۔

الف لام زائدہ کی تعریف: الف لام زائدہ ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو ایسے علم پر داخل ہو جس میں وصف کے معنی پائے جاتے ہوں اور وہ حسن پیدا کرنے کے لئے ہو اور اس کا معنی میں کوئی دخل نہ ہو جیسے الحسن، الحسین۔

الف لام غیر زائدہ کی تعریف: الف لام غیر زائدہ ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو حسن پیدا کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ کوئی نہ کوئی معنی پیدا کرتا ہو۔

الف لام غیر زائدہ کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) الف لام استغراقی (۲) الف لام جنسی (۳) الف لام عہد خارجی (۴) الف لام عہد ذہنی

(۱) الف لام استغراقی: ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو تمام افراد کو شامل ہو جیسے ان الانسان لفی خسر میں الانسان کا الف لام استغراق کا ہے، اس لئے کہ یہاں تمام انسان کے افراد مراد ہے۔

(۲) الف لام جنسی: ایسے الف لام کو کہا جاتا ہے جو حقیقت و ماہیت پر دلالت کرتا ہو جیسے الرجل خیر من المرءۃ (مرد کی مردانیت، عورت کے زنانہ پن سے بہتر ہے) میں الرجل اور المرءۃ میں الف لام جنس کا ہے، اس لئے کہ رجل سے اس کی جنس مردانگی اور زنانہ پن مراد ہے نفس مرد اور مرءۃ سے نفس عورت مراد نہیں۔

(۳) الف لام عہد خارجی: ایسے الف لام کو کہا جاتا ہے جس کا معہود گذر چکا ہو اور اس کا مدلول متعین ہو جیسے فَعَصیٰ فِرعَونُ الرَّسُولَ (پ ۲۹ المزمل) میں الرسول کا الف لام عہد خارجی ہے اس کا معہود حضرت موسیٰ علیہ السلام متعین ہے۔

(۴) الف لام عہد ذہنی: اس الف لام کو کہتے ہیں جس کا معہود متعین نہ ہو غیر متعین ہو جیسے فَأَخَافُ أَنْ یَّأکُلَهُ الذِّئْبُ (پ ۱۲ یوسف) میں الذِّئْبُ کا الف لام عہد ذہنی کا ہے، اس لئے کہ الذِّئْبُ سے کوئی خاص بھیڑیا مراد نہیں بلکہ کوئی بھی بھیڑیا مراد ہے۔

سوال: الکلمۃ میں الف لام کونسا ہے اسمیہ یا حرفیہ؟

جواب: الکلمۃ میں الف لام حرفیہ ہے، الف لام اسمیہ نہیں ہے۔

سوال: الف لام اسمیہ کیوں نہیں ہوسکتا؟

جواب: الف لام اسمیہ یہ اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور الکلمہ یہ نہ اسم فاعل ہے اور نہ اسم مفعول ہے اس لئے الف لام اسمیہ نہیں ہوسکتا۔

سوال: الکلمۃ میں الف لام زائدہ ہے یا غیر زائدہ؟

جواب: الکلمۃ میں الف لام زائدہ نہیں ہے غیر زائدہ ہے۔

سوال: الف لام زائدہ کیوں نہیں، غیر زائدہ کیوں ہے؟

جواب: (۱) الف لام زائدہ یہ علم پر داخل ہوتا ہے اور الکلمۃ یہ علم نہیں ہے، اس لئے الف لام زائدہ نہیں ہو سکتا۔

جواب: (۲) الف لام زائدہ مانتے تو الکلمۃ نکرہ بن جاتا حالانکہ الکلمۃ مبتدا بنتا ہے اور مبتدا کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے، اس لئے بھی یہ الف لام زائدہ نہیں ہے۔

سوال: الف لام غیر زائدہ کی بہت ساری قسمیں ہیں یہاں کونسی قسم مراد ہے؟

جواب: بعض شارحین نے الف لام جنسی کو مراد لیا ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ تعریف، شئی کی حقیقت و ماہیت کی ہوتی ہے اور بعض حضرات نے الف لام عہد خارجی مراد لیا ہے گویا وہ مخصوص کلمہ مراد ہے، جس کو نحویوں کی اصطلاح میں کلمہ کہتے ہیں۔

سوال: الف لام استغراقی کیوں مراد نہیں لیا؟

جواب: الف لام استغراقی افراد پر دلالت کرتا ہے اور یہاں مصنف کلمہ کی تعریف بیان کرتے ہیں اور تعریف، ماہیت اور حقیقت کی کی جاتی ہے اور حقیقت اور ماہیت کا مفہوم استغراق میں نہیں پایا جاتا بلکہ جنس میں پایا جاتا ہے۔

سوال: الف لام عہد ذہنی کیوں مراد نہیں لیا؟

جواب: الف لام عہد ذہنی میں معہود متعین نہیں ہوتا نیز الف لام عہد ذہنی ، بمنزلہ نکرہ کے ہے اگر کلمہ میں الف لام عہد ذہنی مانیں گے تو یہ نکرہ ہو جائے گا حالانکہ

الکلمۃ مبتدا ہے اور مبتدا کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے۔

بحث (۲)

کلمہ کس سے مشتق ہے؟

سوال: کلمہ، کس سے مشتق ہے؟

جواب: کلمہ کَلْمٌ (بفتح الکاف وسکون اللام) سے مشتق ہے بمعنی زخم کے۔

سوال: کلام یہ کس سے مشتق ہے؟

جواب: کلام یہ بھی کَلْمٌ (بفتح الکاف وسکون اللام) سے مشتق ہے۔

سوال: کلمہ اور کلام جب دونوں کلم سے مشتق ہے تو مشتق و مشتق منہ کے درمیان مناسبت کیا ہے؟

جواب: مشتق اور مشتق منہ کے درمیان کبھی تو دلالت مطابقی کے طور پر، کبھی تو دلالت تضمنی کے طور پر اور کبھی دلالت التزامی کے طور پر مناسبت پائی جاتی ہے۔

فائدہ : دلالت مطابقی : کل بول کر کل مراد لیا جائے جیسے میں نے گاڑی خریدی تو اس مثال میں لفظ گاڑی سے مکمل گاڑی مراد ہے۔

دلالت تضمنی : کل بول کر جز مراد لیا جائے جیسے گاڑی خراب ہوئی اس مثال میں لفظ گاڑی سے پوری گاڑی کا خراب ہونا مراد نہیں ہے بلکہ ایک جز کا خراب ہونا مراد ہے۔

دلالت التزامی : کل بول کر نہ کل مراد لیا جائے نہ جز بلکہ لازم معنیٰ مراد لیا جائے جیسے زید گدھا ہے اس مثال میں گدھا بول کر نہ گدھے کا کل مراد ہے نہ گدھے کا جز مراد ہے بلکہ اس کا لازم بیوقوف ہونا مراد ہے۔

✿ ✿ کَلْمٌ، وہ مشتق منہ ہے اور کلمہ و کلام جو مشتق ہے، دونوں کے مابین

دلالت التزامی کے طور پر مناسبت پائی جاتی ہے۔

سوال: دلالت التزامی کے طور پر کیسے مناسبت پائی جاتی ہے؟

جواب: دلالت التزامی کے طور پر مناسبت اس طرح پائی جاتی ہے کہ کَلْمٌ کے معنی زخم کے آتے ہے اور کلمہ وکلام کے معنی گفتگو اور بات چیت کے آتے ہیں، انسان بعض مرتبہ ایسی گفتگو اور بات کرتا ہے جس سے وہ مخاطب کے دل کو رنجیدہ (زخمی) کر دیتا ہے، جیسا کے ایک شاعر کا شعر ہے

جراحات السنان لها التیام.......... ولا یلتام ما جرح اللسان

ترجمہ: تلوار کا گھاؤ تو بھر جاتا ہے اور جو زبان سے زخم ہوتا ہے یہ نہیں بھرتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ شعر حضرت علیؓ کا ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، البتہ حضرت علیؓ کا ایک دوسرا شعر ہے، جو اسی مضمون کا ہے۔

کل جراحة فلها دواء .... سوء الخلق لیس له دواء

ترجمہ:: ہر زخم کے لئے دواء ہے مگر بد اخلاقی کہ اسکی کوئی دواء نہیں ہے۔

بحث (۳)

کلم، کون سا صیغہ ہے؟

سوال: کلم، کون سا صیغہ ہے اسم جمع ہے یا اسم جنس ہے؟

جواب: اس میں دو قول ہیں۔

(۱) بصریین فرماتے ہیں کہ اسم جنس ہے۔

سوال: اسم جنس کسے کہتے ہیں؟

جواب: اسم جنس کہتے ہیں ہر وہ اسم جو قلیل وکثیر پر دلالت کرے۔

(۲) کوفیین فرماتے ہیں کہ اسم جمع ہے۔

سوال: اسم جمع کسے کہتے ہیں؟

جواب: جو مافوق الاثنین پر دلالت کرے۔

فائدہ: اسم جمع اور جمع کے مابین تین اعتبار سے فرق ہے۔

اسم جمع: (۱) جو مافوق الاثنین پر دلالت کرے مگر جمع کے وزن پر نہ ہو، خواہ اس کا مفرد ہو یا نہ ہو، برخلاف جمع کے جو مافوق الاثنین پر دلالت کرے، جمع کے وزن پر ہو اور اس کا مفرد بھی ہو۔

(۲) اسم جمع کی تصغیر کے لئے اس کے مفرد کی طرف لوٹانا ضروری نہیں ہے، برخلاف جمع کے، اس میں تصغیر کے لئے اس کے مفرد کی طرف لوٹانا ضروری ہے۔

(۳) اسم جمع خلافِ قیاس کے قبیل سے ہے، برخلاف جمع کہ وہ قیاس کے موافق ہے۔

سوال: بصریین کی دلیل کیا ہے؟

جواب: بصریین کہتے ہیں کہ اگر کلم، اسم جمع کا صیغہ ہوتا تو قرآن کریم کی آیت ''اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ'' میں اَلطَّیِّبُ کے بجائے جمع کا صیغہ ہوتا، اس لئے کہ اَلۡکَلِمُ یہ موصوف ہے اور اَلطَّیِّبُ اس کی صفت ہے اور موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے اور یہاں اَلطَّیِّبُ مفرد ہے، مطلب یہ ہوا کہ اَلۡکَلِمُ بھی مفرد ہے اور وہ اسم جنس ہے، اسم جمع نہیں ہے۔

کوفیین کی طرف سے بصریین کی دلیل کا جواب:: کوفیین، حضرات بصریین کی دلیل کا جواب: دیتے ہیں کہ اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ (پ ۲۲ الفاطر) میں الطَّیِّبُ یہ الۡکَلِمُ کی صفت نہیں ہے بلکہ الطَّیِّبُ سے پہلے بعض محذوف ہے جو اسکا موصوف محذوف ہے جب موصوف محذوف بعض یہ مفرد ہے تو الطَّیِّبُ صفت یہ بھی مفرد لائے۔

سوال: کوفیین کی دلیل کیا ہے؟

جواب: کوفیین فرماتے ہیں کہ کلم اسم جمع ہے، اس لئے کے اس کا اطلاق تین اور تین سے زائد پر ہوتا ہے نہ کہ اس سے کم دو اور ایک پر، اگر یہ اسم جنس ہوتا تو قلیل وکثیر دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ یہ اسم جمع ہے۔

بصریین کی طرف سے کوفیین کی دلیل کا جواب:: بصریین فرماتے ہیں کہ کلم یہ اسم جنس ہے، واضع نے اس کو اسم جنس کے لئے وضع کیا ہے لیکن استعمال تین اور تین سے زائد میں ہوتا ہے اور اعتبار وضع کا ہوتا ہے نہ کہ استعمال کا۔

بحث (۴)

الکلمۃ میں تاء کونسی ہے؟

سوال: الکلمۃ میں تاء کونسی ہے؟

جواب: الکلمۃ میں تاء وحدت کی ہے۔

سوال: الکلمۃ میں تعارض پایا جاتا ہے کیسے؟

جواب: الکلمۃ میں الف لام جنسی ہے اور جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر افراد پر ہوتا ہے جیسے پانی کا ایک قطرہ ہو تو اسکو بھی پانی کہیں گے اور اگر ایک ڈول پانی ہو تو اسکو بھی پانی کہیں گے، گویا الف لام جنسی تعمیم کا تقاضہ کرتا ہے اور الکلمۃ میں جو گول ۃ ہے، وہ وحدت کا تقاضہ کرتی ہے اور وحدت میں تخصیص ہوتی ہے اور تعمیم و تخصیص کے درمیان تعارض ہے۔

جواب: الکلمۃ میں گول (ۃ) وحدت نوعی یا جنسی ہے، جس میں تعمیم پائی جاتی ہے، اعتراض تو اسی وقت ہوتا جبکہ وحدتِ شخصی مراد ہوتی، اب الف لام جنسی میں بھی تعمیم اور "ۃ" میں بھی تعمیم تو کوئی سوال نہیں ہوگا۔

اس لئے کہ "ۃ" جو وحدت کے لئے آتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وحدت شخصی، اسی کا نام وحدت فردی ہے، جو ایک فرد پر دلالت کرے، جیسے سلمۃ۔

(۲) وحدت نوعی جو بہت سارے افراد پر دلالت کرے جن کی حقیقت ایک ہو جیسے انسان۔

(۳) وحدت جنسی جو بہت سارے افراد پر دلالت کرے لیکن سب کی حقیقت الگ ہو جیسے حیوان۔

سوال: الکلمۃ مبتدا مؤنث ہے اور ''لفظٌ'' خبر مفرد، مذکر ہے اور مبتدا اور خبر دونوں میں مطابقت ضروری ہے، اور یہاں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: (۱) مبتدا اور خبر دونوں میں مطابقت اس وقت ضروری ہے جبکہ مبتدا کی خبر اسمائے مشتقات میں سے ہو اور ''لفظٌ'' تو اسم جامد ہے، اسمائے مشتقات میں سے نہیں ہے لہذا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جواب: (۲) لفظ، ملفوظۃ کے معنی میں ہے جو کہ اسم مشتق ہے۔

سوال: الکلمۃ یہ مبتدا ہے لفظٌ یہ اسکی خبر ہے اور لفظٌ مصدر ہے اور مصدر کو مبتدا کی خبر بنانا درست نہیں ہوتا، اس لئے کہ مصدر کا حمل ذات پر درست نہیں جیسے ''زیدٌ علمٌ'' نہیں کہہ سکتے، اسی طرح الکلمۃُ لفظٌ بھی نہیں کہہ سکتے؟

جواب:: لفظٌ جو مصدر ہے یہ ملفوظٌ کے معنی میں ہے اور ملفوظٌ اسم مفعول ہے لھذا حمل درست ہو جائے گا۔

سوال: لفظٌ کو ملفوظٌ (اسم مفعول) کے معنی میں کیوں لیا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں اور کبھی اسم مفعول کے معنی میں آتا ہے، اس لئے لفظ کو ملفوظ (اسم مفعول) کے معنی میں لیا۔

سوال: مکتب میں بچوں کو پڑھاتے ہیں اول کلمہ طیبہ، لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ یہ تو کلام ہے، اسکو کلمہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: (۱) کلمہ کا استعمال مجازاً کبھی جملہ کے لئے بھی ہوتا ہے۔

سوال: کیا آپ ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں جس میں کلمہ جملہ کے معنی میں استعمال ہوا ہو؟

جواب: آیت کریمہ مثلا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ (پ ١٣ ابراھیم) میں کلمہ کا اطلاق جملہ پر ہوا ہے۔

(۲) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ جملہ بمنزلۂ علَم کے ہے ایمان کے لئے اور علَم یہ مفرد کے درجہ میں ہوتا ہے اس لئے کلمہ کہنا درست ہے۔

لَفْظٌ

اس میں دو بحثیں ہیں۔

(۱) لفظ کے لغوی معنی (۲) لفظ کے اصطلاحی معنی۔

(۱) **لغوی معنی:** لفظ، یہ مصدر ہے اس کے لغوی معنی آتے ہیں پھینکنے کے۔

پھینکنے کی عقلی طور پر چار صورتیں ہیں۔

(۱) منہ سے الفاظ پھینکنا جیسے لفظتُ، میں نے بولا۔

(۲) منہ سے الفاظ کے علاوہ کسی اور چیز کو پھینکنا جیسے اکلت التمرۃ و لفظت النواۃ میں نے کھجور کھائی اور گٹھلی کو پھینک دیا۔

(۳) غیر منہ سے غیر لفظ کو پھینکنا جیسے چکی سے آٹا کو پیسنا چکی یہ غیر منھ ہے اور آٹا یہ غیر لفظ ہے۔

(۴) غیر منھ سے لفظ کو پھینکنا جیسے ٹیپ ریکارڈر سے آواز کا نکلنا۔

(۲) **اصطلاحی معنی:**

لفظ کی اصطلاحی تعریف: ما یتلفظ بہ الانسان قلیلا کان أو کثیرا امھملا

کان أو موضوعا، حقیقة کان أو حکما مفردا کان أو مرکبا۔

ترجمہ: لفظ جس کا انسان تلفظ کرے چاہے قلیل ہو یا کثیر، چاہے مہمل ہو یا موضوع، چاہے حقیقۃً ہو یا حکماً اور چاہے مفرد ہو یا مرکب۔

فائدہ: حکماً جیسے اضرب زیدا میں اضرب کے اندر أنت ضمیر پوشیدہ ہے جب اضرب کہا تو اس نے حکما انت بھی کہہ دیا۔

سوال: لفظ کی اصطلاحی تعریف میں الانسان کی قید لگائی جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان جس چیز کا تلفظ کرتا ہے اسی کو لفظ کہا جائے گا اور اللہ کے کلام، فرشتے اور جنات کے کلام کو لفظ نہیں کہا جائے گا؟

جواب: لفظ کی اصطلاحی تعریف میں الانسان کی قید لگانے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اس لئے کہ جن اور فرشتوں کے کلام کو جب انسان اپنی زبان سے ادا کرے گا تو مایتلفظ بہ الانسان میں ہی شمار ہوگا۔

فائدہ: جنات کے کلام کی مثال: حرب بن امیہ کے گھر میں ایک سانپ نکل آیا، جس کو مار دیا، یہ سانپ نہیں تھا بلکہ جنات تھا، جب آپ صبح کے وقت قضائے حاجت کے لئے گئے تو جنات میں سے ایک جنات نے چیخ ماری تو ان کی روح پرواز ہو گئی، جب ان کے بھائی ان کو ڈھونڈنے نکلے تو ایک جن شعر پڑھ رہا تھا۔

قبر حرب بمکان قفر   ولیس قرب قبر حرب قبر

ترجمہ: حرب کی قبر مکان قفر میں ہے اور حرب کی قبر کے قریب کوئی قبر نہیں ہے۔

فائدہ: فرشتوں کے کلام کی مثال:

ان فی الجنة نهرا فی لبن   لعلی وحسین وحسن

ترجمہ: جنت میں ایک نہر دودھ کی ہے، جو علی اور حسن وحسین کے لئے ہے۔

وَضع

اس میں دو بحثیں ہیں (۱) لغوی معنیٰ (۲) اصطلاحی معنیٰ

(۱) لغوی معنیٰ:

یہ وضع سے مشتق ہے جس کے لغوی معنیٰ ''نمودن'' ظاہر کرنا، واضح کرنا، تخصیص کرنا کے آتے ہیں۔

(۲) اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاح میں وضع کہا جاتا ہے ''تخصیص شی بشی بحیث متی اطلق او احس الشیٔ الأول فهم منه الشیٔ الثانی''

ترجمہ: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ جب شیٔ اول بولی جائے یا محسوس کی جائے تو شیٔ ثانی سمجھ میں آ جائے جیسے لفظ کافیہ کو مخصوص کتاب کے ساتھ خاص کر دیا، اب جب بھی کافیہ کا لفظ بولا جائے گا تو مخصوص کتاب کافیہ ہی سمجھ میں آئے گی نہ کہ کوئی اور کتاب۔

سوال: من، في، الی وغیرہ جو کہ حروفِ جارہ ہیں، جو مخصوص معنیٰ کے لئے وضع کئے گئے ہیں، اس کے باوجود جب یہ حروف بولے جاتے ہیں تو شیٔ ثانی سمجھ میں نہیں آتی؟

جواب: (۱) اہل عرب نے حروف جارہ من، الی، في وغیرہ کو ضم ضمیمہ کے لئے وضع کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب جب حروف جارہ کا استعمال کرتے ہیں تو ضم ضمیمہ کے ساتھ (دوسرے حروف کے ساتھ ملا کر) استعمال کرتے ہیں۔

(۲) وضع کی تعریف میں جو أطلق اور أحس کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد اطلاق تامہ ہے اور اطلاق تامہ کا مطلب یہ ہے کہ حروف کا استعمال دیگر کلمات سے مل کر ہو، لہذا اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

لِمَعْنًی

سوال: لمعنیً میں کتنی بحثیں ہیں؟

جواب: اس میں چار بحثیں ہیں۔

(۱) لغوی تعریف (۲) اصطلاحی تعریف (۳) معنیً کونسا صیغہ ہے؟ (۴) تعلیل اس میں کس اعتبار سے ہوئی؟

(۱) لغوی تعریف:

معنی، عنیٰ یعنیٰ سے ہے جس کے معنی ہیں قصد وارادہ کرنا، مراد لینا۔

(۲) اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں معنی اس شیٔ کو کہا جاتا ہے جسے مراد لیا جائے۔

فائدہ: لفظ سے مخصوص معنیٰ مراد لئے جاتے ہیں، اس اعتبار سے اس کو معنی کہتے ہیں، اور لفظ سے اس معنی کا قصد کیا جاتا ہے اس لئے اس کو مقصود کہتے ہیں، اور لفظ سے وہ معنی سمجھ میں آتے ہیں، اس اعتبار سے اس کو مفہوم کہتے ہیں، اور لفظ اس معنی پر دلالت کرتا ہے، اس اعتبار سے اس کو مدلول کہتے ہیں۔

(۳) معنی کونسا صیغہ ہے؟

اس میں تین قول ہے۔

(۱) ظرف مکان (۲) مصدر میمی (۳) اسم مفعول

سوال: تینوں اقوال میں سے راجح قول کونسا ہے؟

جواب: راجح قول تیسرا (اسم مفعول والا) ہے۔

سوال: مصدر میمی کیوں نہیں مانتے؟

جواب: اگر مصدر میمی مانتے ہیں تو ترجمہ غلط ہوجاتا ہے، ترجمہ ہوگا کلمہ ایسا

لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو قصد کرنے کے لئے حالانکہ لفظ کو وضع کیا گیا ہے مراد کو متعین کرنے کے لئے نہ کہ قصد کرنے کے لئے۔

سوال: اسم مکان کیوں نہیں مانتے؟

جواب: اگر اسم مکان مانتے ہیں تو بھی ترجمہ غلط ہو جاتا ہے، ترجمہ ہوگا کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو قصد کی جگہ کے لئے حالانکہ مراد کو متعین کرنے کے لئے آتا ہے نہ کہ قصد کی جگہ کے لئے۔

(۴) معنیٰ میں کس اعتبار سے تعلیل ہوئی ہے؟

معنیٰ اصل میں مَعْنُوِیٌ بروزن مفعول تھا، واو اور یاء ایک کلمہ میں جمع ہوئے، ان میں سے پہلا ساکن ہے، تو واو کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا مَعْنُیٌّ ہوا، اس کے بعد یاء کی مناسبت سے نون کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا اس لئے کہ یاء اپنے ما قبل کسرہ چاہتی ہے، مَعنِیٌّ ہوا، پھر خلاف قیاس تخفیفاً کسرہ کو فتح سے بدل دیا معنَیٌ وا، پھر یاء متحرک ما قبل مفتوح یاء کو الف سے بدل دیا تو مَعْنیً ہو گیا۔

سوال: معنیً تو اسم مقصور ہے اور اسم مقصور کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے تو پھر دو زبر کی تنوین کیسے آ گئی؟

جواب: حرف علت اپنے مناسب حرکت کا دوگنا ہوتا ہے واو، دو پیش کے برابر اور یاء دو زیر کے برابر اور الف، دو زبر کے برابر ہے، اس لئے دو زبر کی تنوین لائے۔

مُفْرَدٍ

اس میں تین بحثیں ہیں۔

(۱) لغوی معنیٰ (۲) اصطلاحی معنیٰ (۳) اعراب

(۱) لغوی معنیٰ:

مفرد یہ فرد سے مشتق ہے، اس کے معنی آتے ہیں اکیلا ہونا، تنہا ہونا۔

(۲) اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاح میں مفرد کہا جاتا ہے لفظ کا جز معنی کے جز پر دلالت نہ کرے۔

فائدہ: عقلی طور پر اس کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) لفظ کا جز نہ ہو جیسے ہمزہ استفہام (۲) لفظ کا جز ہو البتہ معنیٰ کا جز نہ ہو جیسے اللہ (۳) لفظ کا جز ہو اور معنیٰ کا جز بھی ہو لیکن دلالت نہ کرے جیسے عبداللہ (۴) لفظ کا جز ہو، معنیٰ کا جز ہو، دلالت بھی ہو لیکن وہ دلالت مقصود نہ ہو جیسے حیوانِ ناطق بحالت علمیت۔

(۳) اعراب:

اعراب کے اعتبار سے تین احتمالات ہیں (۱) دو پیش کی تنوین کے ساتھ (۲) دو زبر کی تنوین کے ساتھ (۳) دو زیر کی تنوین کے ساتھ۔

سوال: لفظ مفرد دو پیش کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں کیا واقع ہوگا؟

جواب: لفظ مفرد دو پیش کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں ''لفظ'' کی صفتِ ثانیہ واقع ہوگا، اس لئے کہ لفظ مفرد کی صفتِ اول وضع لمعنی ہے۔

سوال: لَفظٌ کی صفتِ اول (وضع لمعنی) جملہ کی شکل میں اور صفتِ ثانیہ (مفرد) مفرد کی شکل میں، ایسا کیوں؟

جواب: لفظ کی صفت اول جملۂ فعلیہ کی شکل میں اور صفت ثانیہ مفرد کی شکل میں اس لئے اختیار کی گئی تاکہ تنبیہ کی جائے کہ معنیٰ کی وضع مقدم ہوتی ہے اور لفظ کا مفرد اور مرکب ہونا (جو کہ صفت ہے) بعد میں ہوتا ہے۔

سوال: لفظِ مفرد، دو زبر کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں کیا واقع ہوگا؟

جواب: لفظِ مفرد دوز بر کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں حال واقع ہوگا۔

سوال: اس کا ذوالحال کون ہوگا؟

جواب: اس کے ذوالحال میں دو احتمال ہیں۔

(۱) وُضِعَ کی ضمیر سے حال واقع ہو۔

(۲) لِمَعْنیً سے حال واقع ہو۔

سوال: اگر وُضِعَ کی ضمیر سے حال واقع ہو تو اشکال ہوگا کہ ذوالحال کے لئے فاعل یا مفعول کا ہونا ضروری ہے اور وُضِعَ کی ضمیر تو نائب فاعل ہے، اس لئے کہ وُضِعَ فعل مجہول ہے؟

جواب: صاحب مفصّل کے نزدیک نائب فاعل بھی حقیقی فاعل ہی کے مانند ہے، لہذا اس کا ذوالحال بننا صحیح ہوگا۔

سوال: اگر وُضِعَ کی ضمیر سے حال واقع ہو تو اشکال ہوگا کہ ذوالحال کا زمانہ فعل ماضی ہے اور حال کا زمانہ موجودہ، حالاں کہ ذوالحال اور حال کا زمانہ ایک ہونا ضروری ہے؟

جواب: ذوالحال اور حال کے مابین تقدم ذاتی ہے، جس میں ظاہراً تو زمانہ میں تقدم و تاخر نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں زمانہ میں اتحاد ہوتا ہے جیسے ہاتھ اور چابی کی حرکت کہ ہاتھ کی حرکت پہلے ہوگی اور چابی کی حرکت بعد میں لیکن حقیقت میں دونوں کی حرکت ایک ساتھ ہوگی۔

فائدہ: تقدم کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) تقدم ذاتی (۲) تقدم طبعی (۳) تقدم زمانی (۴) تقدم وضعی (۵) تقدم شرفی۔

(۱) تقدم ذاتی: مقدم محتاج الیہ ہو اور مؤخر محتاج ہو اور مقدم، مؤخر کے لئے

علت تامہ ہو جیسے حرکتِ ید، حرکت قلم کے لئے۔

(۲) **تقدم طبعی:** مقدم محتاج الیہ ہو اور مؤخر محتاج ہو اور مقدم مؤخر کے لئے علت تام نہ ہو جیسے تصور اور تصدیق۔

(۳) **تقدم زمانی:** مقدم ایک زمانہ میں ہو اور مؤخر دوسرے زمانہ میں ہو جیسے باپ، بیٹا۔

(۴) **تقدم وضعی:** ایک چیز کو مقدم اور دوسری چیز کو مؤخر کیا جائے جیسے کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم۔

(۵) **تقدم شرفی:** جس میں مقدم کے لئے ایسا شرف ہو جو مؤخر کے لئے نہ ہو جیسے امام اور مقتدی۔

سوال: اگر لِمَعْنیً سے حال واقع ہو تو اشکال ہوگا کہ ذوالحال کے لئے فاعل یا مفعول کا ہونا ضروری ہے اور لمعنیً نہ تو فاعل ہے نہ نائب فاعل؟

جواب: لمعنیً مفعول ہے وُضِعَ کا، حرفِ جر لام کے واسطے سے لہٰذا اس کا ذوالحال بننا صحیح ہوگا۔

سوال: لفظ مفرد، دوزبر کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں کیا واقع ہوگا؟

جواب: لفظ مفرد، دوزبر کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں لمعنیً کی صفت واقع ہوگا۔

سوال: اگر لفظِ مفرد ترکیب میں لمعنیً کی صفت واقع ہو تو اشکال لازم آئے گا کہ معنیً کا مفرد ہونا لفظ کی وضع سے پہلے ہوگا حالاں کہ لفظ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور معنیً کا مفرد ہونا بعد میں ہوتا ہے۔

جواب:: لفظِ مفرد کا لمعنیً کی صفت ہونا مایؤول کے اعتبار سے صحیح ہو جائے گا۔

سوال: مایؤول کا کیا مطلب؟

جواب: مایؤول کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کا مستقبل میں ہونا یقینی ہو، اس کو زمانۂ موجودہ میں ذکر کیا جائے جیسے روایت میں ہے کہ "من قتل قتیلا فلہ سلبہ" (جو شخص کسی مقتول کو قتل کرے اس کے لئے اس مقتول کا ساز وسامان ہے) اس میں قتیلا کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی مقتول کے ہیں اور مقتول کہا جاتا ہے جس کو قتل کیا جاچکا ہو تو پھر مقتول کو قتل کرنے کا کیا مطلب؟ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتیلا (مقتول) ما یؤول کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ گوابھی تو مقتول نہیں لیکن آئندہ زمانہ کے لحاظ سے قتیلا (مقتول) ہے۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے

چنانچہ کلمہ کی تعریف لفظ وضع لمعنی مفرد یہ بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے۔

لفظ بمنزلۂ جنس ہے اس لئے کہ جنس کہا جاتا ہے ایسی کلی جو کثیر افراد پر بولی جائے اور ان کی حقیقتیں الگ الگ ہو جیسے حیوان ایک کلی ہے اس میں کثیر افراد داخل ہیں جیسے زید، بھینس، گائے، شیر وغیرہ اور ان کی حقیقتیں الگ الگ ہیں اور جیسے لفظ سامان۔

اور لفظ بھی کثیر افراد پر بولا جاتا ہے جیسے موضوع، مہمل، قلیل، کثیر، مفرد، مرکب جن کی حقیقتیں جدا جدا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ لفظ بمنزلۂ جنس ہے۔

فائدہ: لفظ، ایک اعتبار سے فصل ہے، اس سے دوال اربعہ کو خارج کیا، اس لئے کہ دوال اربعہ غیر لفظ ہے۔

دوال اربعہ یہ ہیں (۱) عُقُود (۲) خطوط (۳) اشارات (۴) نُصُب۔

(۱) عقود: یہ عقد کی جمع ہے بمعنی گرہ لگانا، عقد انامل (پوروں کی گنتی) مستقل فن ہے، جن کے ذریعے اعداد کو شمار کیا جاتا ہے۔

فائدہ: غیاث اللغات ص: ۳۴۷ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔

(۲) خطوط: یہ خط کی جمع ہے جیسے کتابوں میں جو تحریرات ہیں یہ الفاظ پر دال ہیں اور الفاظ معانی پر دال ہیں۔

(۳) نصب: یہ نَصَب سے مشتق ہے بمعنی کھڑی کی ہوئی چیز جو راستہ بتانے کے لئے کھڑی کی جائے جیسے شارع عام پر کھڑے پتھر جو مسافت اور دوری کو بتاتے ہیں۔

(۴) اشارات: یہ اشارہ کی جمع ہے جیسے سر کا اشارہ اوپر نیچے، جو ہاں پر دلالت کرتا ہے۔

وضع: یہ فصل اول ہے اس لئے کہ اس سے لفظ مہمل کو خارج کیا اس لئے کہ یہ موضوع نہیں ہے جیسے دیز وغیرہ، البتہ اس میں حروف ہجا، اُح اُح اور مرکب داخل ہے۔

لمعنی: یہ فصل ثانی ہے اس لئے کہ اس سے حروف ہجا اور اُح اُح جیسے الفاظ کو خارج کیا اس لئے کہ یہ موضوع تو ہے لیکن معنی دار نہیں ہے، البتہ اس میں مرکب داخل ہے۔

سوال: حروف ہجا اور اُح، اُح کو خارج کرنے کے لئے لمعنی کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے کہ معنی تو وَضع میں داخل ہے، اس لئے کہ وَضع کہتے ہیں اس بات کو کہ شیٔ اول سے شیٔ ثانی سمجھ میں آئے، شیٔ اول وضع ہے اور شیٔ ثانی سے معنی مراد ہے۔

جواب: صاحب کافیہ نے تجرید سے کام لیا۔

سوال: تجرید کسے کہتے ہے؟

جواب: تجرید کہتے ہیں کسی چیز کو خالی کرنا، چنانچہ وضع میں معنی کا مفہوم داخل تھا لیکن وضع سے معنی کے مفہوم کو خارج کیا اور جب معنی کا مفہوم خارج کیا تو معنی کا

مفہوم وضع میں نہیں رہا، اس لئے صاحب کافیہؒ نے الگ سے ذکر کیا، اس لئے کہ معنی کا مفہوم وضع میں ضمناً ہے حالانکہ صراحۃً اولی ہے ضمناً سے۔

سوال: کافیہ کو مختصر بیان کیا اور مختصر کا تقاضا تھا کہ وضع سے معنی کو الگ اور جدا کر کے صراحۃً بیان نہ کرتے؟

جواب: اگر صاحب کافیہ معنی کو الگ اور جدا نہ کرتے تب بھی کافی تھا اس لئے کہ اس سے یقیناً حروف ہجا اور اُح، اُح جیسے الفاظ خارج ہو جاتے، لیکن یہ خارج ہونا ضمناً ہوتا اور صاحب کافیہ نے ارادہ کیا کہ وہ چیزیں صراحۃً خارج ہوتا کہ طالب علم اچھی طرح بات سمجھ جائے۔

فائدہ: حروف کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) حروف ہجا (۲) حروف مبانی (۳) حروف معانی۔

(۱) **حروف ہجا:** وہ حروف ہیں جو مرکب نہ ہو جیسے الف، با، تا وغیرہ۔

(۲) **حروف مبانی:** وہ حروف ہیں جس سے کوئی لفظ مرکب ہو لیکن ان حروف کے کوئی معنی نہ ہو جیسے زید مرکب ہے ز، ی، د سے لیکن ان کے کوئی معانی نہیں ہیں۔

(۳) **حروف معانی:** وہ حروف ہیں جو معنی دار ہو جیسے حروف جارہ من، الی وغیرہ۔

مفرد: یہ فصل ثالث ہے اس لئے کہ اس سے مرکب کو خارج کیا۔

سوال: مفرد جب حالت نصبی میں مانیں گے تو الف کے ساتھ (مفرداً) لکھنا چاہیئے اس لئے کہ نصب کی حالت میں رسم الخط الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے یہاں الف کے ساتھ کیوں نہیں لکھا؟

جواب: (۱) متاخرین حضرات فرماتے ہیں کہ الف کے ساتھ لکھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دو زبر کی تنوین کو الف کے ساتھ ایسی جگہ لکھا جاتا ہے؛ جہاں نصب کے علاوہ دوسرے اعراب کا احتمال نہ ہو اور یہاں نصب کے علاوہ رفع اور جر دونوں کا احتمال ہے۔

سوال: مصنفؒ نے ''مفصل'' کو سامنے رکھ کر کافیہ لکھی ہے اور مفصل میں لفظة کا صیغہ استعمال ہوا ہے، تو صاحب کافیہؒ نے لفظ کیوں کہا لفظة کیوں نہیں کہا؟

جواب: صاحب مفصل نے تاء کو وحدتِ فردی مانا ہے اور صاحب کافیہؒ نے تاء کو وحدتِ جنسی مانا ہے، اس لئے صاحب کافیہؒ نے صاحب مفصل کی پیروی نہیں کی۔

اقسام الکلمۃ

وھی اسم و فعل و حرف

ترجمہ: اور وہ (کلمہ) اسم فعل اور حرف ہے۔

مختصر تشریح

کلمہ کے اقسام

کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف۔

مثالیں: گھوڑا اور کتاب یہ اسم ہے اور کھاتا ہے، آتا ہے یہ فعل ہے اور ''سے'' اور ''پر'' یہ حرف کی مثال ہے۔

وضاحت

سوال: صنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد کلمہ کی تقسیم کرنا ہے۔

سوال: کلمہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: کلمہ کی تین قسمیں ہیں (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف

فائدہ: جعفر بن صابر نے کلمہ کی چار قسمیں بیان کی (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف (۴) خالفہ۔

لیکن حقیقت میں کوئی قسم نہیں ہے جسکو جمہور اسمِ فعل کہتے ہیں اسی کو جعفر بن صابر نے خالفہ کہا ہے۔

عبارت (وھی اسم وفعل وحرف) پر دو اعتراض ہوتے ہیں۔

سوال: (۱) مصنف نے واو کا کلمہ استعمال کیا اور واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے، گویا عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ کلمہ، کلمہ اس وقت بنے گا جب کے اسم، فعل اور حرف تینوں ایک ساتھ ہوں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے؛ بلکہ فعل اکیلا ہو اس کو بھی کلمہ کہا جاتا ہے اور اسم تنہا ہو تو اس کو بھی کلمہ کہا جاتا ہے اور حرف اکیلا ہو اس کو بھی کلمہ کہا جاتا ہے؟

جواب: اس کے جواب: سے پہلے بطور تمہید یہ بات جاننا ضروری ہے۔

تقسیم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تقسیم الکلی الی الجزئی: ہر جزئی پر کلی کا اطلاق صحیح ہو جیسے مٹھائی یہ کلی ہے اور برفی، افلاطون مٹھائی کی جزئیات ہیں، برفی کو مٹھائی کہنا درست ہے، اسی طرح افلاطون کو بھی مٹھائی کہنا صحیح ہے اور دونوں کو ایک ساتھ بھی مٹھائی کہنا صحیح ہے۔

(۲) تقسیم الکل الی الجز: ہر جز پر کل کا اطلاق صحیح نہ ہو جیسے مکان یہ کل ہے اور دروازہ، کھڑکی وغیرہ اس کے اجزا ہیں، دروازہ کو مکان کہنا صحیح نہیں اور اسی طرح کھڑکی کو

بھی مکان کہنا درست نہیں البتہ دروازہ، کھڑکی وغیرہ کے مجموعے کو مکان کہنا درست ہے۔

سوال: یہاں کونسی تقسیم مراد ہے؟

جواب: تقسیم الکلی الی الجزئی مراد ہے، اس لئے کہ کلمہ کلی ہے اور اسم، فعل، حرف تینوں اس کی جزئیات ہیں اور اسم کو کلمہ کہنا، فعل کو کلمہ کہنا، اسی طرح حرف کو کلمہ کہنا درست ہے، اور تینوں کے مجموعے کو بھی کلمہ کہنا صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں تقسیم الکلی الی الجزئی ہے۔

اور تقسیم الکلی الی الجزئی میں حکم مقدم ہوتا ہے اور عطف مؤخر ہوتا ہے اور تقسیم الکل الی الجز میں عطف کو مقدم کیا جاتا ہے اور حکم کو مؤخر کیا جاتا ہے لہذا اس جگہ حکم مقدم ہوگا اور مقصد کلمہ کی تقسیم ہوگی۔

فائدہ: کسی چیز کے بارے میں معلوم کرنا ہو کہ تقسیم الکلی الی الجزئی ہے یا تقسیم الکل الی الجز تو اس چیز کو مبتدا بنائیں گے اور اس کے مناسب چیز کو خبر بنائیں گے، اگر جملہ صحیح بنتا ہے تو تقسیم الکلی الی الجزئی ہے اور اگر جملہ غلط بنتا ہے تو تقسیم الکل الی الجز ہے۔

اول کی مثال: برفی کے متعلق معلوم کرنا ہے کہ تقسیم الکلی الی الجزئی ہے یا تقسیم الکل الی الجز تو برفی کو مبتدا اور اس کے مناسب مٹھائی کو خبر بنادو، اب جملہ بنے گا برفی مٹھائی ہے اور یہ جملہ صحیح ہے لھذا یہاں تقسیم الکلی الی الجزئی ہے۔

ثانی کے مثال: دروازہ کے بارے میں معلوم کرنا ہے کہ تقسیم الکلی الی الجزئی ہے یا تقسیم الکل الی الجز ہے تو دروازے کو مبتدا اور اسکے مناسب کمرہ اس کو خبر، اب جملہ بنے گا دروازہ کمرہ ہے اور یہ جملہ غلط ہے لھذا یہ تقسیم الکل الی الجز ہے۔

وھی اسم و فعل و حرف

سوال: (۲) نحو کا ایک قانون ہے کہ ضمیر کا مرجع مؤنث ہو اور اس ضمیر کی خبر مذکر ہو تو خبر کی رعایت کی جاتی ہے مرجع کی نہیں کی جاتی مگر مذکورہ عبارت میں مرجع کی رعایت کی گئی، خبر کی رعایت نہیں کی گئی؟

جواب: ھی ضمیر کی خبر اسم، فعل، حرف نہیں ہے بلکہ ھی کی خبر محذوف ہے، ھی منقسمۃ گویا مرجع بھی مؤنث اور خبر بھی مؤنث تو صاحب کافیہؒ کا عبارت میں ھی کا ضمیر لانا صحیح ہے۔

سوال: اسم کس سے مشتق ہے؟

جواب: اسم، بصریین کے نزدیک مشتق ہے سُمُوٌّ سے بمعنی علو اور بلندی کے اور اسم بھی اپنے دونوں قسیم (فعل اور حرف) کے مقابلے بلند ہے اس لئے اسکو اسم کہا جاتا ہے۔

سوال: سمو سے اسم کیسے بن گیا؟

جواب: سمو سے اسم اس طرح بنا کہ سمو کے واؤ کو حذف کر کے شروع میں ہمزہ بڑھادیا اسم ہو گیا۔

کوفیین کے نزدیک اسم یہ وِسم سے مشتق ہے بمعنی علامت اور اسم بھی اپنے مسمی پر علامت ہوتا ہے اس لئے اسکو اسم کہا جاتا ہے۔

سوال: وسم سے اسم کیسے بنا؟

جواب: وسم کے واؤ کو حذف کر کے ہمزہ بڑھادیا اسم ہو گیا۔

سوال: فعل کس سے مشتق ہے؟

جواب: فعل یہ تَلَفُّع سے ماخوذ ہے ت، لفع کے معنی آتے ہیں تَضَمُّن کے چونکہ یہ فعلِ لغوی کو شامل ہوتا ہے اس لئے تسمیۃ الکل باسم الجزء کے طور پر پورے کا نام فعل رکھ دیا۔

اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فعل لغوی سے مراد، معنیٔ حدوثی اور مصدر ہے اور فعل اصطلاحی میں تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) معنیٔ حدوثی (۲) زمانہ (۳) نسبت الی الفاعل

فعل لغوی (کرنا) یہ فعل اصطلاحی میں موجود ہے اس وجہ سے صاحب کافیہؒ نے پورے کا نام تسمیۃ الکل باسم الجزء کے پیش نظر فعل رکھ دیا۔

سوال: حرف کس سے مشتق ہے؟

جواب: حرف بمعنی کنارہ کے ہیں، اس کی دو وجہ تسمیہ ہیں۔

(۱) یہ فعل اور اسم کے کنارے پر ہوتا ہے اسکا کوئی ویلیو value نہیں ہے۔

(۲) کنارے میں اس اعتبار سے ہے کہ اسم مسند الیہ اور مسند دونوں ہوتا ہے اور فعل صرف مسند ہوتا ہے اور حرف یہ کچھ نہیں ہوتا گویا یہ بالکل طرف اور کنارے میں ہے، اس لئے اس کو حرف کہتے ہیں۔

(وجہ الحصر)

لأنها اما ان تدل علی معنی فی نفسها أولا ؟

الثانی: الحرف

والاول: اما یقترن بأحد الأزمنة الثلثة أولا الثانی:

الاسم والأول: الفعل۔

ترجمہ: اس لئے کہ وہ یا تو ایسے معنی پر دلالت کرے گا جو اس کی ذات میں ہو یا دلالت نہیں کرے گا؟

دوسری قسم حرف ہے

اور اول یا تو تین زمانوں (ماضی، حال اور استقبال) میں سے کسی

ایک زمانہ کے ساتھ ملا ہوا ہوگا یا ملا ہوا نہیں ہوگا (وہ زمانہ کلمہ کی ہیئت سے سمجھ میں آتا ہوگا یا نہیں) ثانی اسم ہے اور اول فعل۔

مختصر تشریح

وجہ حصر

اس لئے کہ کلمہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو خود اس کلمہ سے اس کے اپنے معنی سمجھ میں آتے ہونگے یا نہیں؟ اگر سمجھ میں نہیں آتے تو وہ حرف ہے اور اگر سمجھ میں آتے ہیں تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کلمہ کی ہیئت سے تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ سمجھ میں آتا ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی زمانہ سمجھ میں نہیں آتا تو وہ اسم اور سمجھ میں آتا ہے تو وہ فعل ہے۔

مثالیں: ''سے'' اور ''پر'' سے کوئی خاص بات سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے یہ حرف ہیں۔ اور ''گھوڑا'' اور ''کتاب'' سے چیزیں سمجھ میں آتی ہیں اور کوئی زمانہ مفہوم نہیں ہوتا اس لئے یہ اسم ہیں۔ اور ''کھایا'' یا ''کھاتا ہے'' اور ''کھائے گا'' سے بات بھی سمجھ میں آتی ہے اور زمانہ بھی اس لئے یہ فعل ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد دلیل حصر بیان کرنا ہے۔

سوال: دلیل حصر کس کو کہتے ہیں؟

جواب: جو دلیل نفی اور اثبات کے درمیان دائر ہو، اس کو دلیل حصر کہا جاتا ہے اور اہل منطق اسکو قیاس اقترانی کہتے ہیں۔

فائدہ: دولفظ بولے جاتے ہیں (۱) دلیل (۲) برہان

سوال: دلیل اور برہان ایک ہیں یا الگ الگ ہیں؟

جواب: الگ الگ ہیں (۱) دلیل کہتے ہیں جس میں مقدمات یقینی نہ ہوں (۲) برہان کہتے ہیں جس میں مقدمات یقینی ہوں۔

سوال: مصنف دلیل حصر بیان کر رہے ہیں اور دلیل بیان کرنا دعوی کے بعد ہوتا ہے اور یہاں کوئی دعوی نہیں پایا گیا تو بغیر دعوی کے دلیل بیان کرنا عقلمندی کی بات نہیں ہے؟

جواب: السکوت فی محل البیان بیان ، بیان کی جگہ میں سکوت اختیار کرنا یہ بھی ایک بیان ہے اسلئے گویا یہاں دعوی نہیں کیا لیکن چونکہ یہ محل بیان ہے گویا سکوت یہ دعوی ہی میں شمار ہوگا۔

سوال: دلیل حصر کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: دلیل حصر کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دلیل حصر: یا تو وہ کلمہ مستقل معنی پر دلالت کرتا ہوگا یا دلالت نہیں کرتا ہوگا ،اگر وہ کلمہ مستقل معنی پر دلالت نہیں کرتا ہے تو وہ حرف ہے اور اگر وہ مستقل معنی پر دلالت کرتا ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس میں پایا جائے گا یا نہیں پایا جائیگا اگر نہیں پایا جاتا ہے تو اسم ہے اور اگر پایا جاتا ہے تو وہ فعل ہے۔

وقد علم بذلك حد كل واحد منها

ترجمہ: اور معلوم ہوگئی ہے اس (دلیل حصر) سے ان میں سے ہر ایک کی تعریف۔

مختصر تشریح

مذکورہ وجہ حصر سے کلمہ کی تینوں قسموں کی تعریف سمجھ میں آجاتی ہے ویسے آگے ہر بحث کے شروع میں بھی ہر ایک کی تعریف آرہی ہے۔ بحث اسم کے شروع میں اسم کی تعریف، بحث فعل کے شروع میں فعل کی تعریف اور بحث حرف کے شروع میں حرف کی تعریف آئے گی۔

وضاحت

سوال: عبارت مذکورہ سے صاحب کافیہ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف طبائع الناس کے فرق مراتب کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) بعض حضرات وہ ہیں جو اشارہ سے سمجھ جاتے ہیں، انہیں تنبیہ اور تصریح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲) بعض حضرات وہ ہیں جو محض اشارہ سے نہیں سمجھتے بلکہ تنبیہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) بعض حضرات وہ ہیں جو اشارہ اور تنبیہ سے نہیں سمجھتے بلکہ ان کے لئے صراحۃ ذکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۱) دلیل حصر سے قسم اول کے افراد اسم، فعل اور حرف کی تعریف سمجھ جائیں گے۔

(۲) وقد علم بذالک کل واحد منھا سے تنبیہ کی جس سے قسم ثانی کے افراد سمجھ جائیں گے۔

(۳) اسم، فعل اور حرف کی تعریف صراحۃ ذکر کریں گے جس سے قسم ثالث کے افراد سمجھ جائیں گے۔

(اسم کی تعریف صفحہ ۳۰ پر، فعل کی تعریف صفحہ ۹۴ پر اور حرف کی تعریف صفحہ ۱۲۰ پر ہے)۔

عبارت مذکورہ وقد علم بذلک حد کل واحد منھا پر چار سوال ہیں۔

سوال: (۱) مصنف نے عُرِفَ کے بجائے عُلِمَ کا صیغہ استعمال کیوں کیا؟

جواب: : مصنف نے عُرِفَ کے بجائے عُلِمَ کا صیغہ استعمال اس لئے کیا کہ عرف کا اطلاق صرف جزئیات پر ہوتا ہے اور علم کا اطلاق جزئیات اور کلیات دونوں پر ہوتا ہے۔

سوال: (۲) مصنف نے ذالک اسم شارہ استعمال کیا اور اس کا مشار الیہ دلیل حصر ہے اور دلیل حصر قریب میں ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اسم اشارہ قریب لانا چاہئے اسم اشارہ بعید کیوں لائے؟

جواب: بلاغت کا قاعدہ ہے کہ بعض مرتبہ مشار الیہ قریب ہوتا ہے لیکن قریب کو مشار الیہ بعید کے درجہ میں اتار کر اسم اشارہ بعید لایا جاتا ہے اور اس میں کئ اغراض ہوتی ہیں، منجملہ ان میں سے ایک غرض مشار الیہ کی عظمت بتانا ہوتا ہے، بس اسی اصول کے پیش نظر مصنف نے مذکورہ عبارت میں بھی مشار الیہ قریب (دلیل حصر) کو عظمت کے پیش نظر مشار الیہ بعید کے درجہ میں اتار کر اسم اشارہ بعید (ذلک) استعمال کیا۔

سوال: کیا اس کی کوئی نظیر قرآن میں ہے؟

جواب: ہاں! قرآن مجید میں ہے ذلک الکتب لاریب فیه میں مشار الیہ قرآن کریم ہے جو کہ قریب ہے لیکن اس کو عظمت کے پیش نظر مشار الیہ بعید کے درجہ میں اتار کر اسم اشارہ بعید (ذلک) استعمال کیا۔

سوال:(۳) اسم اشارہ کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ مشار الیہ محسوس ومبصر ہو(مشار الیہ دکھائی دینے والا ہو)اس جگہ مشار الیہ دلیل حصر ہے جو کہ محسوس نہیں بلکہ غیر محسوس ہے تو اب اسم اشارہ کالانا درست کیسے ہوا؟

جواب: مشار الیہ دلیل حصر جو غیر محسوس کے قبیل سے ہے؛لیکن اس کا ہونا اتنا یقینی ہے کہ وہ محسوس کے درجہ میں ہو گیا گو یا غیر محسوس کو محسوس کے درجے میں اتار کر اسم اشارہ کو لائے ہیں جیسے

وتلك الجنة التي اورثتموها بما كنتم تعملون۔

اس میں الجنة غیر محسوس ہے لیکن اس کا ہونا اتنا یقینی ہے کہ وہ محسوس کے درجہ میں ہو گیا گو یا غیر محسوس کو محسوس کے درجے میں اتار کر اسم اشارہ کو لائے ہیں۔

سوال:(۴) و قد علم بذالک حد کل واحد منها میں حد کا صیغہ استعمال کیا اور حد کہتے ہیں جس میں ذاتیات کا تذکرہ کیا جاوے اور ذاتیات کا تذکرہ اثبات کی شکل میں ہوتا ہے نہ کہ عدم کی شکل میں اور دلیل حصر میں مصنف نے عدمی شکل اختیار کی ہے؟

جواب: حد سے حد حقیقی مراد نہیں ہے، بلکہ حد سے مراد محدود افراد کو جمع کرنے والا، غیر کو روکنے والا ہے، چاہے وہ ذاتیات کے قبیل سے ہو یا نہ ہو۔

سوال: ذاتیات کسے کہتے ہیں؟

جواب: ذاتیات کہتے ہیں جن اشیاء سے شیٔ، شیٔ بنتی ہے جیسے چائے کے لئے دودھ، چائے پتی، شکر وغیرہ ذاتیات ہیں اس لئے کہ ان چیزوں سے چائے کا وجود ہوتا ہے۔

حد الکلام

الكلام ما تضمن كلمتين بالاسناد

ترجمہ: کلام وہ بات ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو۔

مختصر تشریح

کلام کی تعریف:

کلام کی تعریف: کلام منھ سے بولی ہوئی وہ بات ہے جس میں کم از کم دو کلمے ہوں اور ان کے درمیان کوئی اسناد (تعلق) ہو جیسے احمد کی ٹوپی نئی ہے، حامد بیٹھا ہے، زید کھڑا ہے: یہ سب کلام ہیں۔

عربی مثالیں: جلس حامد، قام زید اور قم ہیں۔ قم میں ضمیر انت پوشیدہ ہے اس لئے یہ بھی دو کلمے ہیں۔

اسناد: نحو کی اصطلاح میں ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے ایسا تعلق ہے جو مکمل و مفید معنی پیدا کرے جیسے مبتدا کا تعلق خبر کے ساتھ یا فعل کا تعلق فاعل کے ساتھ یا اضافت یا توصیف کا تعلق (یہ آخری دو تعلق ناقص ہیں، اس لئے اسناد ناقص ہو۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد کلام کی تعریف کرنا ہے۔

سوال: کلام کے لغوی معنی کیا ہے؟

جواب: کلام کے لغوی معنی گفتگو اور بات چیت کے آتے ہیں۔

سوال: کلام کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب: کلام کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کلام وہ بات ہے جو اسناد کے ساتھ دو کلموں کو شامل ہو جیسے زید قائم میں زید ایک کلمہ ہے اور قائم ایک کلمہ ہے اور قائم کی

اسناد زید کی طرف کی گئی ہے۔

سوال: جملہ اور کلام دونوں ایک ہیں یا دونوں میں فرق ہیں؟

جواب: دونوں میں فرق ہے، کلام خاص ہے اور جملہ عام ہے۔

کلام کہتے ہیں اسناد اصلی کو شامل ہو اور اسناد مقصود بالذات ہو جیسے زید قائمٌ۔

جملہ کہتے ہیں جو اسناد اصلی کو شامل ہو، چاہے وہ اسناد مقصود بالذات ہو جیسے زید قائم یا نہ ہو جیسے زید ابوہ قائم۔

گویا کلام اور جملہ کے مابین عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔

چنانچہ ہر کلام جملہ ہوگا؛ لیکن ہر جملہ کا کلام ہونا ضروری نہیں۔

فائدہ (۱): کلام کا اطلاق جیسے الفاظ پر ہوتا ہے اسی طرح قلب پر بھی کیا جاتا ہے جیسے شاعر کا شعر

انما الکلام لفی الفواد و انما جعل اللسان علی الفواد دلیلا

ترجمہ:

کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو تو دل پر دلیل بنایا گیا ہے۔

شعر مذکور میں کلام کا اطلاق دل کے مضمون پر کیا گیا ہے۔

فائدہ (۲): جملہ کو جملہ اس لئے کہتے ہیں کہ جملہ جمیلۃ سے ہے اور اس کے معنی خوب صورت کے آتے ہیں اور جب مفردات الگ الگ ہوتے ہیں تو خوب صورتی نہیں ہوتی لیکن جب ان مفردات کو ایک ہی لڑی میں پیروتے ہیں اسناد کے ساتھ تو اس میں خوب صورتی پیدا ہو جاتی ہے۔

سوال: مصنف نے ما تضمن کلمتین میں کلمتین کا صیغہ استعمال کیوں کیا؟ ماتضمن اسمین کیوں نہیں کہا؟

جواب: مصنف نے ماتضمن کلمتین میں کلمتین کا صیغہ استعمال کیا

،ماتضمن اسمین نہیں کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اسمین کہتے تو کلام اسی صورت میں بنتا جب کہ کلام دو اسموں سے مرکب ہوتا، اگر ایک فعل اور ایک اسم سے مرکب ہو تو وہ کلام نہ بنتا حالاں کہ اس سے بھی کلام بنتا ہے، اس لئے ماتضمن اسمین کے بجائے ماتضمن کلمتین کہا۔

سوال: مصنف نے اسناد کی قید لگائی، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کو بھی کلام کہا جائے جیسے غلام زید اس لئے کہ اس میں بھی تو اسناد پائی جاتی ہے، حالاں کہ یہ کلام نہیں ہے؟

جواب: عبارت میں اسناد سے مراد اسناد تامہ ہے جس پر سکوت صحیح ہو۔

سوال: مصنف نے اسناد کی قید لگائی، اخبار کی قید کیوں نہیں لگائی؟

جواب:: مصنف نے اسناد کی قید لگائی اخبار کی قید نہیں لگائی، اس لئے کہ اگر اخبار کہتے تو یہ تعریف صرف جملہ خبریہ پر صادق آتی نہ کہ جملہ انشائیہ پر اس لئے اسناد کی قید لگائی تا کہ دونوں کو شامل ہو جائے۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، کلام کی یہ تعریف بھی جنس اور فصل پر مشتمل ہے۔

چنانچہ ما، جنس ہے اس میں مہملات، مفردات، مرکبات سب داخل ہے۔

تضمن کلمتین، فصل اول ہے، جس سے مہملات اور مفردات نکل گئے۔

بالاسناد فصل ثانی ہے، جس سے مرکبات ناقص کو خارج کر دیا۔

و لا یتاتی ذلک الا فی اسمین او اسم و فعل

ترجمہ: اور وہ (کلام) حاصل نہیں ہوتا ہے مگر یا تو دو اسموں (کے ضمن) میں، یا ایک اسم اور ایک فعل (کے ضمن) میں۔

مختصر تشریح

کلام کے تحقق کے لئے دو اسموں کا یا ایک اسم اور ایک فعل کا ہونا ضروری ہے، جیسے الثوب جدید اور قام زید دو فعلوں سے یا دو حرفوں سے یا ایک اسم اور ایک حرف سے یا ایک فعل اور ایک حرف سے کلام وجود میں نہیں آتا۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد یہ ہے کہ عقلی طور پر کلام کی چھ (۶) صورتیں ہیں، جن میں سے دو صورتوں میں کلام حاصل ہوتا ہے، بقیہ چار صورتوں میں کلام حاصل نہیں ہوتا۔

سوال: وہ چھ صورتیں کونسی ہیں؟

جواب: وہ چھ صورتیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) دو اسموں سے (۲) دو فعلوں سے (۳) دو حرفوں سے (۴) ایک فعل ایک اسم سے (۵) ایک فعل اور ایک حرف سے (۶) ایک اسم اور ایک حرف سے۔

ان چھ صورتوں میں سے دو صورتوں میں کلام حاصل ہوگا اور وہ دو صورتیں یہ ہیں۔

(۱) دو اسموں سے۔

(۲) ایک اسم اور ایک فعل سے۔

سوال: چار صورتوں میں کلام کیوں حاصل نہیں ہوتا ہے اور بقیہ دو صورتوں میں کیوں کلام حاصل ہوتا ہے؟

جواب: یہ دو صورتیں ایسی ہیں جن میں مسند اور مسند الیہ دونوں پائے

جاتے ہیں اور ان کے علاوہ بقیہ چار صورتوں میں بعض میں مسند نہیں ہوتا ہے اور بعض میں مسند الیہ نہیں ہوتا ہے اور کلام مسند اور مسند الیہ دونوں سے مرکب ہوتا ہے۔ کلام کے تحقق کے لئے دو اسموں کا یا ایک اسم اور ایک فعل کا ہونا ضروری ہے جیسے الثوب جدید اور قام زید دو فعلوں سے یا دو حرفوں سے یا ایک اسم اور ایک حرف سے یا ایک فعل اور ایک حرف سے کلام وجود میں نہیں آتا۔

بحث الاسم

الاسم : ما دل علی معنی فی نفسه غير مقترن بأحد الأزمنة الثلثة

ترجمہ: اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہو، جو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملنے والا نہ ہو۔

مختصر تشریح

اسم کی تعریف: اسم وہ کلمہ ہے جو کسی ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہوں، جو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملنے والا نہ ہوں۔

فی نفسہ ای فی حد ذاتہ: وہ معنی خود لفظ کے اندر ہوں۔

غیر: معنی کی صفت ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: (۱) مصنف کا مقصد طبائع الناس کے پیش نظر دوسری قسم سے فارغ ہونے کے بعد تیسری قسم کے افراد جو اشارہ اور تنبیہ سے نہیں سمجھتے بلکہ جن کے لئے صراحۃ ذکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کلمہ کی تعریف بیان کرنا ہے۔ جواب: :(۲) کلمہ کی تین قسموں میں سے پہلی قسم کی تعریف بیان کرنا ہے۔ چنانچہ اسم کی تعریف بیان کی، اسم نام ہے ایسے کلمہ کا جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہے (جو مستقل معنی پر دلالت کرے) تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ متصل اور مقترن نہ ہو جیسے زید، عمر مستقل مسمی پر دلالت کرتے ہیں اور اس میں کوئی زمان انکے ساتھ متصل بھی نہیں ہے۔

سوال: دلیل حصر میں عبارت لائے تھے لأنها اما ان تدل علی معنی فی نفسها اور اسم کی تعریف میں ما دل علی معنی فی نفسه لائے گویا دلیل حصر میں ضمیر مؤنث لائے اور اسم کی تعریف بیان کی اس میں ضمیر مذکر لائے؟

جواب: مصنف طالب علم کو بتانا چاہتے ہیں کہ ضمیر کلمہ کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں اور معنی کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں، دلیل حصر میں ضمیر لائے مؤنث کی جو لوٹ رہی ہے کلمہ کی طرف اور جب اسم کی تعریف بیان فرمائی اس میں ضمیر مذکر کی لائے جو لوٹ رہی ہے (ما) کی طرف جس سے مراد معنی ہے اور معنی مذکر ہے تو گویا بتانا چاہتے ہیں کہ فی نفسها پڑھنا بھی صحیح ہے اور فی نفسه پڑھنا بھی صحیح ہے۔

سوال: لفظ غیر پر اعراب کے کتنے احتمال ہیں؟

جواب: لفظ غیر پر اعراب کے تین احتمال ہیں۔

(۱) رفع (۲) نصب (۳) جر۔

سوال: لفظ غیر پر رفع کی وجہ کیا ہے؟

جواب: لفظ غیر پر رفع کی وجہ یہ ہے کہ یہ خبر ثانی ہے لفظِ اسم سے اور خبر

مرفوع ہوتی ہے لہذا لفظ غیر بھی مرفوع ہوگا۔

سوال: لفظ غیر پر نصب کی وجہ کیا ہے؟

جواب: لفظ غیر پر نصب کی وجہ یہ ہے کہ یہ یا تو معنی سے حال ہے یا مستثنی ہے ما دل سے اور حال اور مستثنی دونوں منصوب ہوتے ہیں، لہذا لفظ غیر بھی منصوب ہوگا۔

سوال: لفظ غیر کے مجرور کی وجہ کیا ہے؟

جواب: لفظ غیر کے مجرور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ معنی (موصوف) کی صفت ثانی ہے اور موصوف، صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے اور معنی موصوف علی حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے تو لفظ غیر بھی مجرور ہوگا۔

سوال: اسم کی یہ تعریف جامع نہیں ہے، اس لئے کہ اسمائے افعال جیسے رویدو غیرہ مستقل کے معنی پر دلالت کرنے کے ساتھ زمانہ پر بھی دلالت کرتے ہیں، اس کے باوجود نحوی حضرات ان کو اسم میں شمار کرتے ہیں؟

جواب: (۱) اسمائے افعال میں زمانے پر دلالت وضع ثانی کے اعتبار سے ہے نہ کہ وضع اول کے اعتبار سے اور فعل میں زمانہ پر دلالت کا اعتبار، وضع اول کا ہے۔

جواب: (۲) فعل میں دو چیزیں مطلوب ہیں (۱) مادہ (۲) فعل کی شکل اور اسماء افعال میں فقط مادہ پایا جاتا ہے شکل نہیں پائی جاتی اس لئے رویدو غیرہ اسم ہوں گے نہ کہ فعل۔

سوال: اسم کی یہ تعریف فعل مضارع کو خارج نہیں کرے گی اس لئے کہ فعل مضارع میں دو زمانے پائے جاتے ہیں اور اسم کی تعریف میں کہا گیا کہ تینوں زمانے میں سے کوئی ایک زمانہ نہ پایا جائے، حالاں کہ فعل مضارع میں دو زمانہ پائے جاتے ہیں؟

جواب: دو زمانے کے ضمن میں ایک زمانہ موجود ہے، تو غیر مقترن بأحد الازمنۃ الثلاثۃ سے فعل مضارع خارج ہو جائے گا۔

سوال: اسم کی تعریف میں "فی" کا کلمہ استعمال کیا جو ظرف کے لئے آتا ہے اور نفسہ میں ضمیر کا مرجع معنی ہے لہذا ترجمہ ہوگا "اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو معنی کی ذات میں پائے جاتے ہیں" گویا ظرفیۃ الشيء الی نفسہ لازم آئے گا جیسے: پتھر پتھر میں ہے، گلاس گلاس میں ہے؟

جواب: عبارت میں فی ظرفیت کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اعتبار کے معنی میں ہے جیسے اہل عرب الدار فی نفسھا حکمھا کذا (گھر کی خود اپنی ذات کے اعتبار سے اتنی قیمت ہے) کا استعمال کرتے ہیں اور وہ "فی" سے ظرفیت کے معنی مراد نہیں لیتے بلکہ اعتبار کے معنی مراد لیتے ہیں، اسی طرح اسم کی تعریف میں بھی "فی" سے مراد اعتبار ہے نہ کہ ظرفیت۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے:

چنانچہ اسم کی تعریف میں "ما" بمنزلہ جنس ہے، اس میں اسم، فعل اور حرف تینوں داخل ہیں اور دل علی معنی فی نفسھا فصل اول ہے اس سے حرف نکل گیا اس لئے کہ حرف مستقل معنی پر دلالت نہیں کرتا اور غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلاثۃ یہ فصل ثانی ہے، اس سے فعل خارج ہو گیا اس لئے کہ اس میں زمانہ پایا جاتا ہے۔

فائدہ: غیر مقترن کو لانے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ دل علی معنی فی نفسہ کی قید سے جس طرح حرف خارج ہو جاتا ہے اسی طرح فعل بھی خارج ہو جاتا ہے۔

سوال: دل علی معنی فی نفسہ کی قید سے فعل کیسے خارج ہو جاتا ہے؟

جواب: اس سے پہلے بطور تمہید کے کچھ چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) دلالت کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) دلالت مطابقی (۲) دلالت تضمنی (۳) دلالت التزامی

(۱) دلالت مطابقی: وہ دلالت ہے جس میں کل بول کر کل مراد لیا جائے جیسے میں نے گھڑی خریدی، یہاں گھڑی سے مراد پوری گھڑی ہے، گھڑی کا جز مراد نہیں ہے۔

(۲) دلالت تضمنی: ایسی دلالت کو کہتے ہیں جس میں کل بول کر جزء مراد لیا جائے جیسے چشمہ ٹوٹ گیا، یہاں پورا چشمہ نہیں ٹوٹا بلکہ اسکا ایک جزء ٹوٹ گیا ہے۔

(۳) دلالت التزامی: ایسی دلالت کو کہتے ہیں جس میں کل بول کر نہ کل مراد لیا جائے نہ جزء مراد لیا جائے بلکہ لازمی معنی مراد لیا جائے جیسے زید گدھا ہے اس میں نہ کل مراد ہے اور نہ جزء بلکہ اس کے لازمی معنی (بے وقوف) مراد ہے۔

(۲) فعل میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) معنیٔ مصدری (حدوثی) (۲) زمانہ (۳) نسبت الی الفاعل۔

ان تینوں میں نمبر (۱) مستقل ہے اور نمبر (۲، ۳) غیر مستقل ہیں گویا للاکثر حکم الکل کے پیش نظر فعل غیر مستقل ہوا

اور دل علی معنی فی نفسہ بطور دلالت مطابقی کے مستقل ہے لہذا اسم میں دل علی معنی فی نفسہ سے حرف کی طرح فعل بھی نکل جائے گا جب بات یہ ہے تو فعل کو خارج کرنے کے لئے اسم میں غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلاثۃ کی قید لانے کی ضرورت نہیں تھی؟۔

اس کا جواب: یہ ہے کہ ما دل علی معنی فی نفسہ کی قید سے فعل کا خارج ہونا ضمناً ہوتا ہے لہذا غیر مقترن سے صراحۃً فعل کو خارج کیا۔

خواص الاسم

و من خواصه : دخول اللام، و الجر ، و التنوين ، و

الاضافة، والاسناد اليه.

ترجمہ: اور اسم کے خواص میں سے لام (الف لام) اور جر اور تنوین کا داخل ہونا ہے اور اضافت کا ہونا ہے اور مسند الیہ کا ہونا ہے۔

مختصر تشریح

اسم کی چند خصوصیات (علامات) ہیں:

(۱) معرف باللام ہونا جیسے الحمدُ۔

(۲) اس کے آخر میں جر کا آنا جیسے فی الدارِ۔

(۳) اس پر تنوین کا آنا جیسے رجلٌ۔

(۴) اس کی طرف کوئی چیز منسوب کرنا جیسے نَامَ اَحْمَدُ: (احمد سو گیا) احمد کی طرف سونا منسوب کیا پس احمد اسم ہے۔

(۵) اس کی طرف کسی چیز کی اضافت کرنا جیسے قَلَمُ قاسمٍ اس میں قاسم کی طرف قلم کی اضافت کی ہے، اس لئے قاسم اسم ہے اور قلم کو بھی منسوب کیا ہے اس لئے وہ اسم ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد خواص اسم کو بیان کرنا ہے۔

سوال: خواص اسم کتنے ہیں؟

جواب: خواص اسم پانچ ہیں (۱) لام کا داخل ہونا جیسے الرجل۔

(۲) جر کا داخل ہونا جیسے بزیدٍ۔

(۳) تنوین کا داخل ہونا جیسے ھذا زیدٌ۔

(۴) اضافۃ کا ہونا غلامُ زیدٍ۔

(۵) مسند الیہ کا ہونا زید قائمٌ۔

سوال: مصنف نے اسم کی پانچ علامتوں کو بیان فرمایا، ان کی وجہ حصر کیا ہے؟

جواب: ان کی وجہ حصر یہ ہے۔

اسم کا خاصہ لفظی ہوگا یا معنوی، اگر لفظی ہو تو دو صورتیں ہیں یا تو اسم کے شروع میں ہوگا یا اسم کے آخر میں ہوگا اگر اسم کے شروع میں ہو تو وہ الف لام ہے اور اگر اسم کے آخر میں ہو تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو حرکت کی شکل میں ہوگا یا حرکت کے تابع ہوگا ، اگر حرکت کی شکل میں ہو تو وہ جر ہے اور اگر حرکت کے تابع ہو تو وہ تنوین ہے اور اگر اسم کا خاصہ معنوی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ مرکب تام کے ضمن میں ہوگا یا وہ مرکب غیر تام کے ضمن میں ہوگا، پہلا ہے تو مسند الیہ اور اگر دوسرا ہے تو مضاف ہے۔

فائدہ: بعض نے (۲۰) خواص بیان فرمائے ہیں اور بعض نے (۱۱) خواص کا ذکر فرمایا ہے۔

و من خواصه: خواص یہ جمع کا صیغہ ہے، اس سے پہلے "من" تبعیضیہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ تمام علامات اسم کو بیان نہیں کیا جائے گا بلکہ بعض کو بیان کیا جائے گا۔

خاصہ کی دو قسمیں ہیں (۱) شاملہ (۲) غیر شاملہ

خاصہ شاملہ: اس کو کہا جاتا ہے جو ایک ہی حقیقت کے تمام افراد میں پایا جاتا ہو جیسے کتابت بالقوۃ، انسان کا خاصۂ شاملہ ہے، اس لئے کہ انسان کے تمام افراد میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔

خاصہ غیر شاملہ: وہ ہے جو ایک حقیقت کے تمام افراد میں نہ پایا جائے بلکہ بعض میں پایا جائے جیسے کتابت بالفعل۔

فائدہ: عبارت میں شاملہ اور غیر شاملہ دونوں سے قطع نظر کرتے ہوئے مطلق بیان کیا ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے خواص سے خاصۂ غیر شاملہ مراد لیا ہے۔

سوال: نحوی حضرات کا مقصود کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث کرنا ہے، یہاں احوال سے تو بحث نہیں کرتے بلکہ کلمہ کی تقسیم، اس کی تعریف اور علامت کو بیان فرمایا؟

جواب: جب تک ذات کا تعارف نہیں کرائیں گے تب تک احوال کا تعارف بے کار ہے دراصل کلمہ کی دو حالتیں ہیں (۱) وجود ذہنی (۲) وجود خارجی۔ کلمہ کی تقسیم اور اس کی تعریف یہ وجود ذہنی کے اعتبار سے ہے اور اس کی علامتوں کا بیان یہ وجود خارجی کے اعتبار سے ہے۔

(۱) دخول اللام:

(۱) دخول اللام: اَلْ کا داخل ہونا۔

سوال: مصنف نے لام تعریف کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مصنف نے لام تعریف کی قید اس لئے لگائی تاکہ لام امر اور لام ابتداء خارج ہو جائے۔

سوال: لام کا داخل ہونا اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب: (۱): لام، تعریف اور تعین کے لئے آتا ہے اور تعریف اور تعین کے معنی اسم میں پائے جاتے ہیں۔

جواب: (۲): لام تعریف کی وضع اس لئے ہے کہ وہ ایسے معنی کو متعین کر

دے جس پر لفظ مطابقۃً دلالت کرتا ہو اور یہ بات صرف اسم میں پائی جاتی ہے، کیونکہ حرف تو مستقل معنی پر دلالت نہیں کرتا اور فعل مستقل معنی پر، مطابقۃً دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کی دلالت تضمنی ہے۔

سوال: مصنفؒ نے دخول کا صیغہ استعمال کیا، لحوق کا صیغہ استعمال کیوں نہیں کیا؟

جواب: لام کا محل ابتداء ہے نہ کہ انتہاء اور ابتداء کے لئے دخول کا صیغہ آتا ہے، اور انتہاء کے لئے لحوق کا صیغہ آتا ہے، اس لئے دخول کا صیغہ استعمال کیا۔

سوال: جس طرح لام (ال) تعریف کے لئے آتا ہے اسی طرح ''أم'' بھی تعریف کے لئے آتا ہے تو ''أمْ'' کو ذکر کیوں نہیں کیا؟ جیسے روایت میں ہے لیس من امبر امصیام فی امسفر۔

جواب: ''أمْ'' جو تعریف کے لئے آتا ہے یہ قبیلہ حمیر کی لغت میں ہے، جو فصیح نہیں ہے، اس لئے ''أمْ'' کو اسم کا خاصہ نہیں بنایا۔

سوال: جب ''أمْ'' قبیلہ حمیر کے سواء کسی اور زبان میں ''أمْ'' حرفِ تعریف نہیں ہے، اور یہ لغت فصیح نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا تلفظ کیسے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو ہر کلام فصیح بلکہ افصح ہے؟

جواب: قبیلہ حمیر کے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کے موقع پر جب ماہ رمضان شروع ہوا تو سوال کیا امن امبر امصیام فی امسفر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اسی کی زبان میں جواب: دیا اور بجائے لام (ال) کے ''أمْ'' استعمال کیا تاکہ جواب: سوال کے مطابق ہو جائے اور مخاطب اچھی طرح سمجھ لے۔

سوال: لام کی اصل کیا ہے؟

جواب: اس میں تین قول ہیں۔

(۱) امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ لام ہی اصل ادات تعریف ہے اور اس پر ہمزہ وصل زیادہ کیا گیا ہے، ابتداء بالسکون کے محال ہونے کی وجہ سے۔

(۲) امام خلیلؒ فرماتے ہیں کہ الف لام یہ "ال" تھا۔

(۳) امام مبردؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہمزہ مفتوحہ ہے فقط، بعد میں لام زیادہ کیا گیا ہے۔

سوال: بعد میں لام زیادہ کیوں کیا گیا؟

جواب: ہمزۂ استفہام اور ہمزہ تعریف میں فرق کرنے کے لئے بعد میں لام زیادہ کیا گیا۔

سوال: مصنفؒ کے نزدیک مختار قول کس کا ہے؟

جواب:: مصنفؒ کے نزدیک مختار قول امام سیبویہؒ کا ہے۔

سوال: کیسے معلوم ہوا؟

جواب: مصنفؒ نے عبارت میں دخول اللام کہا اور امام سیبویہ کے نزدیک ادات تعریف فقط لام ہے۔

(۲) والجر:

جر بھی اسم کا خاصہ ہے۔

سوال: جر اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب: جر یہ اثر ہے حرف جر کا اور حرف جر اسم پر داخل ہوتا ہے اور اس کا اثر جو جر ہے وہ بھی اسم پر داخل ہوگا، ورنہ اثر اور مؤثر میں تخلف لازم آئے گا جیسے بزید اس میں "باء" مؤثر ہے (اثر ڈالنے والا) اور جر اسی کے اثر کی وجہ سے آیا ہے اور حرف جر، اسم کا خاصہ ہے تو جر بھی اسم کے خواص میں سے ہوگا۔

(۳) والتنوین:

تنوین، بھی اسم کا خاصہ ہے۔

فائدہ: تنوین باب تفعیل کا مصدر ہے، تنوین کے لغوی معنی آتے ہیں کسی شئ کا نون والا ہونا، اور اصطلاح میں تنوین کہا جاتا ہے ایسے نون کو جو کلمہ کے آخری حرف کی حرکت کا تابع ہو اور وہ نون، فعل کی تاکید کے لئے نہ ہو جیسے زیداً زید۔

فائدہ: تنوین کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) تنوین تمکُّن (۲) تنوین تنکیر (۳) تنوین عوض (۴) تنوین مقابلہ (۵) تنوین ترنم

اول چار کا تعلق اسم کے ساتھ ہے اور تنوین ترنم، فعل، اسم اور حرف تینوں کے درمیان عام ہے۔

سوال: یہ تنوین اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب: تنوین کی پانچ قسمیں ہیں، ان میں سے چار کا تعلق اسم کے ساتھ ہے، اور ایک فعل اور اسم کے درمیان عام ہے پس للاکثر حکم الکل کا اعتبار کرتے ہوئے تنوین کو مطلقاً اسم کا خاصہ بتایا ہے۔

فائدہ: تنوین کی پانچ قسموں کی تفصیل۔

(۱) تنوین تمکن: اس تنوین کو کہتے ہیں جو کلمہ کے منصرف ہونے پر دلالت کرے، تنوین تمکن منصرف اور غیر منصرف کے درمیان فرق کے لئے موضوع ہے اور منصرف وغیر منصرف ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے، تو تنوین تمکن بھی اسم کا خاصہ ہوئی جیسے جائنی زیدٌ۔

(۲) تنوین تنکیر: اس تنوین کو کہتے ہیں جو کلمہ کے نکرہ ہونے پر دلالت کرے، تنوین تنکیر معرفہ اور نکرہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے موضوع ہے اور معرفہ اور نکرہ ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے، تو تنوین تنکیر بھی اسم کا خاصہ ہوئی جیسے رجلٌ۔

(۳) تنوین عوض: اس تنوین کو کہا جاتا ہے جو مضاف کے اخیر میں مضاف الیہ کے بدلے میں لائی جائے جیسے یومَئِذٍ اصل میں یوم اذ کان کذا تھا اور یہ اسم کا خاصہ اس لئے ہے کہ مضاف ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے تو تنوین عوض بھی اسم کا خاصہ ہو گی۔

(۴) تنوین مقابلہ: اس تنوین کو کہا جاتا ہے جو جمع مؤنث سالم کے اخیر میں جمع مذکر سالم کے نون کے مقابلے میں آتی ہے جیسے جائتْ مسلماتٌ اور یہ اسم کا خاصہ اس لئے ہے کہ جمع کا ہونا یہ اسم کے ساتھ خاص ہے، اس وجہ سے تنوین مقابلہ بھی اسم کا خاصہ ہے۔

(۵) تنوین ترنم: اس تنوین کو کہا جاتا ہے جو ابیات یا اشعار کے اخیر میں ترنم کے لئے لاحق ہو جیسے

اقلی اللوم عاذل و العتابن
و قولی ان اصبت لقد اصابن

ترجمہ: اے! عاذل ملامت کم کر اور عتاب اور کہہ تو اگر میں درست کام کروں تو اس نے درست کیا۔

اس میں محل استشھاد عتابن اور اصابن ہے، عتابن اسم کی مثال ہے اور اصابن فعل کی مثال ہے۔

(۴) و الاضافۃ:

اضافت بھی اسم کا خاصہ ہے۔

سوال: اضافت، اسم کا خاصہ ہے، آیا اضافت سے مضاف مراد ہے یا مضاف الیہ مراد ہے؟

جواب: بعض حضرات نے فرمایا کہ اضافت سے مراد مضاف ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ فعل بھی مضاف الیہ بن سکتا ہے جیسے یَوْمَ یَنْفَعُ الصَّادِقِیْنَ میں یَوْمَ مضاف ہے اور یَنْفَعُ الصَّادِقِیْنَ مضاف الیہ ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک اضافت سے مضاف الیہ مراد ہے، نہ کہ مضاف اور یَوْمَ یَنْفَعُ الصَّادِقِیْنَ میں تاویل کرتے ہیں کہ اصل میں یَوْمَ نَفعِ الصَّادِقِیْنَ تھا۔

سوال: اضافت اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب: (۱) اضافت میں حرف جر مقدر ہوتا ہے جیسے غلامُ زید اصل میں غلام لزید تھا، زید پر جو جر ہے وہ ''لام'' حرف جر مقدر نے دیا اور حرف جر اسم کا خاصہ ہے تو اضافت بھی اسم کا خاصہ ہوا۔

جواب: (۲) اضافت تخصیص، تعریف اور تخفیف کا فائدہ دیتا ہے، اگر اضافتِ معنویہ ہے تو تخصیص و تعریف اور اگر اضافت لفظیہ ہو تو تخفیف کا فائدہ دیتا ہے اور تخصیص، تعریف اور تخفیف کا تعلق اسم کے ساتھ ہے، اس لئے اضافت بھی اسم کا خاصہ ہوا۔

(۵) والاسناد الیہ:

مسند الیہ بھی اسم کا خاصہ ہے۔

سوال: مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ کیوں؟

جواب: واضع نے فعل کو فقط مسند بننے کے لئے وضع کیا ہے پس اگر فعل کو مسند الیہ بنایا جائے تو وضع کے خلاف لازم آئے گا، اس سے معلوم ہوا کہ مسند الیہ ہونا بھی یہ اسم کے خواص میں سے ہے۔

اقسام الاسم

وھو معرب و مبنی

ترجمہ: اور وہ معرب اور مبنی ہے۔

مختصر تشریح

اسم کی دو قسمیں ہیں: (۱) معرب (۲) مبنی۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اسم کی پہلی تقسیم (باعتبار اعراب و بنا) شروع کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا اسم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) معرب (۲) مبنی۔

سوال: معرب کو مبنی پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: (۱) معرب اصل ہے مبنی کے مقابلے میں اس لئے مقدم کیا۔

جواب: (۲) اصل مقصد ما فی الضمیر کو ادا کرنا ہے اور ما فی الضمیر کو ادا ء کرنے کے لئے معرب مناسب ہوتا ہے نہ کہ مبنی۔

سوال: معرب کس سے مشتق ہے؟

جواب: (۱) معرب یہ اعراب سے ماخوذ ہے اور اس صورت میں معرب اسم ظرف کا صیغہ ہوگا (ظاہر کرنے کی جگہ)، چونکہ فاعلیت، مفعولیت اور اضافت کے ظاہر کرنے کی جگہ ہے، اس لئے اس کو معرب کہتے ہیں۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک باب افعال سے معرب یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے، ہمزہ سلب کا ہے (فساد کو دور کیا ہوا) چونکہ معرب، معنی کے فساد کو دور کرتا ہے، اس لئے اس کو معرب کہتے ہیں۔

سوال: مبنی کس سے مشتق ہے؟

جواب: مبنی یہ بناء سے مشتق ہے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

اصل میں مبنوی بروزن مرموی تھا، تعلیل کے بعد مبنی ہوا، جس کے معنی بنیاد کے آتے ہیں، اور بنیاد مضبوط ہوتی ہے، ٹس سے مس نہیں ہوتی، اسی طرح مبنی بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔

سوال: دلیل حصر کیا ہے؟

جواب: دلیل حصر یہ ہے۔

اسم مرکب ہوگا یا غیر مرکب، اگر اسم غیر مرکب ہو تو مبنی ہے جیسے اسمائے معدودہ، اگر اسم مرکب ہو تو دو حال سے خالی نہیں، عامل کے ساتھ ہوگا یا بغیر عامل کے، اگر بغیر عامل کے ہے تو مبنی اور اگر عامل کے ساتھ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں، مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہوگی یا نہیں ہوگی، اگر مشابہت ہوگی تو مبنی اگر مشابہت نہیں تو معرب۔

حد المعرب

فالمعرب: المرکب الذی لم یشبه مبنی الاصل

ترجمہ: پس معرب وہ (اسم) مرکب ہے، جو مبنی الاصل سے مشابہت نہ رکھتا ہو۔

مختصر تشریح

معرب کی تعریف

معرب: وہ مرکب لفظ ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، جیسے قام زید میں

زید معرب ہے، کیونکہ وہ قام کے ساتھ ملا ہوا ہے اور مبنیات کے مشابہ نہیں ہے۔
مبنی الاصل تین ہیں: فعل ماضی، امر حاضر معروف اور تمام حروف۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟
جواب: مصنف کا مقصد معرب کی تعریف کرنا ہے۔
سوال: معرب کی تعریف کیا ہے؟
جواب: معرب وہ اسم ہے جو مرکب ہو عامل کے ساتھ اور وہ اسم مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھتا ہو۔
سوال: معرب کی تعریف میں اسم (محذوف) کی قید کیوں؟
جواب: معرب کی تعریف میں اسم (محذوف) کی قید لگا کر فعل کو خارج کیا، اس لئے کہ بحث اسم کی چل رہی ہے۔
سوال: معرب کی تعریف میں المرکب کی قید کیوں لگائی؟
جواب: معرب کی تعریف میں المرکب کی قید لگا کر ان اسماء کو نکال دیا جن کی ترکیب غیر کے ساتھ نہیں دی جاتی، ترکیب سے پہلے مبنی ہوتے ہیں اور ترکیب کے بعد معرب ہو جاتے ہیں جیسے اسماء معدودہ (شمار میں) زید، عمرو، بکر وغیرہ۔
سوال: معرب کی تعریف میں الذی لم یشبہ مبنی الاصل کی قید کیوں لگائی؟
جواب: معرب کی تعریف میں الذی لم یشبہ مبنی الاصل کی قید لگا کر ان اسماء کو نکال دیا جو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جیسے ھذا وغیرہ۔
مبنی الاصل تین ہیں (۱) فعل ماضی (۲) امر حاضر (۳) حروف
مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) حرف کو متضمن ہو جیسے احد عشر اصل میں احد و عشر تھا۔
(۲) مبنی الاصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے این یہ ہمزۂ استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور ہمزۂ استفہام مبنی ہے تو این یہ بھی مبنی ہوگا۔
(۳) اسم اشارہ کی مشابہت حرف کے ساتھ ہے، جس طرح حرف ضم ضمیمہ کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح اسم اشارہ محتاج ہے، مشار الیہ کا۔
(۴) مبنی الاصل کی طرف اضافت ہو جیسے یومئذ میں اذ یہ مبنی ہے اس کی طرف یوم کی اضافت ہے تو اسکو بھی مبنی پڑھیں گے۔

فائدہ: ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، چنانچہ یہ تعریف بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے۔

چنانچہ الاسم بمنزلہ جنس ہے، اسماء مرکب اور غیر مرکب دونوں داخل ہیں۔
المرکب یہ فصل اول ہے اس سے اسماء غیر مرکب کو خارج کر دیا۔
الذی لم یشبہ فصل ثانی ہے اس سے ہر وہ چیز نکل جائے گی جو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھتی ہو۔

سوال: مصنف نے معرب کی تعریف میں عام مصنفین کے خلاف طرز اختیار کیوں کیا؟

جواب: مصنف نے عام مصنفین کے خلاف طرز اس لئے اختیار کیا کہ اس میں تقدم الشئی علی نفسہ لازم آتا ہے۔

سوال: تقدم الشئی علی نفسہ کی تقریر کیا ہے؟

جواب: تقدم الشئی علی نفسہ کی تقریر یہ ہے کہ شئی کی معرفت جس سے حاصل ہو اس کو مقدم ہونا چاہئے اور جس سے غرض کا علم ہوتا ہو اس کو مؤخر ہونا چاہئے، جمہور نے معرب کی غرض (ان یختلف اخرہ باختلاف العوامل: لفظا او

تقدیر ا) کو جس کو مؤخر ہونا چاہئے تعریف کا درجہ دے دیا ہے جس سے تقدم الشئی علی نفسہ لازم آرہا ہے اور یہ باطل ہے۔

فائدہ: تقدم کی دو قسمیں (دو درجے) ہیں۔

(۱) دو درجہ والا (۲) ایک درجہ والا۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ شی اپنی ذات پر موقوف ہو جائے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ جو چیز موقوف کی ذات سے مقدم تھی، یہ اس سے بھی مقدم ہو جائے۔

سوال: دور کسے کہتے ہیں؟

جواب: دور کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔

(۱) توقف الشئ علی نفسہ کو دور کہتے ہیں۔

(۲) موقوف اور موقوف علیہ کے اتحاد کو دور کہتے ہیں۔

(۳) سلسلۂ اکتساب کے واپس لوٹنے کو دور کہتے ہیں۔

فائدہ: دور کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دور معیت (۲) دور معقب، جس کو دور مہروب بھی کہا جاتا ہے۔

دور معیت: اگر کسی شئ کا دوسری شئ پر توقف معیت کے طریقہ پر ہو جیسے دو اینٹوں کو کھڑی کر کے ان کو آپس میں ملا دیا جائے، یہ دور جائز ہے، اس لئے کہ یہاں موقوف علیہ اور موقوف، شئ ثالث کے لئے معلول ہے، جو درحقیقت ان دونوں کے قیام کے ساتھ جھکاؤ ہے۔

دور معقّب: کسی چیز کا توقف دوسری چیز پر تعقیب کے طریقے پر ہو۔

دور معقّب کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دور مضمر (۲) دور مصرح

دور مضمر: موقوف علیہ اور موقوف کے ما بین کوئی واسطہ ہو جیسے الف کا توقف، باء پر اور باء کا توقف، جیم پر اور جیم کا الف پر، تو نتیجہ نکلا کہ الف کا توقف الف پر ہے۔

❁ اس مثال کی وضاحت: الف کا توقف باء پر ہے اور باء کا توقف جیم پر ہے تو نتیجہ نکلا کہ الف کا توقف جیم پر ہے، اب اس نتیجہ کو مقدم اول بناؤ تو کہا جائے گا کہ الف کا توقف جیم پر ہے اور جیم کا توقف الف پر ہے، تو نتیجہ نکلا کہ الف کا توقف الف پر ہے۔ یہ دور بدو درجہ کہلاتا ہے۔

دور مصرح: موقوف علیہ اور موقوف کے درمیان واسطہ نہ ہو اور یہ دور بدرجہ واحدہ کہلاتا ہے اور اس کو دور مہروب بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس کے بطلان کے پیش نظر اس سے راہ فرار اختیار کی جاتی ہے۔

حکم المعرب

وحكمه: ان يختلف آخره باختلاف العوامل: لفظا أو تقديرا

ترجمہ: اور معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدل جاتا ہے خواہ یہ بدلنا لفظی ہو یا تقدیری۔

مختصر تشریح

معرب کا حکم

معرب کا حکم: معرب کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، خواہ لفظی

تبدیلی ہو یا تقدیری جیسے زید کا آخر عوامل کے بدلنے سے لفظاً بدلے گا اور موسیٰ کا آخر تقدیراً بدلے گا۔ جیسے لفظاً تبدیلی: جاء زید، رایتُ زیداً، مررتُ بزید۔ تقدیراً تبدیلی: جاء موسیٰ، رایت موسیٰ، مررت بموسیٰ۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد معرب کا حکم بیان کرنا ہے۔

سوال: معرب کا حکم کیا ہے؟

جواب: معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عامل کے اختلاف سے بدلتا رہے، چاہے بدلنا ذات کے اعتبار سے ہو یا صفت کے اعتبار سے ہو، یا حقیقت کے اعتبار سے ہو یا حکمی یا لفظی یا تقدیری طور پر بدلنا ہو۔

سوال: ذات کے اعتبار سے بدلنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ذات کے اعتبار سے بدلنے کا مطلب ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلنا۔

سوال: صفت کے اعتبار سے بدلنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: صفت کے اعتبار سے بدلنے کا مطلب ایک حرکت کا دوسری حرکت سے بدلنا۔

سوال: حقیقی اعتبار سے بدلنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: حقیقی اعتبار سے بدلنے کا مطلب تینوں حالتوں میں اعراب کا بدلنا۔

سوال: حکمی اعتبار سے بدلنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: حکمی اعتبار سے بدلنے کا مطلب تینوں حالتوں میں اعراب کا نہ

بدلنا۔

سوال: لفظی اعتبار سے بدلنے کا کیا مطلب؟

جواب: لفظی اعتبار سے بدلنے کا مطلب جن کا تلفظ کیا جا سکے۔

سوال: تقدیری اعتبار سے بدلنے کا کیا مطلب؟

جواب: تقدیری اعتبار سے بدلنے کا مطلب جن کا تلفظ نہ کیا جا سکے۔

فائدہ: عقلی طور پر آٹھ صورتیں نکلیں گی۔

(۱) اختلاف ذاتی لفظی حقیقی : جائنی ابوک ، رایت اباک ، مررت بابیک۔

(۲) اختلاف ذاتی لفظی حکمی : جائنی مسلمون ، رایت مسلِمین ، مررت بمسلِمین۔

(۳) اختلاف ذاتی تقدیری حقیقی : جائنی ابو القوم ، رایت ابا القوم ، مررت بابی القوم۔

(۴) اختلاف ذاتی تقدیری حکمی : جاءنی مسلمُوْ القوم، رایت مسلمِی القوم، مررت بمسلِمِی القوم۔

(۵) اختلاف صفتی لفظی حقیقی: جائنی زید، رایت زیدا، مررت بزید

(۶) اختلاف صفتی لفظی حکمی: جاء احمدُ، رایت احمدَ، مررت باحمدَ

(۷) اختلاف صفتی تقدیری حقیقی: جائنی فتی، رایت فتی، مررت بفتی

(۸) اختلاف صفتی تقدیری حکمی : جائنی حبلی ، رایت حبلی ، مررت بحبلی

معرب کا حکم: یہ ہے کہ جس کا آخر بدلتا رہے عامل کے بدلنے سے۔

سوال: چند ایسی مثالیں جن میں عامل تو بدلتا ہے لیکن معرب کا آخر نہیں

بدلتا جیسے اِنَّ زیداً قائمٌ، ضربت زیداً، خالد ضارب زیداً ان تینوں مثالوں میں زیدا منصوب ہے حالانکہ تینوں کا عامل مختلف ہے اور معرب کا آخر بدلا نہیں؟

جواب: عامل کے اختلاف کے ساتھ عمل بھی مختلف ہو، لہذا پہلی مثال میں زیدا پر نصب آیا اِنَّ کے اسم ہونے کی بنا پر اور دوسری مثال میں نصب آیا ضربت فعل کا مفعول بہ ہونے کی بنا پر اور تیسری مثال میں جو نصب آیا، اسم فاعل ضاربٌ کے مفعول ہونے کے بنا پر، اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

سوال: عبارت میں العوامل کا صیغہ استعمال کیا گیا جو جمع ہے اور جمع کا اطلاق دو سے زائد پر ہوتا ہے گویا معرب کہیں گے جس کا آخر اس وقت بدلے جس پر تین عامل داخل ہو، لیکن اس کا کوئی قائل نہیں، اس لئے کہ ایک عامل سے معرب کا آخر بدلتا رہتا ہے؟

جواب: العوامل جمع کا صیغہ ہے، لیکن اس پر الف لام جنسی ہے اور اصول ہے کہ جب جمع پر الف لام داخل ہو تو جمع کی جمعیت ختم ہو جاتی ہے اور جنس کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور جنس کہا جاتا ہے جو کثیر اور قلیل دونوں پر صادق آئے، لہذا ایک عامل داخل ہو یا ایک سے زائد عامل داخل ہوں معرب کا آخر بدلے گا۔

حد الاعراب

الاعراب اختلف آخره ليدل على المعاني المعتورة

ترجمہ: اعراب: وہ ہے جس کے ذریعہ معرب کا آخر بدلتا ہے تاکہ وہ (حرکت اور حرف مبانی) ان معانی پر دلالت کرے جو یکے بعد دیگرے معرب پر آتے ہیں۔

مختصر تشریح

اعراب کی تعریف : اعراب وہ چیز ہے جس کے ذریعہ معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے، تا کہ وہ اختلاف ان معانی پر دلالت کرے جو معرب پر پے بہ پے آتے ہیں۔

أُعْتُوِرَ عَلَيْه: یکے بعد دیگرے آنا۔ المعتورة: اسم فاعل واحد مونث ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب:: مصنف کا مقصد اعراب کی تعریف بیان کرنا ہے۔

سوال: اعراب کے لغوی معنی کیا ہے؟

جواب: : اعراب یہ باب افعال کا مصدر ہے، جس کے معنی ظاہر کرنے کے آتے ہیں۔

سوال: اعراب کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب: اعراب کو اعراب اس وجہ سے کہتے ہیں یہ معنی کو ظاہر کرتا ہے۔

سوال: اعراب کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب: اعراب کی اصطلاحی تعریف: اعراب وہ ہے جس کے ذریعہ معرب کا آخر بدلے۔

سوال: اعراب کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے اس لئے کہ معرب کا آخر جیسے اعراب سے بدلتا ہے ویسے عامل سے بھی بدلتا ہے؟

جواب: اعراب کی تعریف میں جو "بهٖ" آیا ہے اس میں جو "باء" ہے یہ

سبب کا ہے اور اس سے سببِ قریب مراد ہے، سببِ بعید مراد نہیں۔

فائدہ: سبب کی دو قسمیں ہیں (۱) سبب قریب (۲) سبب بعید۔

اعراب کے ذریعہ معرب کے آخر کو بدلنا یہ سبب قریب ہے اور عامل کے ذریعہ معرب کو بدلنا یہ سبب بعید ہے۔

فائدہ: اعراب جس کے ذریعہ معرب کا آخر بدلے چاہے معرب کا آخر حرف کے ذریعہ بدلے جیسے جاءَ أبوک، رایتُ أباک، مرَرْتُ بأبِیک

یا حرکت کے ذریعہ بدلے جیسے جاء زید رایت زیدا مررت بزید

فائدہ: اعراب کی چند قسمیں (۱) اعراب ذاتی (اعراب بالحروف) (۲) اعراب صفتی (اعراب بالحرکت) (۳) اعراب حقیقی (تینوں حالتوں میں اعراب الگ ہو (۴) اعراب حکمی تینوں حالتوں میں اعراب الگ نہ ہو۔ (۵) اعراب لفظی (اعراب کا تلفظ کیا جا سکے) (۶) اعراب تقدیری (جس کا تلفظ نہ کیا جا سکے) (۷) اعراب حکائی: معمول کو موجودہ عامل کی رعایت کے بغیر، سابق عامل کی رعایت کے ساتھ اعراب دینا جیسے کزیدُ (۸) اعراب محلی: کسی اسم مبنی کے ترکیب میں واقع ہونے کی وجہ سے اعراب ظاہر نہ ہو۔

لیدل علی المعانی المعتورۃ:

سوال: المعتورہ میں واؤ کو الف سے کیوں نہیں بدلا؟ جبکہ معتل کے قانون کے مطابق واؤ متحرک ہے اور اسکا ماقبل مفتوح ہے؟

جواب: معتل کا قانون چند شرائط سے مشروط ہے جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ باب افتعال، باب تفاعل کے معنی میں نہ ہو اور عبارت میں معتورۃ، متعاورۃ کے معنی میں ہے اس لئے واؤ کو الف سے نہیں بدلا۔

سوال: کیا لیدل علی المعانی المعتورۃ اعراب کی تعریف کا جز ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے۔

(۱) بعض حضرات کے نزدیک لیدل علی المعانی المعتورۃ اعراب کی تعریف کا جز نہیں ہے بلکہ بطور فائدہ مذکور ہے۔

اور وہ فائدہ یہ ہے کہ معرب پر جو پے در پے معنی آتے ہیں کبھی فاعل کا، کبھی مفعول کا، کبھی اضافت کا تو اعراب کا آخر اس پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک لیدل علی المعانی المعتورۃ اعراب کی تعریف کا جز ہے اور قید اتفاقی ہے، اس سے وضاحت مقصود ہے نہ کہ احتراز۔

فائدہ: قید کی دو قسمیں ہیں (۱) قید احترازی (۲) قید اتفاقی

قید احترازی: اس سے کسی چیز کو خارج کرنا مقصود ہوتا ہے۔

قید اتفاقی: اس سے کسی چیز کو خارج کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ وضاحت مقصود ہوتی ہے۔

سوال: مصنفؒ عبارت میں المعتورۃ علیہ کہا اور معتورۃ یہ باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا صلہ لام آتا ہے علی نہیں آتا؟

جواب: عبارت میں صنعت تضمین ہے۔

سوال: صنعت تضمین کسے کہتے ہیں؟

جواب: صنعت تضمین کہتے ہیں کسی فعل کے ظاہری معنی مراد نہ لیا جائیں اور اعتور کے ظاہری معنی ہیں، باری باری سے بدلیت کے طور پر آنا، بلکہ چھپے ہوئے معنی مراد لیا جائیں اور اس پوشیدہ اور چھپے ہوئے معنی کے اعتبار سے صلہ ذکر کیا جائے یہاں چھپا ہوا معنی ورود یا استیلاء (کسی چیز کا پے در پے آنا) مراد ہے اور ورود اور استیلاء دونوں کا صلہ علی آتا ہے اس لئے مصنف نے علی کا استعمال کیا۔

سوال: مصنف نے معرب کی تعریف کو اعراب کی تعریف پر مقدم کیوں

کیا؟

جواب: معرب بمنزلہ موصوف کے ہے اور اعراب بمنزلہ صفت کے ہے اور موصوف صفت پر مقدم ہوتا ہے اس لئے معرب کی تعریف کو اعراب کی تعریف پر مقدم کیا۔

سوال: اعراب آخر میں کیوں آتا ہے؟

جواب: اعراب صفت ہے اور معرب موصوف ہے، لہذا محل اعراب یہ صفت ہوا، جو موصوف سے مؤخر ہوتا ہے، اس لئے اعراب اخیر میں آتا ہے نہ کہ شروع میں۔

انواع الاعراب

وانواعه رفع ونصب وجر

ترجمہ: اور اسم کی قسمیں، رفع، نصب اور جر ہیں۔

مختصر تشریح

اعراب کی قسمیں: رفع، نصب اور جر ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اعراب کے انواع کو بیان کرنا ہے۔

سوال: اعراب کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اعراب کی تین قسمیں ہیں (۱) رفع (۲) نصب (۳) جر

سوال: رفع کو رفع کیوں کہتے ہیں؟

جواب: (۱) رفع کے معنی بلندی کے آتے ہیں اور رفع یہ فاعل کی علامت ہے اور فاعل بھی کلام میں دوسرے پر بلند ہوتا ہے۔

(۲) رفع کو جب اداء کیا جاتا ہے تو نیچے والا ہونٹ اوپر اٹھتا ہے اور رفع کے معنی بھی اٹھنے اور بلندی کے آتے ہیں۔

سوال: نصب کو نصب کیوں کہتے ہیں؟

جواب: (۱) نصب کے معنی آتے ہیں گاڑنا، برقرار رکھنا، نصب یہ مفعول کی علامت ہے اور مفعول کلام میں فضلہ ہوتا ہے اور جو چیز فضلہ ہوتی ہے اس کو کلام میں سے ہٹا دیا جاتا ہے اور نصب نے مفعول کو کلام میں برقرار رکھا، ورنہ وہ کلام میں باقی نہیں رہتا اس لئے اس کو نصب کہتے ہیں۔

(۲) جب نصب کو ادا کرتے ہیں تو ہونٹ اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں اوپر نیچے نہیں ہوتے اور نصب کے معنی ہیں برقرار رہنا، اس لئے اس کو نصب کہتے ہیں۔

سوال: جر کو جر کیوں کہتے ہیں؟

جواب: جر کے معنی کھینچنے کے آتے ہیں اور جر یہ فعل کے معنی کو اسم کی طرف کھینچتا ہے۔

(۲) جر کو جب ادا کیا جاتا ہے تو ہونٹ نیچے کی طرف جھکتا ہے، اس لئے اسکو جر کہتے ہیں۔

فائدہ: بصریین کے نزدیک رفع، نصب، اور جر معرب کے لئے اور ضمہ فتحہ اور کسرہ مبنی کے ساتھ خاص ہے۔

شعر:

رفع؛ نصب؛ جر؛ جزم این چہار از برائے معرب آمد اختیار

ضم و فتح و کسر وقف اند شمار از برائے مبنی آمد اختیار

کوفیین کے نزدیک معرب اور مبنی دونوں میں عام ہے۔

شعر:

ضمہ؛ فتحہ؛ کسرہ؛ ہم سون ایں ہمہ را مشترک دان ذی ظنون

سوال: مصنف اسم معرب کا اعراب بیان کر رہے ہیں اور جزم بھی تو معرب کا اعراب ہے تو پھر اس کو بیان کیوں نہیں کیا؟

جواب: : جزم کا تعلق فعل کے ساتھ ہے اور بحث چل رہی ہے اسم معرب کی، اس لئے جزم کو بیان نہیں کیا۔

سوال: اقسامه کی بجائے انواعه کیوں لکھا؟

جواب: انواع یہ نوع کی جمع ہے اور نوع کہتے ہیں ایسی کلی کو جس کا تعلق کثیر افراد کے ساتھ ہو، جن کی حقیقتیں ایک ہو اور رفع، نصب اور جر بہت سارے افراد کو لئے ہوئے ہیں، جیسے رفع کے ماتحت الف، واؤ اور ضمہ داخل ہے اور نصب کے ماتحت یاء، الف، کسرہ اور فتحہ آتا ہے اور جر کے ماتحت یاء، فتحہ اور کسرہ داخل ہے۔

سوال: رفع کا اطلاق ضمہ پر اور نصب کا فتحہ پر اور جر کا کسرہ پر ہوتا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رفع نصب اور جر میں اعراب بالحروف داخل نہیں ہے؟

جواب: مصنفؒ کے نزدیک رفع نصب جر کا اطلاق حرکات اور حروف دونوں پر ہوتا ہے اس لئے اعراب بالحروف کو الگ بیان نہیں کیا۔

فالرفع علم الفاعلية والنصب علم المفعولية والجر علم الاضافه

ترجمہ: پس رفع: فاعلیت کی علامت ہے۔ اور نصب مفعولیت کی

علامت ہے۔اور جر اضافت کی علامت ہے۔

مختصر تشریح

رفع : فاعل ہونے کی علامت ہے۔نصب : مفعول ہونے کی علامت ہے۔
جر: اضافت کی نشانی ہے گویا زبر، زیر اور پیش اعراب ہیں۔

وضاحت

سوال : مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟
جواب : مصنف کا مقصد اعراب کے انواع کو بیان کرنا ہے پس رفع فاعلیت کی، نصب مفعولیت کی جر اضافت کی علامت ہے (کل فاعل مرفوع، کل مفعول منصوب، و کل مضاف الیہ مجرور)
جیسے جاءنی زید جاء فعل زید فاعل اس لئے رفع آیا رأیت زیدا رأیت فعل با فاعل زیدا مفعول اس لئے نصب آیا اور نصرت غلام زید زید مضاف الیہ ہے اسلئے جر آیا۔

سوال : مصنفؒ نے علم الفاعل اور علم المفعول نہیں کہا بلکہ تاء کی زیادتی کے ساتھ الفاعلیۃ و المفعولیۃ کیوں کہا؟
جواب : مصنفؒ نے تاء بڑھا کر ملحقات فاعل (نائب فاعل، مبتدا وغیرہ) کو داخل کیا اور مفعول میں تاء بڑھا کر ملحقات مفعول (مستثنی، حال وغیرہ) کو داخل کیا۔

سوال : علم الاضافۃ میں یاء کو زیادہ کیوں نہیں کیا؟
جواب : اضافت یہ مصدر ہے باب افعال کا اور مصدری معنی پہلے سے اس میں موجود ہے لہذا اس کا اطلاق اضافت کے تمام افراد پر ہوگا۔

سوال: اعراب کے انواع کی وجہ حصر کیا ہے؟

جواب: اعراب کے انواع کی وجہ حصر یہ ہے، اعراب عمدہ ہوگا یا فضلہ ہوگا، اگر عمدہ ہے تو رفع اور اگر فضلہ ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں، بلا واسطہ ہوگا یا بالواسطہ ہوگا، اگر بلا واسطہ ہے تو نصب اور اگر بالواسطہ ہے تو جر۔

سوال: فاعل کو رفع کیوں دیا؟

جواب: فاعل کا استعمال قلیل ہوتا ہے مفعول کے مقابلے میں اور جس چیز کا استعمال قلیل ہوتا ہے وہ چیز ثقالت کو قبول کرتی ہے اور رفع ثقیل ہے اس لئے رفع ثقیل فاعل کو دیا۔

سوال: مفعول کو نصب کیوں دیا؟

جواب: مفعول کا استعمال کثیر ہے اور جس چیز کا استعمال کثیر ہو وہ تخفیف چاہتا ہے اور فتحہ یہ مخفف ہے لہذا مفعول کو نصب دیدیا۔ جر مضاف الیہ کو دیدیا اس لئے کہ یہی باقی ہے۔

حد العامل

العامل ما به يتقوم المعنى المقتضي للاعراب

ترجمہ: اور عامل وہ شئ ہے جس کی وجہ سے اعراب کا تقاضہ کرنے والا معنی حاصل ہو۔

مختصر تشریح

عامل کی تعریف: عامل وہ چیز ہے جس کے ذریعہ وہ معنی وجود میں آتا ہے جو

اعراب کو چاہنے والا ہے جیسے جاء زید، رأیت زیدا اور مررت بزید میں جاء، رایت اور با عامل ہیں، کیونکہ ان کی وجہ سے زید: فاعل، مفعول اور مجرور بنا ہے، چنانچہ اس پر رفع، نصب اور جر آیا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد عامل کی تعریف بیان کرنا ہے۔

سوال: عامل کی تعریف کیا ہے؟

جواب: عامل کی تعریف یہ ہے: کسی اسم کا عامل وہ شئ ہے جس شئ کے سبب سے وہ معنی حاصل ہوتا ہے جو معنی اعراب کا تقاضہ کرتا ہے، معنی سے مراد فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت ہے۔

(۱) جیسے ضرب زید میں ضرب کے ذریعہ زید کی فاعلیت حاصل ہوئی۔

(۲) ضربت زیدا میں ضربت کے ذریعہ زیدا میں مفعولیت حاصل ہوئی۔

(۳) مررت بزید میں حرف باء کے ذریعہ زید میں اضافت حاصل ہوئی۔

فاعلیت، رفع کا، مفعولیت، فتحہ کا اور اضافت جر کا تقاضہ کرتی ہے۔

سوال: عامل کی تعریف جامع نہیں ہے، کیونکہ فعل کے عامل (لم یضرب) پر صادق نہیں ہے؟

جواب: یہ عاملِ اسم کی تعریف بیان کرنا ہے نہ کہ مطلق عامل کی تعریف۔

سوال: عامل کی تعریف جامع نہیں کیونکہ بحسبک درھم میں ''باء'' عامل ہے، لیکن اس پر عامل کی تعریف صادق نہیں ہے؟

جواب: عاملِ اسم کی تعریف بھی مطلق نہیں بلکہ اسم کے اس عامل کی

تعریف بیان کرنا ہے جو معنی میں مؤثر ہو۔

انواع اعراب الاسم المتمکن

فالمفرد المنصرف و الجمع المکسر المنصرف : بالضمۃ رفعا و الفتحۃ نصبا و الکسرۃ جرا۔

ترجمہ: پس مفرد منصرف اور جمع مکسر کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصبی میں فتحہ کے ساتھ اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

مختصر تشریح

اسم متمکن کے اعراب کی نو (۹) قسمیں ہیں

اعراب لفظی بالحرکت کی تین صورتیں ہیں۔

اسم متمکن: اسم معرب کو کہتے ہیں، اس کے اعراب کی دو قسمیں ہیں: لفظی اور تقدیری، پھر لفظی کی دو قسمیں ہیں: بالحرکت اور بالحرف۔ اول تین قسموں کا اعراب لفظی اور حرکت کے ذریعہ ہے، دوسری تین قسموں کا اعراب لفظی اور حروف کے ذریعہ ہے اور آخری تین قسموں کا اعراب تقدیری ہے۔

اعراب لفظی بالحرکت کی پہلی صورت: رفع پیش سے، نصب زبر سے اور جر زیر سے یہ اعراب مفرد منصرف (صحیح اور جاری مجری صحیح) کا اور جمع مکسر منصرف کا ہے۔

(۱) مفرد منصرف صحیح کی مثال: هٰذا رَجلٌ، رَاَیتُ رَجلاً، مَرَرْتُ بِرَجل۔

(۲) مفرد منصرف جاری مجری صحیح کی مثال: هذا دلوٌ، رایتُ دلواً، مررتُ

بِدَلْوٍ، ھذاظبی، رایت ظبیا، مررت بظبی۔

(۳) جمع مکسر منصرف کی مثال: جائنی رجال، رایت رجالا، مررت برجال۔

فائدہ: مفرد منصرف صحیح وہ اسم ہے جو مفرد ہو، تثنیہ، جمع نہ ہو اور منصرف ہو، غیر منصرف نہ ہو اور صحیح ہو (اس کے آخر میں حرف علت نہ ہو) جیسے رجل، وعد، زید۔

❁ نحوی حضرات حرف آخر کا اعتبار کرتے ہیں، پس اگر فا کلمہ میں حرف علت ہو جیسے وعد یا عین کلمہ میں حرف علت ہو جیسے زید تو وہ بھی صحیح ہے۔

اور مفرد منصرف جاری مجری صحیح: وہ اسم ہے جو مفرد ہو، منصرف ہو اور اس کے آخر میں واو یا یاء ماقبل ساکن ہو جیسے دلو، ظبی۔

جمع مکسر منصرف: وہ جمع ہے جس میں واحد کا وزن باقی نہ رہا ہو، اور منصرف ہو، غیر منصرف نہ ہو، جیسے رجال، پس جمع سالم نکل گئی اور مصابیح جیسی جمع بھی نکل گئی، کیونکہ وہ غیر منصرف ہے۔

وضاحت

اعراب کی دو قسمیں ہیں (۱) اعراب بالحرکت (۲) اعراب بالحروف۔ ان میں اصل اعراب بالحرکت ہے۔

اعراب کی دو قسمیں ہیں (۱) اعراب لفظی (۲) اعراب تقدیری۔ ان میں اصل اعراب لفظی ہے۔

اعراب کی دو قسمیں ہیں (۱) اعراب حقیقی (۲) اعراب حکمی۔ ان میں اصل اعراب حقیقی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد عبارت سے کیا ہے؟

جواب: مصنف اسم متمکن کی قسموں کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا: (۱) مفرد منصرف صحیح اور جاری مجری صحیح اور جمع مکسر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ، نصبی میں فتحہ اور جری میں کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔

مفرد منصرف صحیح کی مثال: حالت رفعی میں جائنی زید حالت نصبی میں، رایت زیدا، اور حالت جری میں مررت بزید۔

جمع مکسر منصرف کی مثال: حالت رفعی میں جائنی رجال حالت نصبی میں رأیت رجالا حالت جری میں مررت برجال۔

سوال: مفرد کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مفرد کی قید سے تثنیہ اور جمع کو خارج کرنا مقصود ہے اس لئے کہ ان کا اعراب الگ آتا ہے۔

فائدہ: مفرد کا لفظ مختلف چیزوں کے مقابلہ میں آتا ہے۔

- جیسے کلمہ کی تعریف میں مفرد کا لفظ، مرکب کے مقابلہ میں آتا ہے۔
- منادیٰ کی بحث میں مفرد کا لفظ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلہ میں آتا ہے۔
- تمیز کی بحث میں مفرد کا لفظ جملہ اور شبہ جملہ کے مقابلہ میں آتا ہے۔

سوال: منصرف کی قید کیوں لگائی؟

جواب: منصرف کی قید سے غیر منصرف کو نکالنا مقصود ہے، اس لئے کہ اس کا اعراب الگ آتا ہے۔

سوال: مفرد منصرف کے ساتھ صحیح کی قید کیوں نہیں لگائی، مفرد منصرف صحیح کہنا چاہیے تھا؟

جواب: (ا): صحیح کی قید محذوف ہے، اس لئے کہ صحیح کی دوصورتیں ہیں (ا) صرفی صحیح (۲) نحوی صحیح۔

(ا) صرفی صحیح: کلمہ میں نہ ہمزہ ہو اور نہ حرف علت ہو اور نہ دو حرف ایک جنس کے ہوں۔

(۲) نحوی صحیح: کلمہ کے اخیر میں حرف علت نہ ہو، چونکہ گفتگو نحو کے اعتبار سے ہورہی ہے، اس لئے یہ بات قرینہ بنے گی کہ یہاں صحیح ہی مراد ہے، غیر صحیح مراد نہیں ہے۔

سوال: مفرد منصرف صحیح کو یہ اعراب کیوں دیا؟

جواب: قاعدہ ہے الاصل یقتضی الاصل (اصل، تقاضا کرتی ہے اصل کا)

چنانچہ مفرد، اصل ہے تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں اور منصرف، اصل ہے غیر منصرف کے مقابلے میں اور صحیح اصل ہے غیر صحیح کے مقابلے میں۔

اعراب بالحرکت اصل ہے اعراب بالحروف کے مقابلے میں، لہذا اصل کو اصل کا اعراب دیا۔

جمع المكسر المنصرف

سوال: جمع مکسر کی تعریف کیا ہے؟

جواب: جمع مکسر ایسی جمع کو کہتے ہیں جس میں اسکی جمع بناتے وقت واحد کا وزن صحیح سالم نہ رہے۔

سوال: جمع مکسر میں واحد سے جمع بنانے میں جو تغیر ہوتا ہے وہ کتنی قسم کا ہوتا ہے؟

جواب: جمع مکسر میں واحد سے جمع بنانے میں جو تغیر ہوتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا

ہے(۱)تغیر حکمی (۲)تغیر حقیقی۔

سوال: تغیر حکمی کا کیا مطلب؟

جواب: تغیر حکمی کا مطلب لفظوں میں کوئی تغیر نہ ہو بلکہ تصور میں تغیر ہو جیسے فُلک اُسدُ کے وزن پر ہو تو جمع اور قُفُل کے وزن پر ہو تو واحد ہوگا۔

سوال: تغیر حقیقی کا کیا مطلب؟

جواب: تغیر حقیقی کا مطلب لفظوں میں حروف یا حرکات کے اعتبار سے کوئی تغیر ہو۔

سوال: تغیر حقیقی کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: تغیر حقیقی کی چار صورتیں ہیں۔

(۱)تغیر بالحرکت جیسے اَسَد سے اُسُد حرکت میں تغیر ہوا نہ کہ حرف میں۔

(۲)تغیر بزیادۃ الحرف جیسے رَجُل سے رِجَال۔

(۳)تغیر بنقصان الحرف جیسے رسول سے رُسُل۔

(۴)تغیر بزیادۃ الحرف وبنقصان الحرف جیسے غلام سے غلمان وغلمه۔

سوال: جمع کے ساتھ مکسر کی قید کیوں ہے؟

جواب: مکسر کی قید سے جمع سالم کو خارج کرنا مقصود ہے، اس لئے کہ اس کا اعراب الگ آتا ہے۔

سوال: منصرف کی قید کیوں لگائی؟

جواب: منصرف کی قید سے غیر منصرف کو نکالنا مقصود ہے، اس لئے کہ اسکا اعراب الگ آتا ہے۔

سوال: جمع مکسر منصرف کو اصل کا اعراب کیوں دیا؟

جواب: جمع مکسر منصرف یہ مفرد منصرف کے مشابہ ہے اور مفرد منصرف کو

اصل کا اعراب دیا، تو اس سے مشابہ جمع مکسر کو بھی اصل کا اعراب دیا۔

سوال: جمع مکسر کی مشابہت، مفرد منصرف کے ساتھ کس چیز میں ہے؟

جواب: (۱): جمع مکسر کی مشابہت، مفرد منصرف کے ساتھ گردان میں ہے کہ مفرد منصرف صحیح کی گردان جس انداز سے ہوتی ہے اسی طرح جمع مکسر منصرف کی بھی گردان ہوتی ہے۔

(۲) وضع اور بناوٹ کے اعتبار سے ہے، جس طرح مفرد منصرف کی بناوٹ ہوتی ہے، اسی طرح جمع مکسر کی بھی بناوٹ ہوتی ہے، اس لئے اس کو بھی یہی اعراب دی دیا۔

سوال: سنة جس کے معنی سال کے ہیں، اسکی جمع سنون یاسنین (بکسر السین) ہے، گویا جمع کے واحد کا وزن سلامت نہیں ہے کیونکہ سین کی حرکت بدل گئی اور لام کلمہ بھی محذوف ہو گیا

اسی طرح مسلمة کی جمع مسلمات ہے، اس جمع کے واحد کا وزن بھی سلامت نہیں ہے، لہذا یہ دونوں جمع: جمع مکسر ہیں، لیکن ان کا اعراب اعراب بالحرکت نہیں ہے؟

جواب: جمع مکسر سے وہ جمع مراد ہے جو واؤ اور نون یا، یا اور نون بڑھا کر، یا الف اور تا بڑھا کر نہ بنائی گئی ہو لہذا سِنون اور سِنین اور مسلمات جمع مکسر نہیں ہیں، اس لئے کہ سنون یا سنین میں واو اور نون یا، یا اور نون بڑھایا گیا ہے اور مسلمات میں الف اور تا بڑھایا گیا ہے۔

سوال: رفعا، نصبا، جرا کو نصب کیوں دیا؟

جواب: ان کے نصب میں تین احتمالات ہیں۔

(۱) یا تو ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس صورت میں تقدیری

عبارت ہوگی۔

یعربان بالضمۃ وقت الرفع

ویعربان بالفتحۃ وقت النصب

ویعربان بالکسرۃ وقت الجر۔

(۲) یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس صورت میں تقدیری عبارت ہوگی۔

یعربان بالضمۃ اعراب الرفع

ویعربان بالفتحۃ اعراب النصب

ویعربان بالکسرۃ اعراب الجر۔

❁ ہر دو احتمال کی صورت میں مضاف مقدر ہوگا۔

(۳) یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس صورت میں تقدیری عبارت ہوگی۔

یعربان بالضمۃ مرفوعین

ویعربان بالفتحۃ منصوبین

ویعربان بالکسرۃ مجرورین۔

❁ مصدر بجائے معروف کے مجہول ہوجائے گا۔

سوال: مصنف نے مفرد منصرف اور جاری مجری صحیح کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: مصنف نے مفرد منصرف اور جاری مجری صحیح کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ وہ مفرد منصرف کے قائم مقام ہے، جب مفرد منصرف صحیح کا اعراب بیان کر دیا تو ضمناً مفرد منصرف اور جاری مجری کا بھی تذکرہ آگیا۔

جمع المونث السالم: بالضمة والكسرة
ترجمہ: اور جمع مؤنث سالم کا اعراب ضمہ کے ساتھ (حالت رفعی میں)
اور کسرہ کے ساتھ (حالت نصبی وجری میں)۔

مختصر تشریح

اعراب لفظی بالحرکت کی دوسری صورت: رفع پیش سے اور نصب و جر زیر سے: یہ اعراب جمع مؤنث سالم کا ہے۔ جیسے هٰذِه مُسْلِمَات، رایت مسلمات، مررت بمسلمات۔

جمع مونث سالم: الف تاء کے ذریعہ بنائی جاتی ہے اور جمع بناتے وقت مؤنث کے آخر سے گول تاء حذف کر دیتے ہیں جیسے مسلمة سے مسلمات۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد عبارت مذکورہ سے کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد عبارت مذکورہ سے جمع مؤنث سالم کا اعراب بیان کرنا ہے۔

سوال: جمع مؤنث سالم کسے کہتے ہیں؟

جواب: جمع مؤنث سالم ایسی جمع کو کہتے ہیں جس کے اخیر میں الف اور تاء آئے۔

سوال: جمع مؤنث سالم کا اعراب کیا ہے؟

جواب: جمع مؤنث سالم کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ اور حالت

نصبی اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ آتا ہے جیسے جاء مسلمات , رأیت مسلمات، مررت بمسلمات۔

سوال: جمع مؤنث سالم کو غیر منصرف پر مقدم کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: (۱) جمع مؤنث سالم میں اصل کی مخالفت قلیل اور غیر منصرف میں اصل کی مخالفت کثیر ہے؛ کیونکہ غیر منصرف میں ایک حرکت (کسرہ) متروک ہوتی ہے اور تنوین بھی نہیں آتی اور جمع مؤنث سالم میں ایک حرکت (فتحہ) متروک ہوتی ہے، لیکن تنوین متروک نہیں ہوتی گویا اصل سے مخالفت قلیل ہے۔

(۲) جمع مؤنث سالم کی معرفت غیر منصرف کی معرفت سے زیادہ آسان اور واضح ہے، اس لئے جمع مؤنث سالم کو غیر منصرف پر مقدم کیا۔

سوال: جمع مؤنث سالم میں نصب کو جر کے تابع کیوں کیا؟

جواب: جمع مؤنث سالم یہ جمع مذکر سالم کی فرع ہے اور جمع مذکر سالم میں نصب کو جر کے تابع کیا ہے، جب اصل میں نصب کو جر کے تابع کیا تو فرع میں بھی نصب کو جر کے تابع کیا، تاکہ فرع کی مزیت (زیادتی) اصل پر لازم نہ آوے۔

سوال: جمع مؤنث سالم، جب مذکر سالم کی فرع ہے اور اعراب بالحروف یہ اعراب بالحرکت کی فرع ہے، تو فرع کو فرع کا اعراب (بالحروف) دینا چاہئے، اعراب بالحرکت کیوں دیا؟

جواب: جمع مؤنث سالم، فرع کا اعراب (اعراب بالحروف) قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی ہے۔

سوال: جمع مؤنث سالم، اعراب بالحروف کو قبول کرنے کی صلاحیت کیوں نہیں رکھتی؟

جواب: (۱) اعراب بالحروف (واؤ، الف اور یاء) کے آنے کے لئے

ضروری ہے کہ آخر میں حرف علت ہو اور جمع مؤنث سالم کے آخر میں الف اور تاء آتی ہے، حرف علت نہیں آتا۔

(۲) جمع مؤنث سالم کو جو اعراب دیا گیا حرکت کے ذریعہ، وہ بھی ایک اعتبار سے فرع کا اعراب ہے۔

سوال: وہ کیسے؟

جواب: اعراب بالحرکت کی دو صورتیں ہیں (۱) تینوں حالتوں میں الگ الگ اعراب، حالت رفعی میں ضمہ اور نصبی میں فتحہ اور جری میں کسرہ (۲) تینوں حالتوں میں الگ الگ اعراب نہ ہو بلکہ بعض بعض میں مدغم ہو۔ اب یہ دوسری صورت فرع ہے، پہلی صورت کی اور جمع مؤنث سالم کو دوسری صورت کا اعراب دیا گیا، گویا فرع کو فرع کا اعراب ہی دیا ہے۔

غیر المنصرف: بالضمة والفتحة۔

ترجمہ: غیر منصرف کا اعراب ضمہ کے ساتھ (حالت رفعی میں) اور فتح کے ساتھ (حالت نصبی وجری میں)۔

مختصر تشریح

اعراب لفظی بالحرکت کی تیسری صورت: رفع پیش سے اور نصب وجر زبر سے: یہ اعراب غیر منصرف کا ہے۔ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے، جیسے هذا عمر، رایت عمرا اور مررت بعمر۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: غیر منصرف کا اعراب بیان کرنا ہے۔

سوال: غیر منصرف کا اعراب کیا آئے گا؟

جواب: غیر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ اور حالت نصبی اور حالت جری میں فتحہ کے ساتھ آتا ہے جیسے جاءنی احمد، رأیت احمد، مررت باحمد۔

سوال: غیر منصرف کسے کہتے ہیں؟

جواب: غیر منصرف ایسے اسم کو کہا جاتا ہے، جس میں اسباب منع صرف میں سے کوئی دو سبب یا ایک ایسا سبب جو دو سبب کے قائم مقام ہو پایا جائے۔

سوال: غیر منصرف کو اعراب بالحرکت کیوں دیا حالانکہ یہ منصرف کی فرع ہے؟

جواب: (۱): غیر منصرف یہ منصرف کی فرع ہے اور منصرف کا اعراب حرکت کے ذریعہ ہوتا ہے، تو غیر منصرف کو بھی حرکت کے ذریعہ اعراب دیا تا کہ مخالفت نہ ہو۔

(۲) غیر منصرف کو فرع کا ہی اعراب دیا، جس کی تفصیل جمع مؤنث سالم میں آگئی۔

سوال: غیر منصرف میں جر کو نصب کے تابع کیوں کیا؟

جواب: غیر منصرف میں حالت جری کو حالت نصبی کے تابع کیا، اسلئے کہ غیر منصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے اور فعل پر کسرہ نہیں آتا ہے۔

سوال: فعل کے ساتھ مشابہت کس اعتبار سے پائی جاتی ہے؟

جواب: فعل کے ساتھ مشابہت دو اعتبار سے پائی جاتی ہے (۱) فعل مصدر سے مشتق ہے تو مصدر، اصل ہے اور فعل، فرع ہے (۲) فعل یہ فاعل کا محتاج ہوتا

ہے۔

اسی طرح اسباب منع صرف میں سے ہر ایک سبب کسی نہ کسی کی فرع ہے۔

(۱) عدل یہ معدول عنہ کی فرع ہے۔

(۲) وصف یہ موصوف کی فرع ہے۔

(۳) تانیث یہ تذکیر کی فرع ہے۔

(۴) معرفہ یہ نکرہ کی فرع ہے۔

(۵) عجمہ یہ عربی کی فرع ہے۔

(۶) جمع یہ واحد کی فرع ہے۔

(۷) ترکیب یہ مفرد کی فرع ہے۔

(۸) وزن فعل یہ اسم فعل کی فرع ہے۔

(۹) الف نون زائدتان، یہ تانیث کے دو الف کی فرع ہے۔

فعل، فاعل کا محتاج ہوتا ہے اور غیر منصرف، اسباب منع صرف کے دو سبب کا محتاج ہوتا ہے، دونوں کی شکل ایک ہی ہوتی ہے، اس لئے اس پر کسرہ نہیں آتا۔

سوال: غیر منصرف پر کسرہ نہیں آتا تو حالت جری میں فتحہ کیوں آتا ہے؟ اگر جر کی حالت میں ضمہ مان لیا جائے تو کیا حرج ہوگا؟

جواب: رفع عمدہ کی علامت ہے اور جر یہ فضلہ کی علامت ہے، لہذا جر کو رفع کے تابع کر کے جر کی حالت میں رفع دینا درست نہیں، ہاں جر کو نصب کے تابع کر کے جر کی حالت میں فتحہ دینا درست ہے؛ کیونکہ جر کی طرح نصب بھی فضلہ کی علامت ہے۔

ابوك واخوك وحموك وهنوك وفوك و ذومال

مضافة الی غیر یاء المتکلم بالواو والالف والیاء۔

ترجمہ: ابوک (تیرا باپ) اخوک (تیرا بھائی) حموک (تیرا دیور) ہنوک (تیری شرمگاہ) فوک (تیرا منہ) ذو مال (مال والا) دراں حالیکہ یہ یاء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوان کا اعراب واو کے ساتھ (حالت رفعی میں) اور الف کے ساتھ (حالت نصبی میں) اور یاء کے ساتھ (حالت جری میں)۔

مختصر تشریح

اعراب بالحروف کی پہلی صورت: رفع واو سے، نصب الف سے اور جر یاء سے، یہ اعراب چھ اسموں کا ہے، وہ یہ ہیں۔

(۱) اب (۲) اخ (۳) حم (جیٹھ، دیور) (۴) ھن (مرد یا عورت کی آگے کی شرمگاہ) (۵) فم (منہ) (۶) ذو (والا)، ان چھ اسموں میں جب تین شرطیں پائی جائیں تو یہ اعراب آئے گا۔

شرطِ اول: وہ مفردہ ہوں، تثنیہ، جمع نہ ہوں (اگر تثنیہ، جمع ہوں گے تو ان پر تثنیہ، جمع کا اعراب آئے گا)۔

دوسری شرط: وہ مکبّرہ ہوں، مُصَغَّرہ نہ ہوں (اگر مصغر ہونگے تو ظاہری حرکت سے اعراب آئے گا)

تیسری شرط: وہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں (مصنف نے یہی شرط ذکر کی ہے) اگر یہ اسماء مضاف نہ ہوں، تو ظاہری حرکت سے اعراب آئے گا اور جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو غلامی کی طرح تینوں اعراب تقدیری ہوں گے۔ جیسے جاء ابوک الخ، رایت اباک الخ، مررت بابیک الخ

فائدہ: حم: جیٹھ، دیور: یہ رشتہ دار صرف عورت کے ہوتے ہیں، اس لئے کاف پر صرف کسرہ آئے گا۔ مرد کے سالے، سالیاں ختن اور ختنۃ کہلاتے ہیں۔ فم پر یہ اعراب اس وقت آئے گا جب اس کی میم حذف کردی جائے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اعراب بالحرکت (لفظی) کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اعراب بالحروف (لفظی) کو بیان کرنا ہے۔

سوال: اعراب بالحروف (لفظی) کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اعراب بالحروف (لفظی) کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اسماء ستہ مکبرہ (۲) تثنیہ (۳) جمع مذکر سالم۔

سوال: اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب کیا ہوگا؟

جواب: اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی میں الف کیساتھ اور حالت جری میں یاء کے ساتھ آتا ہے۔

سوال: اسماء ستہ کے حروف اصلیہ کیا ہیں؟

جواب: چھ اسموں میں سے چار اسم (أب، أخ، حم، هن) ناقص واوی ہیں، جو اصل میں ارض کے وزن پر ابو، اخو، حمو، هنو تھے۔

سوال: معلوم کیسے ہوا؟

جواب: ان کی اصل پر قرینہ ہے کہ ان کا تثنیہ ابوان، اخوان، حموان، هنوان آتا ہے، معتل کے قانون سے واؤ کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دی گئی، پھر اجتماع ساکنین سے واؤ گر گیا۔

جیسے اخ اصل میں اَخَوٌ تھا، معتل کے قاعدہ سے واو کی حرکت نقل کر کے خ کو

دی، اب اخُون ہوا، واواورنون دوساکن جمع ہوئے واوکوگرادیاأخ ہوگیا۔

فائدہ: کبھی اجتماع ساکنین کے بغیر بھی واؤ گرادیتے ہیں چنانچہ ماتن نے مجرورات کے بیان میں لکھا ہے اما الاسماء الستہ فاخی وابی و تقول حمی وھنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع ساکنین کے بغیر بھی واؤ گرادیتے ہیں۔

(۵)فم: یہ اجوف واوی ہے۔

سوال: معلوم کیسے ہوا؟

جواب: دراصل فم، فوہ تھا۔

سوال: فم اصل میں فوہ تھا اس کا پتہ کیسے چلا؟

جواب: فم اصل میں فوہ تھا، اس کا پتہ اس طرح چلا کہ اسکی جمع افواہ آتی ہے، خلاف قیاس (ہ) محذوف ہوگئی تو ''فُوْ'' رہ گیا۔

سوال: فم کیسے ہوا؟

جواب: جب فو مضاف نہ ہوتو واوکو، وجوبا میم سے بدلتے ہیں۔ اور اگر مضاف ہوتو میم سے بدلنا اور نہ بدلنا دونوں طریقے جائز ہیں۔

فائدہ: شاید واوکو میم سے اس لئے بدلا جاتا ہے کہ میم اور واو دونوں قریب المخرج ہیں۔

(۶)ذو: یہ لفیف مقرون ہے۔

سوال: معلوم کیسے ہوا؟

جواب: ذو کی اصل ذوو تھی، بغرض تخفیف خلاف قیاس ایک واوکوگرادیا توذو ہوگیا۔

فائدہ: ذو میں ذال کی حرکت، حرکت اعرابیہ کے تابع ہوتی ہے، اسی وجہ سے ذومال، ذامال اور ذی مال پڑھا جاتا ہے۔

فائدہ: ذو کا مؤنث ذات ہے، جو اصل میں ذوات تھا اور تثنیہ مؤنث ذواتا آتا ہے اور جمع مذکر سالم ذَوون اور ذَوین آتا ہے۔

سوال: چار اسم (اب، اخ، حم، هن) جو ناقص واوی ہیں، انہیں باقی دو اسموں (فم، ذو) جو اجوف ولفیف ہیں، ان پر کیوں مقدم کیا؟

جواب: (۱) چار اسم (اب، اخ، حم، هن) جو ناقص واوی ہیں، ان میں حرف کا حذف ہونا قیاس کے مطابق ہے اور جو اجوف (فم) یا لفیف (ذو) ہیں، ان میں ایک ایک حرف خلاف قیاس حذف ہوا ہے، اس لئے جو قیاس کے مطابق ہیں انہیں مقدم کیا۔

(۲) ناقص کثیر ہیں کیونکہ چار ہیں اور اجوف اور لفیف قلیل ہیں کیونکہ دو ہیں اور قلیل کے مقابلے میں کثیر کی عزت ہوتی ہے، اس لئے ناقص کو اجوف اور لفیف پر مقدم کیا۔

سوال: ان اسماء کو اسمائے ستہ مکبرہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ان اسماء کو ستہ تو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اسماء چھ ہیں اور مکبرہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مصغرہ نہیں ہیں۔

سوال: اسمائے مکبرہ تو کثیر ہیں، ان میں سے ان چھ کا انتخاب کیوں؟

جواب: اسمائے مکبرہ تو کثیر ہیں، ان میں سے ان چھ کا انتخاب اس لئے ہے کہ ان کی مشابہت تثنیہ اور جمع (جو مفرد کی فرع ہے) کے ساتھ پائی جاتی ہے اور تثنیہ وجمع کی اعراب کے اعتبار سے چھ حالتیں ہیں، ہر ایک کے مقابل ایک مکبرہ منتخب کیا۔

سوال: اسمائے ستہ مکبرہ کی مشابہت تثنیہ اور جمع کے ساتھ کیسے؟

جواب: اسمائے ستہ مکبرہ کی مشابہت تثنیہ اور جمع کے ساتھ لفظی اور معنوی

دونوں طرح ہیں۔

سوال: لفظاً مشابہت کیسے؟

جواب: لفظاً مشابہت اس طرح ہے کہ تثنیہ اور جمع کے اخیر میں حرف علت ہوتا ہے، اسی طرح ان اسمائے کے اخیر میں بھی حرف علت ہے۔

سوال: معناً مشابہت کیسے؟

جواب: معناً مشابہت اس طرح ہے کہ تثنیہ وجمع میں دو کے معنی ہوتے ہیں، اسی طرح ان اسماء میں بھی دو کے معنی پائے جاتے ہیں، جیسے اب کہیں گے تو باپ کے ساتھ بیٹا ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

سوال: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب کیا ہے؟

جواب: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب حالت رفعی میں واو کے ساتھ، حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں یا کے ساتھ آتا ہے جیسے جائنی ابوک، رایت اباک، مررت بابیک۔

سوال: اسمائے ستہ مکبرہ کا یہ اعراب مطلقا ہے؟

جواب: اسمائے ستہ مکبرہ کا یہ اعراب مطلقاً نہیں ہے بلکہ کچھ شرائط ہیں۔

سوال: وہ شرائط کیا ہیں؟

جواب: وہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

(۱) مکبرہ ہوں (۲) موحدہ ہوں (۳) مضاف ہوں (۴) یاء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں۔

سوال: مکبَّرہ کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: مکبَّرہ کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر یہ اسماء مصغَّرہ ہوں گے تو دو صورتیں ہوگی (۱) یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں گے (۲) بغیر اضافت کے ہوں گے۔

اگر یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب تقدیری ہوگا جیسے جاء اَبِی، رأیت اَبِی، مررت باَبِی۔

اور اگر بغیر اضافت کے ہوں گے تو اعراب مفرد منصرف کے مانند ہوتا ہے۔

سوال: مُوَحدہ (مفردہ ہونا) کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: اگر اسماءِ ستہ مکبرہ تثنیہ اور جمع ہوں تو تثنیہ اور جمع کا اعراب آئے گا ،حالت رفعی میں الف اور نصبی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ۔

سوال: مضاف کی قید کیوں لگائی؟

جواب: اگر مضاف نہ ہوں تو مفرد منصرف جیسا اعراب آئے گا، جیسے جاء اب، رأیت ابا، مررت باب۔

سوال: یاءِ متکلم کی طرف مضاف نہ ہوں یہ قید کیوں لگائی؟

جواب: اگر یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہوں تو تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری آئے گا۔ اور اس جگہ مصنف کا مقصد اعراب بالحروف کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مصنفؒ نے چار شرطوں میں سے اول دو شرطیں (مکبرہ، موحدہ) بیان نہیں کی تیسری اور چوتھی (مضاف ہو اور یاءِ متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہونا) شرط بیان کیوں کی؟

جواب: اول دو شرطیں مکبرہ اور موحدہ مثالوں سے واضح تھی اور تیسری اور چوتھی شرط واضح نہیں تھی اس لئے اس کو بیان کیا۔

سوال: اسماءِ ستہ مکبرہ میں پانچ میں (ک) خطاب لائے اور ذو میں اسم ظاہر لائے؟

جواب: ذو کو واضع نے وضع کیا ہے اسم جنس کو موصوف کی صفت بنانے کے لئے اور اسم جنس اسم ظاہر ہوتا ہے اس لئے ذو میں اسم ظاہر لائے، کاف خطاب نہیں

لائے۔

سوال: ابوک، اخوک، ھنوک تمام میں کاف خطاب مذکر لائے اور حموک میں کسرہ کے ساتھ مؤنث لائے؟

جواب: حم کے معنی دیور کے ہیں اور اس کا تعلق عورت کے ساتھ ہے اور حم عورت کے اس رشتہ کو کہتے ہیں جو شوہر کی جانب سے ہو جیسے عورت کا سسر، عورت کی ساس، عورت کا دیور، عورت کی نند، عورت کا سوتیلا بیٹا، عورت کی سوتیلی بیٹی۔ اس لئے (ک) خطاب مؤنث کا استعمال کسرہ کے ساتھ کیا۔

سوال: اسماء ستہ مکبرہ کو اعراب بالحروف کیوں دیا حالانکہ یہ مفرد ہیں اب، حم، وغیرہ اعراب بالحرکت دینا چاہیئے؟

جواب: (۱) اگر ہر جگہ اصل کا اعتبار کر کے فرع کو تابع کر دیں گے، تو اصل اور فرع کے درمیان اجنبیت بڑھ جائے گی، اجنبیت کو دور کرنے کے لئے اصل کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اس کو اعراب بالحروف کا اعراب دیا۔

(۲) اعراب بالحرکت، اصل ہے، لیکن ضعیف ہے اعراب بالحروف کے مقابلہ میں، اس لئے کہ ہر حرف علت دو حرکت کے مقابل ہوتا ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ کا قول مضافة الی غیر یاء المتکلم غلط ہے کیونکہ ذو ہمیشہ اسم جنس ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے اور غیر یاء متکلم عام ہے ضمیر غائب، ضمیر مخاطب، اور ضمیر متکلم کو بلکہ ہر اسم ظاہر کو بھی عام ہے؟

جواب: اسم جنس کے علاوہ کسی دوسرے اسم کی طرف ذو کا مضاف ہونا شاذ ہے، لہذا یاء متکلم کے علاوہ کسی ضمیر کی طرف مضاف ہو یا اسم جنس کے علاوہ کسی دوسرے اسم ظاہر کی طرف اضافت ہو یہ اگرچہ فصاحت کے خلاف ہوگا لیکن اس صورت میں بھی اس کا رفع واؤ سے اور نصب الف سے اور جر یاء سے ہی ہوگا۔

سوال: مصنفؒ کا یہ قول بالواؤ والالف والیاء غلط ہے کیونکہ مصنف نے اس سے پہلے جو اسماء لکھے ہیں ان سب میں واؤ موجود ہے تو اس کے ہوتے ہوئے رفع کی حالت میں دوسرا واو اور نصب کی حالت میں الف اور جر کی حالت میں یاء کیسے آسکتے ہیں اسی طرح صاحب کافیہؒ کا قول مضافة الی غیر یاء المتکلم بھی غلط ہے کیو ں کہ مصنفؒ نے جو اسماء اس سے پہلے لکھے ہیں وہ سب مضاف ہیں تو ان سب کے مضاف ہوتے ہوئے پھر وہ غیر یاء متکلم کی طرف مضاف کیسے ہوں گے؟

جواب: (۱): الفاظ مذکورہ اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ مراد نہیں ہیں بلکہ انکی انواع مراد ہیں جن کو اسماء ستہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اسی جواب: کی طرف ملا جامی قدس سرہ السامی نے ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے۔

فاعراب هذه الاسماء الستة بالواؤ رفعا والالف نصبا والیاء جرا۔

(۲) بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ عبارت میں حذف ہے تقدیری عبارت ہے۔

ابوک، واخوک، وحموک، وهنوک، وفوک، و ذومال مضافة الی غیر یاء المتکلم معربة انواع مضافاتها بالواؤ والالف والیاء۔

المثنی: و کلا مضافا الی مضمر، و اثنان، و اثنتان، بالالف، والیاء۔

ترجمہ: تثنیہ کلا درانحالیکہ ضمیر کی طرف مضاف ہو، اور اثنان اثنتان کا اعراب الف کے ساتھ (حالت رفعی میں) اور یاء کے ساتھ (حالت نصبی وجری میں) ہوتا ہے۔

مختصر تشریح

اعراب بالحروف کی دوسری صورت: رفع الف سے اور نصب و جر یاء ماقبل مفتوح سے۔

یہ اعراب تین اسموں کا ہے۔

(۱) تثنیہ کا (۲) مشابہ تثنیہ لفظی کا جو صرف دو لفظ ہے (۳) مشابہ تثنیہ معنوی کا یہ بھی صرف دو لفظ ہیں: کلا اور کلتا جبکہ وہ ضمیر کی طرف مضاف ہوں۔

(اور جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو اعراب بالحرکت آئے گا، مگر حرکت تقدیری ہوگی جیسے جاء کلا الرجلین)۔

جیسے جاء الرجلان، رایت الرجلین، مررت بالرجلین

جاء اثنان، رایت اثنین، مررت باثنین

جاء کلاھما، رایت کلیھما، مررت بکلیھما

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مثنی، کلا (معنیً مثنی) اور اثنان و اثنتان (صورۃ مثنی) کا اعراب بیان کرنا ہے۔

سوال: مثنی کی تعریف کیا ہے؟

جواب: وہ اسم ہے جو دو ہونے کو بتائے جیسے کتابان (دو کتابیں)۔

سوال: مثنی کس سے بنتا ہے اور کیسے بنتا ہے؟

جواب: مثنی مفرد سے بنتا ہے' مفرد میں الف نون، یا یاء نون لگا دو مثنی بن

جائے گا جیسے ھما کتابان' قرات کتابین۔

سوال: مثنی حقیقۃً ، کلا (معنی مثنی) اور اثنان و اثنتان (صورۃ مثنی) کا اعراب کیا آئے گا؟

جواب: مثنی، کلا (معنی مثنی) اور اثنان و اثنتان (صورۃ مثنی) کا اعراب حالت رفعی میں الف کے ساتھ حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ آتا ہے۔

جیسے مثنی حقیقۃً کی مثال جاءنی رجلان رأیت رجلین مررت برجلین۔

کلا (معنی مثنی) کی مثال جیسے، جاءنی کلاھما، رأیت کلیھما، مررت بکلیھما۔

اثنان و اثنتان (صورۃ مثنی) کی مثال جیسے جاءنی اثنان ، رأیت اثنین، مررت باثنین۔

سوال: کلا (معنی مثنی) کا اعراب مطلقا آئے گا؟

جواب: کلا (معنی مثنی) کا اعراب مطلقا نہیں آئے گا بلکہ شرط کا لحاظ ضروری ہوگا۔

سوال: وہ شرط کیا ہے؟

جواب: کلا (معنی مثنی) کا اعراب اس وقت آئے گا جب کہ کلا اسم مضمر کی طرف مضاف ہو۔

سوال: کلا کی اضافت اسم ظاہر کی طرف ہوتو اس کا اعراب کیا آتا ہے؟

جواب: کلا کی اضافت اسم ظاہر کی طرف ہوتو اس کا اعراب، اعراب بالحرکت تقدیرا آتا ہے۔

جیسے جاءنی کلا الرجلین ، رأیت کلا الرجلین ، مررت بکلا

الرجلین

سوال: کلا کی اضافت اسم مضمر کی طرف ہوتو اعراب بالحروف کیوں آتا ہے، اور اسم ظاہر کی طرف ہوتو اعراب بالحرکت کیوں؟

جواب: دراصل کلا اور کلتا میں دو جہتیں ہیں (۱) مفرد ہونا لفظاً (۲) تثنیہ ہونا معنیً۔

اب دونوں کی رعایت مقصود ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ کلا لفظا مفرد ہے اور مفرد اصل ہے اور اس کے مناسب اسم ظاہر ہوگا کیوں کہ وہ اصل ہے اور اصل کا اعراب، اعراب بالحرکت آتا ہے اس لئے جب کلا کی اضافت اسم ظاہر کی طرف ہوگی تو لفظا کی رعایت میں اعراب بالحرکت دیا جائے گا۔

اور کلا معنی تثنیہ ہے اور تثنیہ مفرد کی فرع ہے اس کے مناسب اسم مضمر ہے کیوں کہ وہ فرع ہے اس لئے کہ اسم مضمر اسم ظاہر کی فرع ہے اور فرع کا اعراب، اعراب بالحروف آتا ہے اور کتاب میں اعراب بالحروف کو بیان کرنا ہے اس لئے کلا کے ساتھ مضافا الی مضمر کی قید لگائی۔

سوال: یہ دونوں اسم جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو رفع، نصب اور جر تینوں حالتوں میں ایک ہی طرح پڑھے جاتے ہیں مثلا جاءنی کلا الرجلین و رأیت کلا الرجلین و مررت بکلا الرجلین لہذا تینوں حالتوں میں ایک ہی طرح پڑھنا غلط ہے اس لئے کہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہونے پر ان دونوں اسموں کا اعراب، اعراب بالحرکت ہوتا ہے؟

جواب: اعراب بالحرکت عام ہے خواہ لفظی ہوں یا تقدیری۔

اور اس جگہ تینوں حالتوں میں رفع کی حالت میں ضمہ تقدیری، نصب کی حالت میں فتحہ تقدیری، اور جر کی حالت میں کسرہ تقدیری ہے، جس طرح اسماء مقصورہ کا

اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔

سوال: اثنان اور اثنتان مذکر اور مونث دونوں صیغے استعمال کئے اور کلا اور کلتا میں صرف مذکر کا صیغہ استعمال کیا، مؤنث کا استعمال نہیں کیا؟

جواب: کلا یہ مذکر ہے کلتا یہ مونث ہے اور مونث یہ مذکر کی فرع ہوتی ہے، جب مذکر کو ذکر کیا تو اس کے ماتحت مؤنث داخل ہو گیا۔

سوال: اثنان مذکر ہے اثنتان مؤنث ہے، اثنان کے ماتحت داخل ہو جاتا تو پھر اس کو الگ سے کیوں ذکر کیا؟

جواب: (۱) اثنان اور اثنتان یہ عدد کے قبیل سے ہے اور عدد کے باب میں تذکیر و تانیث کا حکم الگ ہوتا ہے جیسا کہ اسمائے عدد میں تفصیل آئے گی۔

جمع المذکر السالم، والو، وعشرون واخواتها: بالواو، والیاء۔

ترجمہ: جمع مذکر سالم، الو، اور عشرون اور اس کے اخوات کا اعراب واو (ماقبل مضموم) کے ساتھ (حالت رفعی میں) اور یاء (ماقبل مکسور) کے ساتھ (حالت نصبی وجری میں) ہوتا ہے۔

مختصر تشریح

اعراب بالحروف کی تیسری صورت: رفع واو ماقبل مضموم سے اور نصب وجر یاء ماقبل مکسور سے: یہ اعراب بھی تین اسموں کا ہے:

(۱) جمع مذکر سالم۔

(۲) مشابہ جمع لفظی کا: یہ عشرون سے تسعون تک آٹھ دہائیاں ہیں۔

(۳) مشابہ جمع معنوی کا: یہ صرف اُولُوْ ہے جو ذو کی جمع ہے۔

جیسے: جاء مسلمون، رایت مسلِمِیْن، مررت بمسلِمِیْن

جاء عشرون، رایت عشرِیْن، مررت بعشرِیْن

جاء اولو مال، رایت اولِیْ مال، مررت باولِیْ مال۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: جمع مذکر سالم اور اولو، عشرون کا اعراب بیان کرنا ہے۔

سوال: جمع مذکر سالم اور اولو، عشرون کا اعراب حالت رفعی میں واو، نون کے ساتھ اور حالت نصبی وجری میں یا ماقبل مکسور اور نون کے ساتھ آتا ہے۔

اولو یہ معنیً جمع ہے۔

سوال: اولو یہ معنیً جمع کیسے ہے؟

جواب: اولو یہ معنیً جمع اس طرح ہے کہ اس کا مفرد نہیں آتا حالاں کہ جمع مذکر سالم اسے کہتے ہیں جس کے مفرد کے اخیر میں واو ماقبل مضموم اور یاء ماقبل مکسور بڑھایا گیا ہو۔

عشرون صورۃً جمع ہے۔

سوال: عشرون صورۃً جمع کیوں؟

جواب: جمع مذکر سالم کہتے ہیں جس کے مفرد کے اخیر میں واو ماقبل مضموم اور یاء ماقبل مکسور ہو اور عشرون کا مفرد نہیں آتا۔

سوال: عشرون کا مفرد عشرٌ آتا ہے؟

جواب: عشرون کا مفرد عشر نہیں ہے اس لئے کہ عشر کی جمع عشرون مانے اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین افراد پر ہوتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ

عشرون کا ترجمہ تیس ہو، حالاں کہ ترجمہ بیس ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عشرون یہ عشر کی جمع نہیں ہے۔

سوال: تثنیہ اور جمع میں نصب کو جر کے تابع کیوں کر دیا گیا، رفع کے تابع کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: تثنیہ اور جمع میں نصب کو جر کے تابع کیا اور رفع کے تابع نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نصب کو جر سے مناسبت ہے۔

سوال: نصب کی جر کے ساتھ مناسبت کیسے ہے؟

جواب: نصب کی جر کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں (نصب اور جر) فضلہ کی علامتیں ہیں، اس وجہ سے نصب کو جر کے تابع کیا۔

سوال: نصب کی رفع کے ساتھ مناسبت کیوں نہیں؟

جواب: نصب کی رفع کے ساتھ مناسبت اس لئے نہیں کہ رفع عمدہ کی علامت ہے اور نصب یہ فضلہ کی علامت ہے۔

سوال: تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف کیوں دیا؟

جواب: تثنیہ اور جمع فرع ہیں اور فرع کے مناسب اعراب بالحروف ہے، اس لئے تثنیہ و جمع کو اعراب بالحروف دیا گیا۔

سوال: تثنیہ میں حالت رفعی میں الف اور جمع مذکر سالم میں حالت رفعی میں واؤ اور تثنیہ میں حالت نصبی و جری میں یاء ماقبل مفتوح اور جمع مذکر سالم میں یا ماقبل مکسور یہ ترتیب کیوں؟

جواب: تثنیہ اور جمع دونوں کی تین تین حالتیں ہیں، کل چھ حالتیں ہوگئی اور اعراب بالحروف یہ تین ہیں اور تین کو چھ حالتوں میں تقسیم کرنا ہے چنانچہ الف کو تثنیہ میں حالت رفعی کو دے دیا اور واو جمع مذکر سالم میں حالت رفعی میں دے دیا۔

سوال: حالت رفعی میں الف تثنیہ کو کیوں دیا؟

جواب: حالت رفعی میں الف تثنیہ اس لئے دیا کہ فعل کے تثنیہ میں بھی الف آتا ہے جیسے: یضرب، یضربان اور جمع مذکر سالم میں حالت رفعی میں واؤ اس لئے دیا کہ فعل کے جمع میں واؤ آتا ہے جیسے: یضربون۔

اب "یاء" باقی رہی اور چار حالتیں (تثنیہ کی دو حالتیں، جمع کی دو حالتیں) باقی رہیں، اس لئے "یاء" چار حالتوں میں دے دی گئی اور دونوں میں فرق کرنے کے لئے تثنیہ میں یا کا ماقبل مفتوح اور جمع میں یا کا ماقبل مکسور کر دیا۔

سوال: اس کے برعکس کیوں نہیں کیا کہ تثنیہ میں یاء ماقبل مکسور اور جمع مذکر سالم میں یاء ماقبل مفتوح رکھتے ایسا کیوں کیا؟

جواب: تثنیہ کے افراد زیادہ ہیں اور جس کے افراد زیادہ ہوتے ہیں وہ تخفیف کو چاہتا ہے اور فتحہ اخف الحرکت ہے اور جمع کے افراد قلیل ہے۔

سوال: جمع کے افراد قلیل کیوں؟

جواب: جمع مذکر سالم کے شرائط زیادہ ہیں اور جس کے شرائط زیادہ ہوتے ہیں، اس کے افراد کم ہوتے ہیں اور جس کے افراد زیادہ ہوتے ہیں اس کے شرائط کم ہوتے ہیں۔

التقدیر : فیما تعذر : کعصا و غلامی : مطلقا و استثقل، کقاض: رفعا وجرا ونحو مسلمی: رفعا و اللفظی فیما عداہ۔

ترجمہ: تقدیری اعراب اس میں جس میں اعراب لفظی یا تو متعذر رہو جیسے عصا اور غلامی مطلقا یا دشوار ہو جیسے قاض حالت رفعی و جری میں اور

جیسے مسلمی حالت رفعی میں، اور اعراب لفظی اس میں جو اس کے علاوہ ہو۔

مختصر تشریح

اعراب تقدیری کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اعراب تقدیری کی پہلی صورت: تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے، مطلقا کا یہی مطلب ہے۔ یہ اعراب دو اسموں کا ہے۔

(۱) اسم مقصور کا جیسے ھذا موسیٰ، رایت موسیٰ، مررت بموسیٰ۔

(۲) جمع مذکر سالم کے علاوہ کسی بھی اسم کا جب کہ وہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہو۔ جاء غلامی، رایت غلامی، مررت بغلامی۔

اور ان کا اعراب مطلقاً تقدیری اس لئے ہے کہ ان میں اعراب کا ظاہر ہونا متعذر (ناممکن) ہے۔ فیما تعذر میں مطلقا اعراب تقدیری ہونے کی وجہ بیان کی ہے۔

(۲) اعراب تقدیری کی دوسری صورت: رفع اور جر تقدیری ہوتا ہے اور نصب لفظی آتا ہے یہ اعراب اسم منقوص کا ہے، اسم منقوص: وہ اسم ہے جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو جیسے قاضی۔ جاء القاضی، رایت القاضی، مررت بالقاضی۔

اس قسم میں دو اعراب تقدیری اس لئے ہیں کہ یاء پر ضمہ اور کسرہ ثقیل ہیں (آ تو سکتے ہیں؛ لیکن بھاری ہیں) اس لئے ظاہر نہیں ہوتے اور زبر ہلکا اعراب ہے اس لئے ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) اعراب تقدیری کی تیسری صورت: رفع واو تقدیری سے اور نصب وجر یاء ماقبل مکسور لفظی کے ذریعہ۔ یہ اعراب جمع مذکر سالم کا ہے جب کہ وہ یائے متکلم کی

طرف مضاف ہو۔ جیسے جاء مسلمیّ، رایت مسلمیّ، مررت بمسلمیّ۔

حالت رفعی میں مسلمیّ میں جمع کا واو یاء ہو گیا ہے، اس لئے یہ اعراب تقدیری ہے اور حالت نصبی و جری میں جمع کی یاء موجود ہے اس لئے یہ اعراب لفظی ہے۔ حالت رفعی میں مسلمیّ کی اصل مسلمون ی ہے، جمع کا نون اضافت کی وجہ سے گرا، پھر واو کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کر دیا اور ی کی مناسبت سے میم کے پیش کو زیر سے بدلا، اس طرح جمع کا واو، یاء سے بدل گیا اس لئے یہ اعراب تقدیری ہے اور حالت نصبی و جری میں مسلمیّ کی اصل مسلمین ی ہے، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا اور یاء کا یاء میں ادغام کیا۔ پس جمع کی یاء اصلی حالت میں موجود ہے اس لئے یہ اعراب لفظی ہوا۔

فیما عداہ میں (ہ) ضمیر رفعا کی طرف لوٹتی ہے اس کا مطلب حالت رفعی کے علاوہ باقی دو صورتوں میں (حالت نصبی وجری) میں اعراب لفظی ہے۔

اور ایک ضعیف احتمال یہ بھی ہے کہ ضمیر کا مرجع التقدیر ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں جو اعراب تقدیری ہیں وہ تو ہیں باقی لفظی ہے پس دوسری صورت میں حالت نصبی میں جو قاضی پر اعراب ظاہر ہے، اس کی طرف اشارہ ہو گیا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اعراب تقدیری کے مواقع کو بیان کرنا ہے۔

سوال: اعراب تقدیری کسے کہتے ہیں؟

جواب: اعراب تقدیری اس اعراب کو کہتے ہیں کہ جس کا تلفظ نہ کیا جا سکے۔

سوال: اعراب تقدیری کے کتنے مواقع ہیں اور کون کون سے؟

جواب: اعراب تقدیری کے چار مواقع ہیں (۱) عصا (۲) غلامی (۳) قاض (۴) مسلِمِی ۔

سوال: ان کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ان میں سے اول دو مواقع ایسے ہیں، جن میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے اور دوسرے دو مواقع، جن میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری نہیں ہوتا۔

وہ دو حالتیں جن میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے۔ (۱) عصا (۲) غلامی ہے۔

سوال: عصا سے کیا مراد ہے؟

جواب: (۱) عصا سے ہر ایسا اسم مراد ہے، جس کے اخیر میں الف مقصورہ ہو جیسے جاء موسی رایت موسی اور مررت بموسی۔

سوال: اسم مقصور میں اعراب تقدیری کیوں آتا ہے؟

جواب: اعراب کا آنا ہی متعذر ہے۔

سوال: اعراب کا آنا کیوں متعذر ہے؟

جواب: اعراب کا آنا اس لئے متعذر ہے کہ اسم مقصور کہتے ہیں ایسے اسم کو جس کے اخیر میں الف مقصورہ آئے اور الف مقصورہ حرکت کو قبول نہیں کرتا، اس لئے کہ اگر حرکت دیں گے تو الف، الف نہیں رہتا بلکہ ہمزہ ہو جاتا ہے۔

سوال: غلامی سے کیا مراد ہے؟

جواب: غلامی سے ہر ایسا اسم مراد ہے جو غیر جمع مذکر سالم ہو اور جس کی یاءِ متکلم کی طرف اضافت کی گئی ہو جیسے: غلامی۔

سوال: غلامی میں اعراب تقدیری کیوں؟

جواب: غلامی میں اعراب تقدیری اس لئے آتا ہے کہ غلامی میں ''میم'' جو غلام کا آخری حرف ہے، اس پر اعراب کالانا متعذر ہے، اس لئے کہ اگر اس پر ضمہ کا اعراب حالت رفعی میں اور فتحہ کا اعراب حالت نصبی میں لائیں گے تو ایک ہی حرف پر دو حرکتوں کا جمع ہونا لازم آئے گا (۱) اعراب کی حرکت (۲) یا کی مناسبت سے کسرہ گویا ایک ہی حرف پر دو اعراب آئیں گے جس کا پڑھنا متعذر ہے، اور حالت جری میں بھی ایک حرف پر دو کسرے لازم آئیں گے (۱) اعراب کی حرکت کا کسرہ (۲) یا کی مناسبت سے کسرہ، گویا ایک ہی حرف پر دو الگ الگ جہت سے کسرہ آتا ہے، جس کا پڑھنا متعذر ہے۔

سوال: غلامی کے ساتھ مطلقاً کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مصنف نے مطلقا کی قید لگا کر اپنے مختار قول کی طرف اشارہ کیا۔

دراصل غلامی یہ معرب ہے کہ مبنی ہے اس میں اختلاف ہے، ایک جماعت اس کو معرب پڑھتی ہے اور ایک جماعت اس کو مبنی پڑھتی ہے۔

سوال: جو جماعت اس کو معرب پڑھتی ہے ان کی دلیل کیا ہے؟

جواب: جو جماعت اس کو معرب پڑھتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ غلامی میں گو اعراب ظاہر نہیں ہوتا، لیکن اس کے تثنیہ میں اعراب ظاہر ہوتا ہے جیسے: غلامانی تو اسی طرح مفرد بھی مقدر ہوگا۔

سوال: جو جماعت مبنی پڑھتی ہے، ان کی دلیل کیا ہے؟

جواب: غلامی میں غلام کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو رہی ہے اور یاء مبنی ہے تو غلام بھی مبنی ہوگا۔

اب جو حضرات معرب پڑھتے ہیں ان میں دو فریق ہو گئے (۱) تینوں

حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا (۲) دوحالتوں (رفعی، نصبی) میں اعراب تقدیری ہوگا اور حالت جری میں لفظی ہوگا۔

مصنفؒ نے غلامی کے بعد مطلقاً کہا تو اس سے اپنے قول مختار کو بیان کیا اور ساتھ میں فریق اول کے قول کو راجح قرار دیا۔

سوال: فعل ماضی، امر حاضر معروف اور حروف پر اعراب متعذر بلکہ ممتنع ہے، لیکن ان میں اعراب تقدیری نہیں ہوتا؟

جواب: ما اسمیہ سے اسم مراد ہے اور آپ کا سوال فعل کو لے کر ہے۔

سوال: متعذر اس کو کہتے ہیں جس کا حصول دشواری کے ساتھ ممکن ہو اور جس کا حصول کسی طرح ممکن نہ ہو اس کو ممتنع اور محال کہتے ہیں، عصا کے اخر میں چونکہ الف مقصورہ ہے، اس لئے اس میں اعراب کا حصول ممکن نہیں بلکہ محال ہے، اسی طرح غلامی میں بھی اعراب کا حصول محال ہے، لہذا مصنفؒ کو تعذر کی جگہ امتنع کہنا چاہیئے تھا؟

جواب: یہاں پر متعذر سے مراد ممتنع ہے، جس پر مصنفؒ کا قول أو استثقل قرینہ ہے۔

سوال: غلامی میں آپ غلام کی رعایت نہیں کرتے بلکہ آپ یاء کی رعایت کرتے ہیں؟

جواب: غلامی بلا عامل مفرد کے حکم میں ہے اور عامل کے ساتھ مرکب کے حکم میں ہے اور مفرد یہ مرکب پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے عامل کی رعایت نہیں کی یاء کی رعایت کی۔

اب وہ صورتیں جن میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری نہیں ہوتا وہ دو ہیں۔

(۱)قاضٍ (۲)مسلمی

سوال: قاضٍ سے کیا مراد ہے؟

جواب: قاضٍ سے ہر ایسا اسم مراد ہے جس کے اخیر میں یاء ساکن ماقبل مکسور ہو۔

سوال: اس کا اعراب کیا آتا ہے؟

جواب: اس کا اعراب حالت رفعی اور جری میں تقدیری ہوگا اور حالت نصبی میں لفظی ہوگا جیسے جائنی القاضی، رایت القاضی، مررت بالقاضی۔

سوال: حالت رفعی وجری میں اعراب تقدیری کیوں ہوتا ہے؟

جواب: ثقالت کی وجہ سے حالت رفعی وجری میں اعراب تقدیری ہوتا ہے اور حالت نصبی میں پڑھنے میں دشواری نہیں ہے، اس لئے کہ فتحہ اخف الحرکت ہے۔

سوال: مسلمی سے کیا مراد ہے؟

جواب: مسلمی سے ہر ایسی جمع مذکر سالم مراد ہے جس کی ، یاءِ متکلم کی طرف اضافت ہو، اس کا اعراب حالت رفعی میں ضمۂ تقدیری ہوگا اور نصبی وجری میں لفظی آئے گا۔

سوال: جمع مذکر سالم کی ، یاء متکلم کی طرف اضافت ہو تو حالت رفعی میں ضمۂ تقدیری ہوگا اس کی علت کیا ہے؟

جواب: جمع مذکر سالم کی، یاء متکلم کی طرف اضافت ہو تو حالت رفعی میں ضمۂ تقدیری ہونے کی علت ثقالت ہے۔

سوال: مُسلِمِیَّ کی اصل کیا ہے؟

جواب: مُسلِمِیَّ کی اصل مُسلِمُوْنَیَ تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، مُسلِمُوْیَ ہو گیا، اب معتل کے قانون سے کہ واو اور یا دونوں ایک جگہ جمع ہوئے

اوران دونوں میں پہلا واؤ ساکن ہے تو واؤ کو یاء سے بدل دیا، پھر مضاعف کے قاعدہ سے یاء کا یاء میں ادغام کیا اب مسلمُیَّ ہوا پھر یا کی مناسبت سے میم کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا مسلمِیَّ ہو گیا۔

و اللفظی فی ما عداہ۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ ہے کہ تعذر اور تثقل کے علاوہ میں اعراب لفظی ہوگا۔

سوال: اعراب لفظی اصل ہے اور اعراب تقدیری اس کی فرع ہے تو اصل پر فرع کو کیوں مقدم کیا اور اعراب لفظی سے پہلے اعراب تقدیری کو کیوں بیان کیا؟

جواب: اعراب لفظی کے مواضع کثیر ہیں اور اعراب تقدیری کے مواضع قلیل ہیں اس لئے مصنفؒ نے اعراب تقدیری کے مواضع بتا کر یہ لکھ دیا واللفظی فی ما عداہ اگر اس کے برعکس کرتے تو کلام زیادہ طویل ہو جاتا۔

غیر المنصرف

غیر المنصرف: ما فیہ علتان من تسع أو واحدۃ منھا تقوم مقامھما و ھی شعر:

عدل و وصف و تانیث و معرفۃ، و عجمۃ ثم جمع ثم ترکیب

و النون زائدۃ من قبلھا الف، و وزن الفعل و ھذا القول تقریب

مثل: عمر و احمر و طلحۃ و زینب و ابراھیم و مساجد

و معدیکرب و عمران و احمد۔

غیر منصرف

ترجمہ: غیر منصرف وہ اسم ہے جس میں نو (۹) اسباب میں سے دو سبب یا ایک سبب پایا جائے جو دو سببوں کے قائم مقام ہو اور وہ (۹) سبب اس شعر میں مذکور ہے، شعر

عدل، وصف، تانیث، معرفۃ عجمۃ پھر جمع پھر ترکیب

اور نون درانحالیکہ اس سے پہلے الف زائد ہو اور وزن فعل اور یہ قول مجازی ہے۔

جیسے: عمر، احمر، طلحۃ، زینب، ابراھیم، مساجد، معدیکرب، عمران، احمد،

مختصر تشریح

غیر منصرف کا بیان

غیر منصرف: وہ اسم ہے جس میں نو (۹) اسباب میں سے دو سبب پائے جاتے ہوں یا ان میں کوئی ایسا ایک سبب ہو جو دو (۲) کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور وہ نو اسباب ان دو شعروں میں جمع ہیں: عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ: اور عجمہ پھر جمع پھر ترکیب: اور نون: جس سے پہلے الف زائد ہو: اور وزن فعل اور یہ قول (یہ اشعار) نزدیک کرنا ہے (ذہنوں سے، ان کو آسانی سے یاد کیا جاتا ہے)۔ پھر بالترتیب مثالیں ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد غیر منصرف کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

سوال: منصرف اصل ہے اس کی تفصیل بیان کرنی چاہئے؟

جواب: غیر منصرف کی تعریف وجودی ہے اور منصرف کی تعریف عدمی ہے اور وجودی تعریف، عدمی تعریف پر مقدم ہوتی ہے اس لئے غیر منصرف کی تعریف بیان کی۔

(۲) غیر منصرف کے افراد قلیل ہیں بمقابل منصرف کے، اس لئے جب غیر منصرف کی تعریف کی جائے گی تو منصرف کی تعریف خود بخود سمجھ میں آجائے گی اس لئے غیر منصرف کی تعریف بیان کی۔

سوال: کس مناسبت سے غیر منصرف کی تعریف بیان کی؟

جواب: اسم متمکن میں غیر منصرف کا تذکرہ اجمالا آیا تھا، اب تفصیلا غیر منصرف کا تذکرہ فرمارہے ہیں، اس مناسبت سے غیر منصرف کا تذکرہ کیا۔

سوال: غیر منصرف کی تعریف کیا ہے؟

جواب: غیر منصرف کہا جاتا ہے ایسے اسم کو جس میں دو سبب یا ایک ایسا سبب، جو دو سبب کے قائم مقام ہو پایا جائے۔

سوال: ضَرَبَتْ (واحد مونث غائب) میں دو سبب پائے جاتے ہیں (وزن فعل، تانیث لفظی) تو اس کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے؟

جواب: منصرف اور غیر منصرف کا تعلق اسم کے ساتھ ہوتا ہے فعل کے ساتھ نہیں ہوتا ہے اور ضَرَبَتْ یہ تو فعل ہے۔

سوال: حضارِ میں دو سبب (علم، تانیث معنوی) پائے جاتے ہیں، تو

اس کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے؟

جواب: منصرف اور غیر منصرف کا تعلق اسم معرب کے ساتھ ہے اور حضارِ یہ تو اسم مبنی ہے۔

سوال: اسباب منع صرف کتنے ہیں؟

جواب: اسباب منع صرف کی تعداد میں اختلاف ہے۔

(۱) بعض حضرات نے اسباب منع صرف کی تعداد (۹) بتائی ہے۔

(۲) بعض حضرات نے اسباب منع صرف کی تعداد (۱۱) بتائی ہے، ۹ کے ساتھ (۱) تانیث مشابہت (۲) نکرہ کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کرنا، ان دو کی زیادتی فرمائی ہے۔

(۳) بعض حضرات نے اسباب منع صرف کی تعداد (۲) بتائی ہے اور وہ یہ ہے (۱) حکایت فعل الی اسم (۲) ترکیب۔

سوال: اسباب منع صرف کتنے ہیں؟

جواب: اسباب منع صرف (۹) ہیں جن کو ابوسعید الانصاری نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔

عدل و وصف و تانیث و معرفة و عجمة ثم جمع ثم ترکیب

والنون زائدة من قبلها الف ووزن الفعل وهذا القول تقریب

شعر پر دو اشکال

سوال (۱): عدل، وصف، تانیث، معرفہ کے درمیان واؤ لائے اور واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ چاروں اکٹھے طور پر پائے جائیں تب وہ غیر منصرف کا سبب بنیں گے؟

جواب: حکم مقدم ہے، عطف مقدم نہیں ہے۔

سوال (۲): شعر میں ثم لائے اور ثم یہ تراخی کے لئے آتا ہے، مطلب یہ ہوا کہ جمع، ترکیب، وزن فعل اس کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ عدل، وصف، تانیث، معرفہ، نہ پائے جائیں؟

جواب: محافظت وزن شعر کے پیش نظر ثم کے لفظ کا استعمال کیا۔

سوال: کافیہ کی عبارت میں ھی مبتدا ہے جس کا مرجع تسع ہے اور خبر عدل وغیرہ میں سے ہر ایک ہے اس لئے یہ لازم آتا ہے کہ ہر ایک نو (۹) علتیں ہیں، نو (۹) علتیں عدل ہیں، اور نو (۹) علتیں وصف ہیں اور نو (۹) علتیں تانیث ہیں (و علی ھذا القیاس) اور یہ باطل ہے کیونکہ ہر ایک صرف ایک علت ہے نہ کہ نو (۹) علتیں؟

جواب: ہر ایک خبر نہیں ہے، بلکہ عدل کو تمام معطوفات سے ملانے کے بعد مجموعہ خبر ہے، عطف مقدم ہے اور اس پر کوئی شبہ نہیں کہ عدل، معطوفات سے مل کر نوع (۹) لتیں ہیں۔

سوال: جب ہر ایک خبر نہیں ہے بلکہ مجموعہ خبر ہے تو ہر ایک پر جدا جدا اعراب کیوں ہے صرف ایک اعراب مجموعہ کے آخر میں ہونا چاہئے تھا؟

جواب: مبتدا، باعتبار معنی متعدد ہے، لہذا خبر کے ہر ایک جز پر اعراب جاری کیا گیا۔

سوال: والنون زائدۃً میں زائدۃً منصوب کیوں ہے؟

جواب: والنون زائدۃً میں زائدۃً منصوب اس لئے ہے کہ زائدۃ جملہ کے مضمون سے حال واقع ہے اور حال منصوب ہوتا ہے، لہذا والنون زائدۃً میں زائدۃً منصوب ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ والنون زائدۃ اصل میں تمنع النون الصرف زائدۃ ہے گویا زائدۃ تمنع النون الصرف جو جملہ کا مضمون ہے اس سے حال واقع ہے۔

سوال: زائدۃٌ مرفوع کیوں ہے؟

جواب: زائدۃ کو مرفوع پڑھیں گے تو یہ النون کی صفت ہوگی اور موصوف ،صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے اور النون موصوف مرفوع ہے تو صفت زائدۃٌ بھی مرفوع ہوگی۔

سوال: النون موصوف معرفہ ہے اور زائدۃٌ صفت ہے جو نکرہ ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: النون پر الف لام زائدہ ہے اور جب یہ زائدہ ہے تو موصوف بھی نکرہ ہو گیا اور صفت بھی نکرہ تو اب اس پر کوئی اشکال نہیں۔

و ھذا القول تقریب:

سوال: اس عبارت کے کتنے مطلب ہیں؟

جواب: اس عبارت کے تین مطلب ہیں۔

(۱) تقریب ،مقرب کے معنی میں ہے، اسباب تسعہ کا بصورت نظم ذکر کرنا بمقابلۂ نثر کے حفظ کے زیادہ قریب کرنے والا ہے کیونکہ نظم نثر سے یاد کرنے میں سھل وآسان ہے۔

(۲) یہ قول، اقرب الی الصواب (درستگی کے زیادہ قریب) ہے اس لئے کہ علتوں کی تعداد میں اختلاف ہے، کیونکہ بعض نے صرف دو علتوں کو اور بعض نے گیارہ بیان کیں اور بعض تیرہ کے بھی قائل ہیں، جبکہ جمہور نو علتوں کے حق میں ہیں، بس مصنفؒ نے جمہور کے مسلک کو خیر الامور اوسطھا کے پیش نظر اختیار کیا ہے۔

(۳) تقریب ،مجاز کے معنی میں ہے نو سببوں میں سے ہر ایک کا سبب اور علت نام رکھنا مجازاً ہے، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک جزء علت ہے نہ کہ علت تامہ، اس لئے کسی اسم کے غیر منصرف ہونے کا حکم دو علتوں کے اجتماع کے بعد لگایا جاتا ہے۔

سوال: لفظ مثل ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: لفظ مثل ذکر کرنے کا فائدہ انحصار کا وہم دور کرنا مقصود ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ جو اسماء یہاں پر مذکور ہیں بس یہی اسماء غیر منصرف ہیں اور یہی اسماء غیر منصرف کی مثال ہیں، ان کے علاوہ کوئی اسم غیر منصرف کی مثال نہیں ہے۔

(۱) عمر، غیر منصرف ہے عدل وعلم کی بنا پر۔

(۲) احمر، غیر منصرف ہے وصف ووزن الفعل کی بنا پر۔

(۳) طلحۃ، غیر منصرف ہے تانیث لفظی وعلم کی بنا پر۔

(۴) زینب، غیر منصرف ہے تانیث معنوی اور معرفہ کی بنا پر۔

(۵) ابراھیم، غیر منصرف ہے عجمہ اور علم کی بنا پر۔

(۶) مساجد، غیر منصرف ہے جمع منتہی الجموع کی بنا پر۔

(۷) معدیکرب، غیر منصرف ہے ترکیب وعلمیت کی بنا پر۔

(۸) عمران، غیر منصرف ہے الف نون زائدتان ومعرفہ کی بنا پر۔

(۹) احمد، غیر منصرف ہے وزن فعل وعلم کی بنا پر۔

سوال: معدیکرب کیا ترکیب کی مثال ہے؟

جواب: ہاں! معدیکرب ترکیب کی مثال ہے

فائدہ: صراح میں لکھا ہے معدی ایک اسم ہے اور کرب ایک اسم ہے پھر ان دونوں اسموں کو ملا کر ایک اسم بنالیا گیا۔

فائدہ: اس میں تین لغت ہیں۔

(۱) معدی یا کے سکون کے ساتھ اور کرب را کے کسرہ کے ساتھ جیسا کہ محرم آفندی میں لکھا ہے۔

(۲) مرمی کے وزن پر معدی اسم مفعول کا صیغہ ہے اور کرب فعل ماضی

ہے، جس کے معنی مصدری ہے ''زمین میں کھودنا'' جیسا کہ سوال باسولی میں لکھا ہے۔

(۳) معدیکرب، ایک صحابی کا نام ہے۔

سوال: مصنفؒ نے طلحۃ اور زینب دو مثالیں بیان کیوں کی؟

جواب: مصنفؒ تانیث کی دو قسموں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں (۱) تانیث لفظی (۲) تانیث معنوی دونوں کی مثال اہتمام کے ساتھ اس لئے بیان کی تاکہ اشتباہ سے بچا جاوے۔

سوال: اشتباہ کیا ہے؟

جواب: تانیث کا بھی اعتبار کرے اور تذکیر حقیقی کا بھی اعتبار کرے، یہ درست نہیں جیسے کہ قالت طلحۃ کہنا درست نہیں ہے۔

وحکمہ ان لا کسرۃ ولا تنوین:

علامہ ابن حاجبؒ غیر منصرف کا حکم بیان کرتے ہیں کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی۔

سوال: کافیہ میں حکمہ مبتدا ہے اور اس کی خبر جملہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ خبر جب جملہ ہو تو اس میں ایک ضمیر ایسی لازم ہے، جو مبتدا کی طرف راجع ہو، لیکن یہاں پر کوئی ضمیر ایسی نہیں جو مبتدا کی طرف راجع ہو؟

جواب: مبتدا کی خبر جملہ نہیں ہے، کیونکہ ان لا کسرۃ میں ان حروف مشبہ بالفعل مخففہ ہے، اور اس کا اسم (ضمیر شان) محذوف ہے اور اس کے بعد جو جملہ ہے وہ اس کی خبر ہے اور ان مخففہ اپنے اسم محذوف اور خبر سے مل کر بتاویل مفرد مبتدا کی خبر ہے، مبتدا کی خبر جملہ ہے ہی نہیں تو خبر میں مبتدا کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی لازم نہیں۔

سوال: لائے نفی جنس، جملہ اسمیہ پر آتا ہے، لیکن کافیہ میں لائے نفی جنس مفرد پر داخل ہے، کیونکہ کافیہ میں لا کسرۃ ولا تنوین ہے؟

جواب: یہاں پر عبارت محذوف ہے لا کسرۃ و لا تنوین فیہ۔

فائدہ: کافیہ کی عبارت لا کسرۃ و لا تنوین میں لا حول و لا قوۃ الا باللہ کی طرح پانچ طریقے جائز ہیں جس کا بیان منصوبات میں آئے گا۔

سوال : اعراب کے بیان میں مصنفؒ نے لکھا ہے (غیر المنصرف بالضمۃ و الفتحۃ) جس سے معلوم ہو چکا کہ غیر منصرف پر کسرہ نہیں آتا، اس لئے اب یہ لکھنا کہ غیر منصرف پر کسرہ نہیں آتا، عبث و بیکار ہے؟

جواب: غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ نہیں آتا اور ایک حکم یہ ہے کہ اس پر تنوین نہیں آتی، یہاں پر ایک حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ نہیں آتا اور ایک حکم یہ ہے کہ اس پر تنوین نہیں آتی یہاں پر مصنفؒ نے دونوں حکموں کو اکھٹا کر دیا اور ایسا اس لئے کہ اس طرح حفظ وضبط آسان ہے۔

حکم غیر المنصرف

وحکمہ: ان لا کسرۃ ولا تنوین

ترجمہ: اور غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ نہیں آتا اور نہ تنوین۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا حکم: یہ ہے کہ اس پر کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین۔ کسرہ کی جگہ فتح آتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ غیر منصرف کا حکم بیان کرنا ہے۔

سوال: غیر منصرف کا کیا حکم ہے؟

جواب: غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی۔

سوال: اس پر کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آتے؟

جواب: غیر منصرف فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

سوال: غیر منصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ کتنے اعتبار سے ہیں؟

جواب: غیر منصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ دو اعتبار سے ہیں (۱) فعل ،مصدر سے مشتق ہے، لہذا مصدر اصل ہے اور فعل فرع ہے (۲) فعل فاعل کا محتاج ہے، اسی طرح غیر منصرف دو سبب کا محتاج ہوتا ہے۔

ہر سبب اصل کی فرع ہے:-

(۱) عدل، معدول عنہ کی فرع ہے (۲) وصف، موصوف کی فرع ہے (۳) تانیث، تذکیر کی فرع ہے (۴) معرفہ، نکرہ کی فرع ہے (۵) عجمہ، عربی کی فرع ہے (٦) جمع واحد کی فرع ہے (۸) ترکیب یہ مفرد کی فرع ہے (۸) الف نون، تانیث کے دو الف کی فرع ہے (۹) وزن فعل، وزن اسم کی فرع ہے۔

(قاعدۃ)

و یجوز صرفه للضرورة أو للتناسب مثل (سلاسلا و اغلالا)

ترجمہ: اور غیر منصرف کو منصرف کرنا جائز ہے ضرورت شعری کی وجہ سے یا تناسب کی وجہ سے جیسے (سلاسل و اغلالا)

مختصر تشریح

غیر منصرف کو دو صورتوں میں منصرف پڑھنا جائز ہے: ایک ضرورت شعری کی وجہ سے دوسرے: ساتھ والے کلمہ کی مناسبت سے جیسے سورۂ دہر (آیت: ۴) میں ہے: (سلاسلا و اغلالا) اس میں سلاسلا بروزن مساجد: غیر منصرف ہے اور اغلالا سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے اس پر بھی تنوین آئی ہے۔

ضرورت شعری کی مثالیں:

(۱) صبت علی مصائب لو انها ۔ صبت علی الایام صرن لیالیا

ترجمہ:

مجھ پر ایسے مصائب ڈالے گئے کہ اگر وہ: دنوں پر ڈالے جاتے تو وہ راتیں بن جاتیں)

(۲) اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ۔ هو المسک ما کررته یتضوع

ترجمہ:

نعمان (امام ابوحنیفہؒ) کا ذکر ہمارے سامنے بار بار کرو، بیشک ان کا ذکر ہی مشک ہے، جس قدر اس کو رگڑو گے مہکے گا۔

(۳) سلام علی خیر الانام و سید ۔ حبیب اله العالمین محمد

بشیر نذیر هاشمی مکرم ۔ عطوف رئووف من یسمی باحمد

ترجمہ:

خیر الخلائق اور سید الخلائق پر سلام ہو: جو محبوب رب العالمین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

خوش خبری سنانے والے، ڈرانے والے، ہاشمی معزز: نہایت مہربان، نہایت شفیق جن کا نام نامی احمد ہے۔

پہلے شعر میں مصائب غیر منصرف ہے، اس پر تنوین اس لئے لائی گئی ہے کہ وزن نہ ٹوٹے۔ دوسرے شعر میں نعمان غیر منصرف ہے، اس پر تنوین زحاف سے بچنے کے لئے پڑھی گئی ہے اور تیسرے شعر میں احمد غیر منصرف ہے، اس پر کسرہ حرف روی کی رعایت میں لایا گیا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک قانون بیان کرنا ہے۔

سوال: وہ قانون کیا ہے؟

جواب: وہ قانون ہے کہ غیر منصرف کو منصرف بنانا جائز ہے۔

سوال: غیر منصرف کو منصرف بنانا کب جائز ہے؟

جواب: کسرہ اور تنوین داخل کر کے غیر منصرف کو منصرف بنانا اس وقت جائز ہے، جب کہ دو چیزیں پائی جائیں (۱) ضرورت (۲) تناسب پیدا کرنا۔

فائدہ: ضرورت کبھی وزن شعر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور کبھی قافیہ کی رعایت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

ضرورت شعری میں دو صورتیں ہیں (۱) انکسار (۲) زحاف

سوال: انکسار اور زحاف میں کیا فرق ہے؟

جواب: انکسار میں وزن ٹوٹ جاتا ہے اور زحاف میں وزن تو نہیں ٹوٹتا البتہ سلاست باقی نہیں رہتی۔

جیسے انکسار کی مثال:

(۱) صبت علی مصائب لو أنها صبت علی الایام صرن لیالیا

مجھ پر ایسے مصائب ڈالے گئے کہ اگر وہ دنوں پر ڈالے جاتے تو وہ راتیں بن جاتیں۔

سوال: شعر میں محل استشہاد کیا ہے؟

جواب: شعر میں محل استشہاد مصائب ہے۔

سوال: کس طرح؟

جواب: شعر میں مصائب غیر منصرف ہے اس پر تنوین اس لئے لائی گئی ہے کہ شعر کا وزن باقی رہے۔

سوال: یہ شعر کس کا ہے؟

جواب: یہ شعر حضرت فاطمہ ؓ کا ہے جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر کہا تھا۔

زحاف کی مثال:

اعد ذکر نعمانٍ لنا ان ذکرہ

ھو المسک ما کررتہ یتضوع

ترجمہ:

نعمان (امام ابوحنیفہ) کا ذکر ہمارے سامنے بار بار کرو، بیشک ان کا ذکر ہی مشک ہے جس قدر اس کو رگڑو گے وہ مہکے گا۔

سوال: شعر میں محل استشہاد کیا ہے؟

جواب: شعر میں محل استشہاد نعمان ہے۔

سوال: کس طرح؟

جواب: شعر میں نعمان غیر منصرف ہے، اس پر تنوین زحاف سے بچنے کے لئے پڑھی گئی ہے۔

سوال: یہ شعر کس کا ہے؟

جواب: یہ شعر امام الازکیا محمد بن ادریس الشافعیؒ کا ہے۔

قافیہ کی مثال جیسے:

(۳) **سلام علی خیر الانام وسیدہ حبیب الہ نالعالمین**

بشیر نذیر ھاشمی مکرم عطوف رؤوف من یسمی باحمد

ترجمہ:

خیر الخلائق اور سید الخلائق پر سلام ہو جو محبوب رب العالمین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

خوش خبری سنانے والے، ڈرانے والے، ہاشمی، معزز۔ نہایت مہربان، نہایت شفیق، جن کا نام نامی احمد ہے۔

سوال: شعر میں محل استشہاد کیا ہے؟

جواب: شعر میں محل استشہاد **باحمد** ہے۔

سوال: کس طرح؟

جواب: شعر میں **باحمد** غیر منصرف ہے اس پر کسرہ حرف روی اور قافیہ کی رعایت میں لایا گیا ہے۔

(۲) دوسری وجہ غیر منصرف کو منصرف پڑھنے کی تناسب ہے۔

سوال: تناسب کا کیا مطلب؟

جواب: تناسب کا مطلب یہ ہے کہ دو کلمے ایک جگہ پر جمع ہوں اور ان میں سے ایک غیر منصرف ہو اور دوسرا منصرف ہو اور ان دونوں کے درمیان لفظی اور معنوی مناسبت بھی ہو تو اس صورت میں غیر منصرف کو منصرف پڑھیں گے۔ جیسے سلاسلا و اغلالا میں سلاسلا یہ جمع منتہی کے وزن پر ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے، لیکن ایک قرأت کے مطابق تنوین کے ساتھ ہے، ان دونوں کے درمیان لفظی اور

معنوی مناسبت بھی ہے، دونوں ایک جگہ جمع ہو گئے، ایک منصرف اور دوسرا غیر منصرف ہے تو جو غیر منصرف ہے اس کو بھی منصرف پڑھیں گے۔

سوال: لفظی مناسبت کیا ہے؟

جواب: لفظی مناسبت سلاسل یہ سلسلۃ کی جمع ہے اور اغلال یہ غل کی جمع ہے اور سلاسل اغلال کے ساتھ مذکور ہے۔

سوال: معنوی مناسبت کیا ہے؟

جواب: معنوی مناسبت یہ ہے کہ اغلال بیڑی کو کہتے ہیں اور سلاسل زنجیر کو اور دونوں لوہے سے بنتے ہیں اور سزا کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔

سوال: غیر منصرف وہ اسم ہے جس میں دو علتیں مؤثرہ یا ایک علت مؤثرہ پائی جائے لہذا ایسے اسم کو منصرف بنانے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی علت مؤثرہ زائل کر دی جائے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا کیونکہ جب ضرورت شعری یا مناسبت کی وجہ سے کسرہ اور تنوین دیتے ہیں تو غیر منصرف کی علت زائل نہیں ہوتی اس حال میں بھی باقی رہتی ہے؟

جواب: غیر منصرف کو منصرف بنانے کے معنی یہ ہیں کہ غیر منصرف، منصرف کے حکم میں ہو جائے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر منصرف کی طرح کسرہ اور تنوین آئے۔

نوٹ: غیر منصرف کو منصرف بنانا جو بتایا ہے، یہ حقیقۃً نہیں ہوگا بلکہ صرف تنوین اور کسرہ کو داخل کرنے کے اعتبار سے ہے۔

سوال: تناسب کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھتے ہیں، اس کے بر عکس کیا منصرف کو غیر منصرف پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: غیر منصرف فرع ہے اور منصرف اصل ہے، غیر منصرف یہ ضعیف ہے اور منصرف قوی ہے ضعیف کو قوی بنایا جاتا ہے قوی کو ضعیف نہیں بنایا جاتا۔

سوال: کتاب میں سلاسلا کے ساتھ اغلالا کا ذکر بے فائدہ ہے، کیونکہ مناسبت کے لئے غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنے کی مثال فقط سلاسلا ہے نہ کہ سلاسلا و اغلالا جو دونوں کا مجموعہ ہے؟

جواب: کتاب میں اغلالا کا ذکر بے فائدہ نہیں ہے، کیونکہ سلاسلا اس غیر منصرف کی مثال ہے، جو مناسبت کی وجہ سے منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے اور اغلالا اس منصرف کی مثال ہے، جس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے، تاکہ پھر کوئی سوال نہ کرے کہ وہ کونسا منصرف ہے، جس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے سلاسلا کو منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے۔

سوال: مصنفؒ نے تناسب کی مثال بیان کی ضرورت کی مثال کیوں نہیں بیان کی؟

جواب: ضرورت کی بنا پر غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا ظاہر اور مشہور ہے اس لئے صاحب کافیہؒ نے اس کو چھوڑ دیا اور مناسبت کے لئے غیر منصرف کو منصرف کے حکم کرنا ظاہر اور مشہور نہیں تھا، اس لئے مصنفؒ نے اسکی مثال بیان کی۔

سوال: مصنفؒ نے تناسب پر (للتناسب) لام جارہ کیوں داخل کیا؟

جواب: غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنے کی ضرورت پہلے ہوتی ہے، پھر غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کیا جاتا ہے، لیکن تناسب غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنے کے بعد ہوتا ہے، اس فرق کو بتانے کے لئے مصنفؒ نے ضرورت اور تناسب دونوں پر جدا جدا ''لام جارہ'' داخل کیا ہے۔

سوال: مصنف کو یجوز کی جگہ یجب کہنا چاہئے تھا یجب للضرورۃ اور یجوز للتناسب کہتے تاکہ فرق واضح ہوجاتا؟

جواب: جواز کے تین معانی ہیں (۱) عدم الوجوب (یعنی واجب نہ

ہونا)(۲)عدم الامتناع (یعنی محال نہ ہونا)(۳)عدم الوجوب و الامتناع (یعنی نہ واجب ہونا نہ محال ہونا) یہاں پر دوسرا معنی مراد ہے، یعنی ضرورت شعری اور تناسب کے سبب غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کر دینا محال نہیں ہے، خواہ ضروری نہ ہو جیسے تناسب کے سبب یا ضروری ہو جیسے ضرورت شعری کے سبب، جس طرح کہ بولا جاتا ہے "جنت میں فساق کا جانا محال نہیں بلکہ جائز ہے"۔

بالفاظ دیگر یہاں پر جواز کے معنی امکان عام ہیں (موجہات کی بحث میں ہے) جس کے معنی ہیں جانب مخالف کا ضروری نہ ہونا، خواہ جانب موافق ہو یا نہ ہو، یہاں پر جانب موافق صَرف ہے اور جانب مخالف عدم صَرف، لہذا جب جواز کے معنی امکان عام ہے تو کافیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ، غیر منصرف کو غیر منصرف کے حکم میں رکھنا واجب نہیں، خواہ منصرف کے حکم میں کرنا واجب ہو، جس طرح کہ ضرورت شعری کے سبب واجب ہوتا ہے یا واجب نہ ہو جس طرح کہ مناسبت کے سبب واجب نہیں ہوتا ہے (ضرورت اور تناسب کی وجہ سے منصرف کے جواز کا سلب ضروری نہیں ہے)۔

(فائدۃ)

ومایقوم مقامهما الجمع وألفا التانيث

ترجمہ: اور وہ جو دو سببوں کے قائم مقام ہوتے ہیں وہ جمع اور تانیث کے دو الف ہیں۔

مختصر تشریح

فائدہ: جمع منتہی الجموع اور تانیث کے دو الف (ممدودہ اور مقصورہ) جیسے حمراء

اورصغریٰ: دوسببوں کے قائم مقام ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اسباب منع صرف میں دوسبب ایسے ہیں، جن دو میں سے ہر ایک دوسبب کے قائم مقام ہے۔

سوال: وہ دوسبب جن دو میں سے ہر ایک دوسبب کے قائم مقام ہے، وہ کون کون سے؟

جواب: وہ دوسبب یہ ہیں (۱) جمع منتہی الجموع (۲) تانیث کے دو الف (الف مقصورہ اور الف ممدودہ)۔

سوال: جمع منتہی الجموع کی تعریف کیا ہے؟

جواب: جمع منتہی الجموع کہا جاتا ہے ایسی جمع کو جس پر جمع کی انتہاء ہو۔

سوال: جمع منتہی الجموع کے اوزان کیا ہیں؟

جواب: جمع منتہی الجموع کے مشہور اوزان دو ہیں۔

(۱) مَفَاعِل: جس کا پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دوحرف ہو جیسے مَسَاجِد (۲) مَفَاعِيل: جس کا پہلا حرف مفتوح ہو، تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد تین حروف ہوں اور ان تین میں کا درمیانی حرف ساکن ہو اور اخیر میں گول ''ۃ'' نہ ہو جیسے مَصَابِيح۔

فائدہ: ہدایت النحو میں دواب کو بھی جمع منتہی الجموع کا وزن بیان کیا ہے۔

۞ دَوَابّ: پہلا حرف مفتوح ہو، تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد حرف مشدد ہو۔

سوال: جمع منتہی الجموع، دوسبب اور دو علتوں کے قائم مقام کیوں ہے؟

جواب: (۱) جمع منتہی الجموع، دوسبب اور دو علتوں کے قائم مقام اس لئے ہے کہ اس وزن پر جو جمع کے صیغے ہیں، کچھ تو ایسے ہیں جن میں حقیقۃ تکرار پایا جاتا ہے جیسے اکالب یہ اکلب کی جمع ہے اور اکلب یہ کلب کی جمع ہے ایسے ہی اساور: اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ، سِوَار (کنگن) کی جمع ہے اور اناعیم یہ انعام کی جمع ہے اور انعام یہ نعم (چوپایہ) کی جمع ہے، ان تینوں مثالوں میں جمع، حقیقۃً مکرر ہے۔

اور کچھ صیغے ایسے ہیں جن میں تکرار حکماً ہے جیسے مَسَاجِد اور مَصَابِیْح، ان میں جمع حقیقۃ مکرر نہیں ہے، لیکن یہ ان جموع کے وزن پر ہیں جن میں حقیقۃ تکرار ہے، چنانچہ مَسَاجِد: اکالب کے وزن پر ہے اور مَصَابِیْح: اناعیم کے وزن پر ہے اور اکالب اور اناعیم میں حقیقۃً جمع مکرر ہے، اس لئے ان کے ہم وزن جو کلمے ہوں گے ان میں بھی تکرار جمع کا حکم لگایا جائے گا اور دونوں قسم کے صیغے تکرار جمع کی وجہ سے دو فرع ہوں گے، جس کی وجہ سے فعل کے مشابہ ہو جائیں گے، جس طرح فعل میں دو فرعیں (مصدر اور نسبت الی الفاعل) ہیں، اسی طرح اس وزن پر جمع کے جو صیغے آئیں گے ان میں بھی دو فرعیں ہو جائیں گی اور فعل کی مشابہت کی وجہ سے کسرہ اور تنوین نہ آئیں گے۔

سوال: الف مقصورہ دوسبب کے قائم مقام کیوں؟

جواب: اسم مقصور میں دو چیزیں ضروری ہے۔

(۱) اسم مقصور میں الف مقصورہ کا باعتبار وضع کے آنا۔

(۲) الف کا اس کے لئے لازم ہونا۔

اب الف مقصورہ خود تانیث ہے اور الف مقصورہ کا لازم ہونا جو بمنزلہ دوسری تانیث کے ہے پس گویا تانیث کی تکرار ہوگئی اور اتنی طاقت ہوگئی کہ ایک سبب دوسبب کے قائم مقام ہوگیا۔

سوال: الف ممدودہ دو سبب کے قائم مقام کیوں؟

جواب: اسم ممدود میں دو چیزیں ضروری ہے۔

(۱) اسم ممدود میں الف ممدودہ کا باعتبار وضع کے آنا

(۲) الف کا اس کے لئے لازم ہونا۔

اب الف ممدودہ خود تانیث ہے اور الف ممدودہ کا لازم ہونا جو بمنزلہ دوسری تانیث کے ہے، پس گویا تانیث کی تکرار ہوگئی اور اتنی طاقت ہوگئی کہ ایک سبب دو سبب کے قائم مقام ہوگیا۔

سوال: تثنیہ جب خبر ہو تو کبھی مجموعہ، خبر ہوتا ہے (جمیع مدة انقطاع رویتی ایاہ یومان) اور کبھی ہر واحد خبر ہوتا ہے (بعلبک هما کلمتان جعلتا واحدة) کافیہ میں الفا التانیث، تثنیہ ہے، تو کیا دونوں کا مجموعہ مراد ہے یا ہر ایک جدا جدا مراد ہے؟

جواب: ہر ایک مراد ہے نہ کہ مجموعہ جیسا کہ شرح جامی ہے و الفا التانیث المقصورة و الممدودة ای کل واحده منهما ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک جدا جدا مراد ہے۔

العدل

فالعدل : خروجه عن صيغته الاصلية : تحقيقا كثلث و مثلث و اخر و جمع أو تقديرا كعمر و باب قطام فی تمیم۔

ترجمہ: پس عدل اس کا نکلنا ہے اپنے اصلی صیغہ سے، خواہ یہ نکلنا حقیقةً ہو جیسے

ثلاث (تین تین) مثلث (تین تین) اخر (دوسرے) جمع (سب) یا تقدیرا ہو جیسے عمر اور باب قطام قبیلہ بنو تمیم میں۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا پہلا سبب: عدل

عدل کے معنی ہیں: کسی اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکل کر دوسرے صیغہ میں چلا جانا جیسے عامر سے عمر اور ثلاثۃ ثلاثۃ سے ثلاث بنا ہے۔

پھر عدل کی دو قسمیں ہیں: (۱) عدل تحقیقی (۲) عدل تقدیری۔

عدل تحقیقی: وہ ہے جس میں اسم معدول کی واقعی کوئی اصل ہو جیسے ثلاث کے معنی ہے تین تین، پس معلوم ہوا کہ اس کی اصل ثلاثۃ ثلاثۃ ہے۔

عدل تقدیری: وہ عدل ہے جس میں اسم معدول کی واقعی کوئی اصل نہ ہو جیسے عمر اور زفر کو عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں اور ان میں علمیت (معرفہ) کے علاوہ کوئی سبب نہیں، اس لئے ان کو عامر اور زافر سے معدول مان لیا گیا ہے۔

عدل کے چھ وزن ہیں (۱) فُعَال جیسے ثُلاث (تین تین) رُبَاع (چار چار) خُمَاس سُدَاس وغیرہ۔

(۲) مَفْعَل جیسے مَثْلَث (تین تین) مَرْبَع (چار چار) وغیرہ۔

(۳) فُعَل: جیسے عمر، زفر (ان میں عدل تقدیری ہے) اور اُخَر اور جُمَع (ان میں عدل تحقیقی ہے) عمر اور زفر کو تو ویسے ہی معدول مان لیا گیا ہے، مگر اُخر اُخریٰ کی جمع ہے اور وہ آخر (اسم تفضیل) کا مؤنث ہے سب سے زیادہ تاخیر کرنے والا اور اسم تفضیل کا استعمال الف لام، اضافت یا مِن کے ساتھ ہوتا ہے اور اخر ان

سب کے بغیر بمعنیٰ ''دیگر'' استعمال کیا جاتا ہے یہ عدل تحقیقی ہوا۔

اور جُمَعُ: جَمْعاء کی جمع ہے اور اَجْمَعُ کا مؤنث ہے اور قاعدہ ہے کہ افعل مؤنث فعلاء کی جمع: اگر اسم صفت ہو تو فُعْلُ کے وزن پر آتی ہے جیسے احمر کے مونث حمراء کی جمع حُمْرٌ ہے اور اگر وہ اسم ذات ہو تو فَعَالَیٰ یافَعْلَاوَات کے وزن پر آتی ہے جیسے صحراء کی جمع صَحَارَیٰ یاصَحْرَاوَات ہے، پس ماننا ہوگا کہ جُمَعُ کی اصل جُمْع ہے یاجَمَاعَیٰ یاجَمْعَاوَات ہے۔یہی اس میں عدل تحقیقی ہے۔

فائدہ: مصنفؒ چونکہ عدل کے اوزان بیان نہیں کر رہے بلکہ عدل تحقیقی کی مثالیں دے رہے ہیں، اس لئے انہوں نے تحقیقاً کے تحت ان کو لیا ہے اور شرح میں چونکہ اوزان بیان کئے ہیں اس لئے تین اوزان بیان کئے ہیں (۱)فعل جیسے سحر (معین دن کا صبح سے کچھ پہلے کا وقت) (۲)فعال جیسے قطام، حذام (عورتوں کے نام) (۳) فعل جیسے امس (گزشتہ کل)۔

نوٹ: قطام، حذام: اہل حجاز کے نزدیک کسرہ پر مبنی ہیں، غیر منصرف نہیں ہیں۔اور بنوتمیم ان میں عدل مانتے ہیں اور غیر منصرف پڑھتے ہیں۔

اسی طرح امس کو بھی بنوتمیم حالت رفعی میں غیر منصرف مانتے ہیں اور اہل حجاز کسرہ پر مبنی کہتے ہیں، پس اصل اوزان چار ہیں (۱)ثلاث (۲)مثلث (۳)عمر (۴)سَحَر۔

نوٹ: مصنفؒ نے وزن ۴،۶ کو بیان نہیں کیا باقی صرف چار اوزان بیان کئے ہیں۔اور قطام جیسے الفاظ سے مراد اس وزن پر آنے والے وہ الفاظ ہیں جو عورتوں کے نام ہوں اور ان کے آخر میں راء نہ ہو۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے عدل کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مصنف نے عدل کو باقی آٹھ علتوں پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: عدل کو غیر منصرف کا سبب ماننے کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، باقی تمام اسباب کسی نہ کسی شرط سے مشروط ہیں، اس لئے شرائط کے اعتبار سے عدل مطلق ہے اور باقی اسباب مقید اور مطلق مقید سے مقدم ہوتا ہے اس لئے مصنفؒ نے عدل کو مقدم کیا۔

سوال: مصنفؒ نے عدل کی تعریف لکھی، دوسری علتوں کی تعریف کیوں چھوڑ دی؟

جواب: (۱) عدل کی تعریف جو اس وقت مشہور تھی وہ مصنفؒ کو پسند نہیں تھی اس لئے عدل کی تعریف اپنی پسند کے مطابق لکھی اور دوسری علتوں کی تعریفیں جو اس وقت مشہور تھیں ان سے مصنفؒ کو کوئی اختلاف نہیں تھا، اس لئے دوسری علتوں کی تعریفیں نہیں لکھی۔

(۲) عدل کے علاوہ باقی علتوں میں سے بعض کی تعریف محتاج بیان نہیں یا بعض کی تعریف اس کتاب میں دوسری جگہ مذکور ہے، اس لئے یہاں پر مصنفؒ نے عدل کے علاوہ باقی علتوں کی تعریفیں چھوڑ دیں۔

عدل کی لغوی تعریف: مصدر مبنی للمفعول بمعنی المعدول اس کے معنی ایک صیغہ سے دوسرے صیغہ کی طرف عدول اور نکلنا۔

عدل کی اصطلاحی تعریف: اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکلنا۔

سوال: عدل کی تعریف مشتقات پر صادق آتی ہے، اس لئے کہ مشتقات کو بھی اصلی صیغہ (مصدر) سے نکالا جاتا ہے؟

جواب: (۱) اسم کو اس کی اصلی صورت سے نکالنا عدل ہے اور مشتقات اور

مصدر کی صورت علیحدہ علیحدہ ہے، لہذا مشتقات کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کو اپنی اصلی صورت سے نکالا جاتا ہے۔

(۲) اسم کا خروج اپنے اصلی صیغہ سے غیر تصریفی (جس کی گردان نہ آتی ہو) ہے، اور اسماء مشتقات کا خروج مصدر سے تصریفی (جس کی گردان آتی ہو) ہے غیر تصریفی نہیں ہے اور عدل میں غیر تصریفی ہونا ضروری ہے۔

سوال: عدل کی تعریف مغیرات قیاسیہ پر صادق آتی ہے اس لئے کہ ان کو اپنی اصلی صورت سے نکالا جاتا ہے جیسے قال کو قَوَل سے، یَقُوْل کو یُقْوَل اور مَقُوْل کو مَقْوُوْل اور مَبِیْع کو مَبْیُوْع سے نکالا گیا ہے؟

جواب: عدل کی تعریف میں صیغۃ الاصلیہ (اصل صورت سے نکلنا) اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسری صورت میں داخل ہو اور ان دونوں صورتوں میں فرق ہو، پہلی صورۃ جس سے نکالا جائے وہ تو قاعدہ کے مطابق ہو اور دوسری صورۃ جس میں داخل کیا گیا ہے وہ قاعدہ کے خلاف ہو اور مغیرات قیاسیہ میں دونوں صورتیں اصل کے مطابق ہوتی ہے، تعلیل سے پہلے جو صورۃ تھی وہ بھی اصل کے مطابق ہے اور تعلیل کے بعد جو صورۃ حاصل ہوئی ہے وہ بھی اصل کے مطابق ہے جیسے قال کی اصل قول ہے تو قول بھی اصل کے مطابق ہے اور قال بھی اصل کے مطابق ہے۔

سوال: انیب اور اقوس پر عدل کی تعریف صادق آتی ہے اس لئے کہ یہ انیاب (جمع ناب) اور اقواس (جمع قوس) سے خروج ہو کر آتے ہیں؟

جواب: عدل میں اسم کو اپنی اصلی صورۃ سے نکال کر غیر اصلی صورت میں داخل کیا جاتا ہے اور مغیرات شاذہ (انیب اور اقوس) میں شروع ہی سے غیر اصلی صورت میں داخل کردیا جاتا ہے۔

سوال: عدل کی تعریف (اسماء محذوف الاعجاز) پر صادق آتی

ہے جن کا آخری حرف حذف کیا گیا ہو جیسے یَد و دَم کہ ان کو ان کی اصل یَدَو اور دَمَو سے نکالا گیا ہے؟

جواب: عدل کی تعریف میں یہ شرط ہے کہ مادہ باقی رہے تغیر صرف صورت میں ہو اور اسماء محذوف الاعجاز (وہ اسماء جن کا آخری حرف حذف کیا گیا ہو) میں مادہ باقی نہیں رہتا۔

سوال: اب عدل کی تعریف جامع نہ رہی کیونکہ ثلاث و مثلث یہ ثلاثة ثلاثة سے معدول ہیں اور مادہ باقی نہ رہا، اس لئے کہ ثلاثہ ثلاثہ کے آخر میں تاء ہے جو ثلاث و مثلث میں باقی نہیں؟

جواب: مادہ سے حروف اصلیہ مراد ہیں اور تاء اصلی حرف نہیں بلکہ زائد ہے۔

سوال: عدل کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: عدل کی دو قسمیں ہیں۔(۱) تحقیقی (۲) تقدیری

(۱) عدل تحقیقی: ایسے عدل کو کہتے ہیں جس کا معدول عنہ خارج میں موجود ہو جس کی کوئی مضبوط دلیل ہو جیسے ثُلَاث، مَثلَث، اُخَر، جُمَع۔

سوال: ثلث و مثلث یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے، کیا دلیل؟

جواب: ثلث و مثلث کا ترجمہ ہے تین تین ہوتا ہے۔ قانون ہے کہ معنی کی تکرار لفظ کے تکرار پر دلالت کرتی ہے گویا ثلث و مثلث یہ ثلثة ثلثة سے معدول ہو کر آیا ہے۔

سوال: اُخَر عدل تحقیقی کی مثال ہے دلیل کیا ہے؟

جواب: اُخَر یہ جمع ہے اُخرٰی، اُخرٰی مؤنث ہے اسم تفضیل آخَرُ کا اور قانون ہے کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں سے ہوتا ہے(۱) الآخر، الف لام کے

ساتھ (۲) آخر من، من کے ساتھ (۳) آخر القوم، اضافت کے ساتھ۔ یہاں پر تین طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ موجود نہیں ہے معلوم ہوا کہ اخران تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہو کر آیا ہے، معدول عنہ گویا خارج میں موجود ہے، اس کو عدل تحقیقی کی مثال کہیں گے۔

سوال: جُمَع عدل تحقیقی کی مثال ہے اسکا معدول عنہ خارج میں موجود ہے کیا دلیل ہے، اس کا معدول عنہ کیا ہے؟

جواب: اس کا معدول عنہ یا تو جُمْع یا جَمَاعيٰ یا جَمْعَاوَات ہے۔

سوال: جُمَع کا معدول عنہ جُمْع کیسے؟

جواب: جُمَع یہ جمع ہے جَمْعَاء کی اور فعلاء کے وزن پر ہے اور فعلاء اگر صفت کا صیغہ ہو تو اس کی جمع فُعْل کے وزن پر آتی ہے اور یہاں جُمَع ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جُمْع سے معدول ہو کر آیا ہے۔

سوال: اس کا معدول عنہ جَمَاعيٰ یا جَمْعَاوَات کیسے؟

جواب: جَمَاعيٰ یا جَمْعَاوَات، فعلاء کی جمع ہے اور فعلاء کے وزن پر آنے والا اسم محض ہو تو اسکی جمع فعاليٰ وفعلاوات کے وزن پر آتی ہے، جیسے صحراء سے صحارا اور صحراوات۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جُمَع کا معدول عنہ خارج میں موجود ہے۔

(۲) عدل تقدیری: ایسے عدل کو کہتے ہیں جس کا معدول عنہ خارج میں موجود نہ ہو اور اس کے معدول ہونے کی کوئی مضبوط دلیل نہ ہو جیسے عمر یہ غیر منصرف ہے، ایک سبب علم ہے البتہ دوسرا سبب نہیں پایا جاتا ہے اور اہل عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں اس لئے ہم نے عمر کو عامر سے اور زفر کو زافر سے معدول مانا ہے۔

سوال: وباب قطام في تميم سے مراد کیا ہے؟

جواب: باب قطام سے مراد ہر وہ اسم ہے جو اعیانِ مؤنث کا علم ہو اور فعال کے وزن پر ہو اور آخر میں راء نہ ہو، ایسے اسماء میں بنی تمیم، علم کے ساتھ عدل کو تقدیری مانتے ہیں۔

نوٹ: تمیم سے بعض بنوتمیم مراد ہے۔

سوال: بعض بنوتمیم باب قطام میں عدل کو مقدر کیوں مانتے ہیں؟

جواب: بعض بنوتمیم باب قطام میں عدل کو مقدر کیوں مانتے ہیں، اس کے لئے تفصیل کا جاننا ضروری ہے۔

فعال کی چار قسمیں ہیں (۱) فعال جو امر کے معنی میں ہو جیسے نزال بمعنی انزل، یہ صورت مبنی ہے، اس لئے کہ یہ مبنی الاصل کے معنی میں ہے۔

(۲) فعال جو مصدر معرفہ کے معنی میں ہو جیسے فجار بمعنی الفجور۔

(۳) فعال جو مؤنث کی صفت ہو جیسے فساق، فاسقۃ کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں بدکار عورت، یہ دونوں بھی مبنی ہیں، اس لئے کہ ان دونوں کو فعال بمعنی امر کے ساتھ وزن اور عدل میں مشابہت ہے۔

(۴) فعال جو مؤنث کا عَلَم ہو، خواہ وہ ذوات الراء ہو یا نہ ہو۔ اس میں اختلاف ہے، اہل حجاز دونوں کو مبنی پڑھتے ہیں، لیکن ان میں صرف دو سبب ہیں، علم اور تانیث اور مبنی ہونے کے لئے محض دو سبب کا ہونا کافی نہیں بلکہ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت کا ہونا بھی ضروری ہے، اس لئے مشابہت پیدا کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ اس کو نزال بمعنی انزل (امر) کے مشابہ قرار دیا گیا اور نزال میں دو چیزیں ہیں (۱) فعال کا وزن (۲) عدل، کیونکہ اس کو انزل صیغہ امر سے معدول کیا گیا ہے، جو مبنی الاصل ہے، چونکہ اہل حجاز کے نزدیک وہ کلمات جو فعال کے وزن پر ہوں اور مؤنث کا عَلَم ہوں خواہ ذوات الراء ہوں یا نہ ہوں، دونوں کو مبنی پڑھتے ہیں، اس لئے وہ دونوں

میں عدل مانتے ہیں، تاکہ وزن اور عدل دونوں میں نزال کے ساتھ مشابہت ہوجائے اور جس طرح نزال مبنی ہے یہ بھی مبنی ہوجائیں۔

اکثر بنی تمیم کے نزدیک ذوات الراء اور غیر ذوات الراء میں فرق ہے، ذوات الراء کو وہ مبنی پڑھتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک عدل ماننا ضروری ہے، تاکہ نزال کے ساتھ وزن اور عدل دونوں میں مشابہت تامہ ہوجائے، جس کی وجہ سے ان کو مبنی قرار دینا صحیح ہوجائے، غیر ذوات الراء کو وہ مبنی نہیں پڑھتے بلکہ غیر منصرف پڑھتے ہیں اور غیر منصرف کے لئے دو سبب کافی ہیں اور ان میں دو سبب علم اور تانیث موجود ہیں اس لئے عدل کی ضرورت نہیں، لیکن ذوات الراء میں عدل ان کے نزدیک بھی بناء کی ضرورت کی وجہ سے مانا گیا ہے، اس لئے غیر ذوات الراء میں باوجود عدم ضرورت کے محض نظائر پر حمل کرنے کی وجہ سے عدل مانا گیا، تاکہ ذوات الراء اور غیر ذوات الراء دونوں کا حکم یکساں ہوجائے۔

الوصف

الوصف: شرطه: ان یکون فی الاصل فلا تضره الغلبة فلذلك: صرف اربع فی: "مررت بنسوة اربع" و امتنع اسود و ارقم للحیة وادهم: للقید و ضعف منع افعی: للحیة و اجدل: للصقر و اخیل: للطائر۔

ترجمہ: وصف تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اصل وضع میں ہو، پس اس کے لئے غلبہ مضر نہیں چنانچہ اسی وجہ سے اربع منصرف ہے، مررت بنسوۃ اربع میں اور غیر منصرف ہے اسود اور ارقم سانپ کے لئے اور ادہم بیڑی کے لئے اور غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے افعی کو جو کہ سانپ کا نام ہے او

راجدل کو جو کہ شکرہ کا نام ہے اور اخیل کو جو کہ پرندہ کا نام ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا دوسرا سبب: وصف ہے۔

وصف کے معنی ہیں: حالت، صفت کے بھی یہی معنی ہیں۔

اسم وصف: وہ اسم ہے جس سے ذات کے علاوہ کوئی حالت بھی سمجھی جائے جیسے احمر (سرخ) اسود (سیاہ) ارقم (چت کبرا) سکران (مدہوش)۔ ان لفظوں سے ذات کے علاوہ حالت بھی سمجھی جاتی ہے۔

اسم وصف کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے شرط ہے کہ وہ اصل وضع میں صفتی معنی کے لئے ہو، خواہ بعد میں وہ صفتی معنی اس میں باقی رہے ہوں یا نہ رہے ہوں۔ پس اسود اور ارقم، اگرچہ بعد میں سانپوں کے نام ہو گئے ہیں، مگر چونکہ اصل وضع میں صفتی معنی کے لئے ہیں، اس لئے غیر منصرف کا سبب ہیں، **فلا تضره الغلبة** کا یہی مطلب ہے۔

وصف: غیر منصرف کا سبب اس وقت ہے، جبکہ اصل وضع میں اس کی وصفیت یقینی ہو، یہ مثبت شرط ہے اور بعد میں غلبہ مضر نہیں، یہ منفی شرط ہے۔ پس مصنف تین باتیں متفرع کرتے ہیں۔

(۱) وصفیت اصلی کے شرط ہونے پر (۲) غلبہ کے مضر نہ ہونے پر (۳) اصل وضع میں وصفیت کے معنی یقینی نہ ہونے پر۔

پہلی تفریع: جو اسم اصل وضع میں صفتی معنی کے لئے نہ ہو، بعد میں اس میں عارضی طور پر صفتی معنی پیدا ہو گئے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں، جیسے **مررت بنسوة اربع**

(میں چار عورتوں کے پاس سے گزرا) اس میں اربع، نسوۃ کی صفت ہے اور اس میں دوسرا سبب وزن فعل بھی ہے، مگر اربع اصل بناوٹ میں عدد کے لئے ہے اس لئے منصرف ہے۔

دوسری تفریع: اسود اور ارقم: یہ منصرف ہے، کیونکہ ان کی اصل وضع میں وصفیت کے معنی یقینی ہیں، اگر چہ بعد میں سانپوں کے نام ہو گئے ہیں، مگر اسمیت کا یہ غلبہ مضر نہیں۔ اسود کے معنی ہیں ناگ، کالا سانپ اور ارقم کے معنی ہیں، چت کبرہ سانپ اور ادھم کے معنی ہیں بیڑی، مگر اصل معنی ہیں: سیاہ، چت کبرہ، کالا۔ اس قسم کے الفاظ کو منصرف پڑھنا ممنوع ہے۔

تیسری تفریع: افعی (خبیث سانپ) اجدل (شکرہ، ایک شکاری پرندہ) اخیل (ایک مخصوص پرندہ جس کے پروں پر رنگ برنگ کے تل ہوتے ہیں) ان لفظوں کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے، ان کو غیر منصرف پڑھنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ان کی اصل وضع میں وصفیت کے معنی ہیں یا نہیں؟ یہ بات یقینی نہیں۔ بلکہ احتمال ہے کہ افعی، فعوۃ سے مشتق ہو، جس کے معنی خبث کے ہیں اور اجدل، جدل سے مشتق ہو، جس کے معنی قوت کے ہیں اور اخیل، خال سے مشتق ہو جس کے معنی تل کے ہیں، بعد میں اسمیت کا غلبہ ہو گیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شروع ہی سے یہ اسم ذات ہوں، پس ان کی وصفیت یقینی نہیں، اس لئے ان کو غیر منصرف پڑھنا ٹھیک نہیں، ان کو منصرف پڑھنا چاہئے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے دوسرا سبب وصف کو بیان کرنا ہے۔

سوال: عدل کے بعد وصف کو ذکر کیوں کیا؟

جواب: بعض اسماء معدولہ میں وصف مؤثر ہے ،جیسے :ثلاث یہ اسم معدول ہے،اس میں وصف کے معنی پائے جاتے ہیں۔

سوال: وصف کے لغوی معنی کیا ہے؟

جواب: وصف کے لغوی معنی بیان کرنا۔

سوال: وصف کے اصطلاحی معنی کیا ہے؟

جواب: اصطلاح میں وصف کہا جاتا ہے جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرے، چاہے ذاتِ مبہم پر دلالت کرنا وضع کے اعتبار سے ہو یا استعمال کے اعتبار سے ہو۔

سوال: وصف،غیر منصرف کا سبب مطلق ہے یا کسی شرط کا پایا جانا ضروری ہے؟

جواب: وصف،غیر منصرف کا سبب مطلقا نہیں ہے، بلکہ وصفِ اصلی ہونا شرط ہے عارضی نہ ہو۔

سوال: وصف اصلی کسے کہتے ہیں؟

جواب: واضع نے جس وقت اس کو وضع کیا ہو وصف ہی کے لئے وضع کیا ہو۔

سوال: وصف عارضی کسے کہتے ہیں؟

جواب: واضع نے لفظ کو وضع کیا تھا اسم کے لئے، بعد میں اس کا استعمال صفت کے لئے ہونے لگا ہو۔

سوال: غیر منصرف کے لئے وصفِ اصلی کو شرط کیوں قرار دیا؟

جواب: وصف میں اصلی کی شرط اس لئے لگائی کہ وصفِ عارضی کے مقابلے میں وصف اصلی میں قوت و طاقت زیادہ ہوتی ہے اور اسم کو منصرف سے غیر

منصرف بنانا ہے تو زیادہ قوت کی ضرورت ہوگی۔

سوال: اصل نہ ظرف مکان ہے اور نہ ظرف زمان ہے، اس لئے اصل پر "فی" جارہ داخل کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ "فی" جارہ ظرف زمان اور مکان کے لئے وضع کیا گیا ہے؟

جواب: عبارت میں مضاف مقدر ہے اصل عبارت ہے فی زمان الاصل وصف کو غیر منصرف کا سبب ماننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وصف وضع کے زمانہ میں ہو نہ کہ وضع کے بعد۔

(۲) اس جگہ "فی" کے معنیٰ "عند" کے ہیں۔

سوال: اصل سے وضع مراد لینا کیسے صحیح ہے؟

جواب: اصل کے معنیٰ ما یبنیٰ علیه الشئی، جس پر کوئی چیز مبنی ہو اور تینوں دلالتیں مطابقی، تضمنی، التزامی، چونکہ وضع پر مبنی ہیں، اس لئے وضع اصل ہے اور تینوں دلالتیں وضع پر اس لئے مبنی ہیں کہ تینوں دلالتوں کے مفہوم میں وضع کو دخل ہے۔

سوال: فلاتضره الغلبة کا کیا مطلب؟

جواب: فلاتضره الغلبة کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصرف کا سبب بننے میں وصف اصلی کا اعتبار ہے جو وضع کے وقت ہو، مگر وضع کے وقت نہ ہو بعد میں استعمال کی صورت میں اس کے اندر وصفیت آ گئی ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اور اگر وضع کے اعتبار سے ہو اور بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہو گئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ وصف بدستور غیر منصرف کا سبب رہے گا۔

سوال: فلذلک صرف اربع سے مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: فلذلک صرف اربع سے مصنف کا مقصد غیر منصرف کا سبب بننے میں وصف اصلی کا اعتبار ہے، جو وضع کے وقت ہو اور بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ

سے وصفیت زائل ہوگئی ہوتو، اس میں کوئی حرج نہیں، وہ وصف بدستور غیر منصرف کا سبب رہے گا۔ اگر وضع کے وقت نہ ہو بعد میں استعمال کی صورت میں اس کے اندر عارضی وصفیت آ گئی ہوتو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اس پر تفریع کر رہے ہیں کہ اربع میں اصل وضع کے اعتبار سے وصفیت نہ تھی، اس کی وضع تو عدد کے لئے ہیں لیکن مررت بنسوۃ اربع میں عارضی طور پر وصفیت آ گئی ہے، اس لئے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور اس کو غیر منصرف نہ پڑھیں گے۔

سوال: اربع میں وصفِ عارضی کیسے؟

جواب: اربع میں وصفِ عارضی اس طرح ہے کہ اربع عدد معین پر دلالت کرتا ہے اور وصف میں تعین نہیں ہوتی۔

سوال: اربع میں وصف کا اعتبار نہیں کیا تو ثلاث اور مثلث میں وصف کا اعتبار کیوں کیا، جب کہ دونوں اصل وضع میں عدد ہے؟

جواب: ثلثۃ ثلثۃ جو معدول عنہ ہے، ان میں تو بے شک وصف عارضی ہے، لیکن معدول (ثلٰث ، مثلث) میں وصفیت اصل ہے، کیونکہ عدل کے وقت ان میں وصفیت کا اعتبار کرلیا گیا ہے اور عدل وضع ثانی ہے، اس لئے عدل کے وقت جو وصفیت پائی جائے گی اس کا درجہ ایسا ہے جیسا کہ وضع کے وقت پائی گئی اور وضع کے وقت جو وصفیت ہوگی وہ اصل ہوگی اور اربع تو وہ اربعۃ اربعۃ سے معدول نہیں ہے۔

سوال: اسود، ارقم اور ادھم سے کیا مقصد ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اسود، ارقم اور ادھم میں وضع کے وقت وصفیت تھی، بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہوگئی ہے، تو اس غلبہ کا کوئی اثر نہ ہوگا اور یہ کلمات بدستور غیر منصرف رہیں گے، ان کلمات میں اسمیت کا غلبہ اس طرح ہوا ہے کہ اسود کالے سانپ کا، ارقم چت کبرے سانپ کا

اور ادھم بیڑی کا نام ہو گیا ہے، لیکن ابھی معلوم ہوا کہ اس غلبہ کا کوئی اثر نہیں، اس لئے یہ کلمات وصف اصلی اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔

اگر معنیٔ اسمی میں ان کا استعمال نہ ہو بلکہ اپنے معانیٔ اصلیہ میں استعمال ہو، جس میں اسمیت کا شائبہ نہ ہو، تو پھر ان کا غیر منصرف ہونا بالکل ظاہر ہے کہ وصف اصلی کے ساتھ دوسرا سبب وزن فعل ہے۔

سوال: عبارت فلذلک صرف اربع میں ذا اسم اشارہ واحد ہے لیکن مشار الیہ دو ہیں (۱) اصل وضع میں وصف کا شرط ہونا (۲) اسمیت کا غلبہ کا وصف کو ضرر نہ دینا، صحیح عبارت (فَلِذَیْنِکَ صُرِفَ) اس طرح ہونی چاہئے؟

جواب: ذا اسم اشارہ واحد ہے اور عبارت میں اس کا مشار الیہ دو نہیں بلکہ ایک ہی ہے اور وہ اصل وضع میں وصف کا شرط ہونا ہے، اب عبارت پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

سوال: نسوۃ موصوف مؤنث ہے اور اربع صفت مذکر ہے، موصوف صفت میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: در اصل عبارت مررت بنسوۃ موصوفۃ باربع کی تاویل میں ہے، لہذا کوئی سوال نہیں ہوگا۔

سوال: صُرِفَ اَرْبَع میں اربع مجرور کیوں، نائب فاعل ہے، مرفوع ہونا چاہئے؟

جواب: اربع میں اعراب حکائی ہے ورنہ اعراب مرفوع ہوتا۔

اعراب حکائی وہ اعراب ہے جس میں موجودہ عامل کا اعتبار نہ کیا جائے، بلکہ سابق عامل کا اعتبار کرتے ہوئے اعراب دیا جائے، یہاں پر اربع، مررت بنسوۃ اربع کی ترکیب میں مجرور تھا، اس کا اعتبار کیا۔

سوال : آپ نے وصف کے بارے میں فرمایا کہ اگر اصل وضع میں وصف پایا جاتا ہو اور بعد میں اسمیت کا غلبہ ہو جائے تو وہ مضر نہیں ہے، وصف اصلی کا اعتبار کر کے وہ غیر منصرف کا سبب ہوسکتا ہے، اس قول کی بنا پر افعی، اجدل، اخیل کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے؟ کیونکہ ان میں ایک سبب وصف اصلی ہے اور دوسرا سبب وزن فعل ہے، اس لئے کہ ان میں اگرچہ اسمیت غالب ہے، چنانچہ افعی سانپ کا نام ہو گیا اور اجدل شکرے کا نام ہو گیا اور اخیل ایک پرندہ کا نام ہے، جس کے پروں میں تل جیسے نشان ہوتے ہیں، لیکن آپ کے نزدیک اسمیت کا غلبہ مضر نہیں، وصف اصلی کا اعتبار کر کے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے، تو پھر اس میں ضعف کی کیا بات ہے؟

جواب: مصنفؒ کی عبارت ضعف منع افعیٰ سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہے۔

(۱) ان کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے (۲) غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے۔

سوال: ان کو غیر منصرف پڑھنا کیوں جائز ہے؟

جواب: ان کو غیر منصرف پڑھنا تو اس لئے جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں وصفیت کا گمان ہے، اس لئے غیر منصرف پڑھنے کی گنجائش ہے۔

افعی میں وصفیت : وہ فعوۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی خبث کے ہیں اور یہ معنیٰ وصفی ہے۔

اجدل میں وصفیت : وہ جدل سے مشتق ہے، جس کے معنی قوت کے ہیں اور یہ معنیٰ وصفی ہے۔

اخیل میں وصفیت : وہ خال سے مشتق ہے، جس کے معنی تل کے ہیں اور یہ معنیٰ وصفی ہے۔

گویا ان میں وصفیت کا گمان ہے، اس لئے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے۔

سوال: غیر منصرف پڑھنا ضعیف کیوں؟

جواب: غیر منصرف پڑھنا ضعیف اس لئے ہے کہ ان میں وصفیت کا صرف وہم ہے یقین نہیں ہے، اس لئے کہ ان کا استعمال وصفیت کے لئے نہ پہلے ہوا ہے اور نہ اب ہے، تو جب تک کوئی یقینی وجہ غیر منصرف کی نہ پائی جائے تو کلمہ کو منصرف ہی پڑھنا چاہئے، کیونکہ اسماء میں اصل انصراف ہے۔

التانیث

التانیث:

بالتاء شرطه العلمية والمعنوی كذلك

وشرط تحتم تاثيره :الزيادة على الثلثة أو تحرك الاوسط أو العجمة فهند يجوز صرفه وزينب وسقر وماه وجور ممتنع

ترجمہ: تانیث بالتاء اس کی شرط علمیت ہے۔

اور تانیث معنوی بھی اسی طرح ہے۔

اور تانیث معنوی کے وجوبی طور پر مؤثر ہونے کی شرط تین حروف سے زیادہ ہونا، یا درمیانی حرف کا متحرک ہونا، یا عجمی ہونا ہے پس ہند منصرف پڑھنا جائز ہے اور زینب اور سقر (جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے) اور ماہ اور جور (دوشہروں کے نام) غیر منصرف ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا تیسرا سبب: تانیث

اسم کا مونث ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہے۔ پس تانیث بالالف کے لئے (خواہ الف ممودہ ہو یا الف مقصورہ) کوئی شرط نہیں اور تانیث بالتاء کے لئے علمیت شرط ہے، جیسے طلحة۔۔۔۔

اور تانیثِ معنوی کے لئے بھی علمیت شرط ہے، مگر فرق یہ ہے کہ تانیث بالتاء میں علمیت کی شرط وجوب کے لئے ہے اور تانیث معنوی میں یہ شرط جواز کے لئے ہے۔

وجوب کے لئے تین باتوں میں سے ایک بات شرط ہے (۱) کلمہ تین حرف سے زائد ہوں جیسے زینب، مریم (۲) اگر کلمہ تین حرفی ہو تو درمیانی حرف متحرک ہو جیسے سقر (دوزخ) (۳) اگر درمیانی حرف ساکن ہو تو ضروری ہے کہ وہ عجمی زبان کا لفظ ہو جیسے ماہ، جور (دو شہروں کے نام)۔

پس اگر عربی زبان کا لفظ ہو جیسے ھند (عورت کا نام) تو اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ منصرف اس لئے کہ غیر منصرف کے لئے جو تین باتیں ضروری تھیں وہ نہیں پائی جاتیں اور غیر منصرف اس لئے کہ دو سبب (تانیث معنوی اور معرفہ) موجود ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے تیسرا سبب تانیث کو بیان کرنا ہے۔

سوال: وصف کے بعد تانیث کو کیوں ذکر کیا؟

جواب: وصف اور تانیث دونوں مشترک ہیں۔

سوال: وصف اور تانیث دونوں کس چیز میں مشترک ہیں؟

جواب: جس طرح وصف منقسم ہوتا ہے اصلی اور عارضی کی طرف، اسی طرح تانیث بھی اصلی اور عارضی کی طرح منقسم ہوتی ہے۔

اور جس طرح غیر منصرف کے لئے وصف اصلی مؤثر ہے، اسی طرح غیر منصرف کے لئے تانیث اصلی مؤثر ہے۔

سوال: تانیث کی کتنی قسمیں ہیں اور کونسی؟

جواب: تانیث کی دو قسمیں ہیں (۱) تانیث لفظی (۲) تانیث معنوی۔

سوال: تانیث لفظی کسے کہتے ہیں؟

جواب: تانیث لفظی اس تانیث کو کہتے ہیں جس کا تلفظ کیا جا سکے۔

فائدہ: تانیث لفظی سے وہ تانیث مراد ہے، جس میں علامت تانیث حقیقۃ ملفوظ ہو جیسے ناقۃ۔

اور کبھی تانیث لفظی سے وہ تانیث بھی مراد ہوتی ہے، جس کے مقابلے میں حیوان مذکر نہ ہو جیسے سقر۔

تانیث لفظی کے ان دو معنوں کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، کیونکہ ظلمۃ پر تانیث لفظی کے دونوں معنی صادق آتے ہیں، اور ناقۃ پر پہلا معنی صادق آتا ہے نہ کہ دوسرا اور سقر پر دوسرا معنی صادق آتا ہے نہ کہ پہلا۔

سوال: تانیث لفظی کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: تانیث لفظی کی دو قسمیں ہیں (۱) تانیث بالتاء (۲) تانیث بالالف

سوال: تانیث بالتاء کسے کہتے ہیں؟

جواب: تانیث بالتاء اس تاء کو کہتے ہیں جو کلمہ کے اخیر میں آئے اور اس سے پہلے فتح آئے اور وقف کی حالت میں ہاء بن جاتی ہو جیسے حامدۃ کی تاء۔

سوال: تانیث بالالف کسے کہتے ہیں؟

جواب: تانیث بالالف ایسی تانیث کو کہتے ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ یا الف ممدودہ آئے۔

سوال: تانیث بالتاء غیر منصرف کے لئے مطلقا سبب ہے؟

جواب: نہیں بلکہ تانیث بالتاء کے لئے علمیت شرط وجوبی ہے۔

سوال: تانیث بالتاء میں علمیت شرط کیوں؟

جواب: تانیث بالتاء کلمہ کے اخیر میں آتی ہے اور تغیر کو قبول کرتی ہے اور جو چیز اخیر میں آتی ہے اور تغیر کو قبول کرتی ہے، اس کو عامۃً گرادیا جاتا ہے، اس لئے علمیت کو شرط قرار دیکر اس کو حذف سے محفوظ کر دیا، کیونکہ علم میں تغیر نہیں ہوتا ہے، اور حذف سے محفوظ ہونا اتنی قوت وطاقت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ غیر منصرف کا سبب بن سکے۔

تنبیہ: تانیث بالتاء کو غیر منصرف کا سبب بنانے کے لئے علمیت شرط ہے، نہ کہ مطلقاً چنانچہ قائمۃ میں تانیث بالتاء ہے، لیکن علمیت نہیں ہے۔

المعنوی۔

سوال: المعنوی، اسم منسوب ہے اور اسم منسوب ہمیشہ صفت ہوتا ہے تو اس کا موصوف کیا ہے؟

جواب: اس کا موصوف ''التانیث'' محذوف ہے جیسے :التانیث المعنوی۔

سوال: تانیث معنوی کسے کہتے ہیں؟

جواب: تانیث معنوی اس تانیث کو کہتے ہیں جس کا تلفظ نہ کیا جا سکے۔

سوال: تانیث معنوی غیر منصرف کے لئے مطلقا سبب ہے؟

جواب: نہیں، بلکہ تانیث معنوی میں دو قسم کی شرطیں ہیں (۱) جوازی

(۲)وجوبی۔

سوال: جوازی شرط کیا ہے؟

جواب: جوازی شرط علمیت ہے۔

سوال: وجوبی شرط کیا ہے؟

جواب: وجوبی شرط تین ہیں ، اور تینوں میں سے کوئی ایک پائی جانی چاہئے۔

(۱)زیادۃ علی الثلاثۃ (اسم تین حرف سے زیادہ ہو) جیسے: زینب۔

(۲) اگر وہ اسم چار حرفی نہ ہو تین حرفی ہو تو متحرک الاوسط (درمیانی حرف متحرک) ہو۔

(۳)عجمۃ کا ہونا۔

سوال: تانیث معنوی میں زیادۃ علی الثلاثۃ کی شرط کیوں؟

جواب: تانیث معنوی میں تاء لفظوں میں نہیں ہوتی لہذا تین حرف سے زائد جو حرف ہوگا وہ تانیث کے قائم مقام ہو جائے گا،جس کی وجہ سے ایک قسم کی مضبوطی پیدا ہوگی ، جو اسم کو منصرف کی فہرست سے نکال کر غیر منصرف کی فہرست میں داخل کردے گی۔

سوال: دوسری شرط متحرک الاوسط کیوں لگائی ؟

جواب: جب درمیانی حرف متحرک ہوگا تو حرکت چوتھے حرف کے قائم مقام ہو جائے گی اگر فتحہ تو الف ،کسرہ ہو تو یاء اور ضمہ ہو تو واؤ کے قائم مقام ہو جائے گا اور چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہو جائے گا،جس کی وجہ سے ایک قسم کی مضبوطی پیدا ہوگی ، جو اسم کو منصرف کی فہرست سے نکال کر غیر منصرف کی فہرست میں داخل کردے گی۔

فائدہ: عجمہ کہتے ہیں وہ کلمہ جو عجمی ہو، عربی نہ ہو جیسے: سقر۔

سوال: عجمة کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: جب وہ اسم عجمی ہوگا تو اہل زبان (اہل عرب کی زبان) پر ثقالت اور دشواری پیدا کرے گا اور یہی دشواری اتنی قوت پیدا کر دے گی، جس کی وجہ سے ایک قسم کی مضبوطی پیدا ہوگی جو اسم کو منصرف کی فہرست سے نکال کر غیر منصرف کی فہرست میں داخل کر دے گی۔

فائدہ: سقر، دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔

فائدہ: دوزخ کے سات طبقے ہیں (۱) ھاویة: جس میں منافقین، آل فرعون اور اصحاب مائدہ رکھے جائیں گے۔

(۲) لظی: جس میں مجوسی و ابلیس اور اسکی اتباع کرنے والے رکھے جائیں گے۔

(۳) حطمة: جس میں یہودی رہیں گے۔

(۴) سعیر: جس میں نصاری رہیں گے۔

(۵) سقر: جس میں ستارے پرست ڈالے جائیں گے۔

(۶) جحیم: جس میں مشرکین ڈالے جائیں گے۔

(۷) جھنم: جس میں سب سے ہلکا عذاب ہوگا اس میں امت مرحومہ کے گنہگار کچھ مدت کے لئے رکھیں جائیں گے۔

سوال: ھند کو غیر منصرف پڑھا جائے گا یا منصرف پڑھا جائے گا؟

جواب: ھند غیر منصرف اور منصرف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: ھند غیر منصرف کیوں؟

جواب: ھند میں دو سبب پائے جاتے ہیں (۱) تانیث معنوی (۲) علم،

اس لئے غیر منصرف پڑھا جائے گا۔

سوال: ھند منصرف کیوں؟

جواب: ھند میں وجوبی شرط (تینوں میں سے) کوئی بھی نہیں پائی جاتی اس لئے ھند کو منصرف پڑھا جائے گا۔

(قاعدۃ)

فان سمی به مذکر :فشرطه الزیادۃ علی الثلثة فقدم منصرف وعقرب ممتنع-

ترجمہ: پس اگر اس کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے، پس اس کی شرط تین حرف سے زیادہ ہونا ہے، پس قدم منصرف ہے اور عقرب غیر منصرف ہے۔

مختصر تشریح

اگر کسی مؤنث معنوی (مونث سماعی) کے ذریعہ مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کے غیر منصرف ہونے کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ کلمہ تین حرف سے زائد ہوں، باقی دو شرطیں (درمیانی حرف کا متحرک ہونا یا عجمی زبان کا لفظ ہونا) کافی نہیں۔ پس قدم (پیر) جو مونث معنوی ہے اگر اس کے ذریعہ کسی آدمی کا نام رکھ دیا جائے تو بھی وہ منصرف ہوگا، کیونکہ کلمہ تین حرفی ہے، اگر چہ درمیانی حرف متحرک ہے، مگر یہ شرط یہاں معتبر نہیں۔ اور عقرب (بچھو) جو مونث معنوی (سماعی) ہے، اس کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو غیر منصرف ہوگا، کیونکہ کلمہ چار حرفی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تانیث معنوی کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا تو غیر منصرف پڑھنے کے لئے زیادۃ علی الثلاثۃ ہونا ضروری ہے، درمیانی حرف کا متحرک ہونا یا عجمی زبان کا لفظ ہونا کافی نہیں، جیسے عقرب کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو غیر منصرف ہوگا، اس لئے کہ علم کے ساتھ زیادۃ علی الثلاثۃ کی شرط موجود ہے، لیکن اگر قدم کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو غیر منصرف نہیں ہوگا، بلکہ منصرف ہوگا، اس لئے کہ علم کے ساتھ زیادۃ علی الثلاثۃ کی شرط موجود نہیں ہے۔

سوال: زیادۃ علی الثلاثۃ کی قید کیوں لگائی؟

جواب: زیادۃ علی الثلاثۃ کی قید اس لئے لگائی کہ چوتھا حرف براہ راست تانیث کے قائم مقام بنتا ہے۔

سوال: متحرک الاوسط کی شرط کیوں نہیں لگائی؟

جواب: متحرک الاوسط کی شرط اس لئے نہیں لگائی کہ حرکت چوتھے حرف کے قائم مقام ہوتی ہے پھر چوتھا حرف تاء کے قائم مقام ہوتا ہے گویا واسطہ ہے اس لئے وہ کمزور ہے۔

جیسے قدم اس کو منصرف پڑھا جائے گا، اگر کسی مذکر کا نام رکھا گیا، کیونکہ زیادۃ علی الثلاثۃ کی شرط نہیں پائی گئی۔

سوال: عجمہ کو شرط کیوں قرار نہیں دیا؟

جواب: عجمہ کا اثر ظاہر میں نہیں ہوتا بلکہ تلفظ میں ہوتا ہے، اس لئے یہ کمزور ہے اس لئے شرط نہیں لگائی۔

المعرفہ

المعرفة :شرطها :ان تكون علمية

ترجمہ:معرفہ،اس کی شرط علم ہونا ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا چوتھا سبب: معرفہ ہے۔

معرفہ: وہ اسم ہے جو متعین چیز پر دلالت کرے۔ ایسے اسماء سات ہیں، مگر غیر منصرف کا سبب صرف علمیت ہے، اس لئے معرفہ اور علمیت کا ایک ہی مطلب ہے یہی مطلب ہے شرطها ان تكون علمية کا۔ دیگر اسمائے معرفہ جیسے ضمیر، اسم موصول، وغیرہ غیر منصرف کا سبب نہیں ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے چوتھا سبب معرفہ کو بیان کرنا ہے۔

سوال: تانیث بالتاء کے بعد معرفہ کو کیوں بیان کیا؟

جواب: (۱) تانیث بالتاء میں علمیت شرط تھی اور علمیت یہ معرفہ کی ایک قسم ہے، اس لئے تانیث بالتاء کے بعد معرفہ کو بیان کیا۔

جواب: (۲) تفصیل اجمال کے مطابق رہے اور اجمال میں تانیث کے بعد معرفہ آیا ہے، تو تفصیل میں بھی تانیث کے بعد معرفہ لائے۔

سوال: معرفہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: معرفہ، وہ کلمہ ہے جو شئ معین کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے: زیدٌ۔

سوال: معرفہ، غیر منصرف کا سبب مطلقا ہوگا یا کسی شرط کے ساتھ؟

جواب: معرفہ، غیر منصرف کا سبب بنے گا مطلقا نہیں بلکہ شرط کے ساتھ اور وہ ہے علمیت کا ہونا۔

سوال: معرفہ کے بہت سارے اقسام ہیں، علمیت کو شرط کیوں قرار دیا؟

جواب: معرفہ کے اقسام میں سے بعض مبنی ہیں جیسے اسم اشارہ، اسم موصول وغیرہ اور یہاں بحث چل رہی ہے منصرف اور غیر منصرف کی اور یہ دونوں اسم معرب ہیں اور بعض اقسام غیر منصرف کو منصرف بنادیتے ہیں، جیسے معرّف بالام، اضافت وغیرہ اور بحث غیر منصرف کی ہے، اب باقی رہا علم، تو علم ہی کو غیر منصرف کے لئے شرط بنادیا۔

سوال: مصنف علم ہی کو غیر منصرف کا سبب بنادیتے تو عبارت طویل نہ ہوتی، حالانکہ معرفہ کو سبب اور علمیت کو شرط قرار دیا؟

جواب: (۱) غیر منصرف کا سبب نظم میں معرفہ لکھا ہے، اس لئے مصنفؒ نے معرفہ کو سبب اور علمیت کو شرط مانا اور نظم میں معرفہ اس لئے لکھا ہے کہ شعر کے وزن میں خلل نہ آوے۔

جواب: (۲) غیر منصرف کی علت کا مدار فرع ہونے پر ہے اور تعریف کو تنکیر کی فرع ماننا علم کے مقابلہ میں اظہر ہے۔

العجمہ

العجمة :شرطها :ان تكون علمية فى العجمة وتحرك الاوسط اوالزيادة على الثلثة فنوح منصرف وشتر وابراهيم ممتنع

ترجمہ: عجمہ اس کی شرط علم ہونا ہے اور درمیانی حرف متحرک ہونا یا تین حروف سے زائد ہونا ہے پس نوح منصرف ہے اور شتر (ایک قلعہ کا نام ہے) اور ابراہیم غیر منصرف ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا پانچواں سبب: عجمہ ہے

عجمہ کے معنی ہیں: غیر عربی زبان کا لفظ ہونا۔ عجمہ کے لئے بھی علمیت شرط ہے (ضروری ہے کہ عجمی زبان میں نام ہو) اور یہ بھی شرط ہے کہ (ا) کلمہ میں تین حرف سے زائد ہوں۔ جیسے ابراھیم (۲) اور اگر کلمہ تین حرفی ہو تو درمیانی حرف متحرک ہو جیسے شتر (ایک قلعہ کا نام) پس نوح اور لوط منصرف ہیں، کیونکہ درمیانی حرف ساکن ہے۔ اور ابراھیم بھی غیر منصرف ہے، کیونکہ اس میں تین حروف سے زائد ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے ایک سبب عجمہ کو بیان کرنا ہے۔

عجمہ کے لغوی معنیٰ گونگا ہونا، بے زبان ہونا اصطلاح نحوین میں عجمہ کہا جاتا ہے کلمہ کو غیر عربی (عجمی) نے وضع کیا ہو۔

سوال: عجمہ، غیر منصرف کا سبب مطلقا بنے گا یا اس میں کوئی شرط ہے؟

جواب: عجمہ، غیر منصرف کا سبب بنے گا مطلقا نہیں بلکہ اس کے لئے شرائط ہیں۔

سوال: کتنی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے؟

جواب: دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

سوال: وہ دو شرطیں کونسی ہیں؟

جواب: (۱) عجم میں کسی کے لئے علَم ہو۔

سوال: عجمہ کا کیا مطلب؟

جواب: عجمہ کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب کے استعمال سے پہلے عجمی حضرات نے اس کو وضع کیا ہو خواہ حقیقۃً علم ہو جیسے ابراھیم، اسماعیل وغیرہ یا حکماً علم ہو جیسے قالون، اس کو اہل عجمہ نے اچھی چیز کے لئے وضع کیا تھا، لیکن اہل عرب اس کا استعمال مخصوص قاری نافع پر کرنے لگے۔

سوال: عجمہ کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے علمیت شرط کیوں ہے؟

جواب: جب یہ کلمہ عجمی ہوگا تو اہل عرب کے زبان پر ثقل پیدا کرے گا، اس وجہ سے اہل عرب اس میں تغیر وتبدل کی کوشش کریں گے، لیکن جب علمیت شرط لگادی تو کلمہ تغیر وتبدل سے محفوظ ہو جائے گا اور اتنی قوت پیدا کردے گا جو غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے کافی ہو جائے گی۔

(۲) دوسری شرط میں دو صورتیں ہیں (۱) متحرک الاوسط (۲) زیادۃ علی الثلاثۃ۔

سوال: متحرک الاوسط اور زیادۃ علی الثلاثۃ کی قید کیوں لگائی ؟

جواب: ثقالت کو ظاہر کرنے کے لئے اس لئے کہ متحرک الاوسط وزیادۃ علی الثلاثۃ کا تلفظ ثقیل ہوجاتا ہے اور یہی ثقالت اتنی طاقت پیدا کر دیتی ہے جو غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے کافی ہوتی ہے، دونوں کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری نہیں بلکہ ایک پایا جائے تو کافی ہے۔

سوال: نوح، کیا ہے؟

جواب: نوح، منصرف ہے۔

سوال: نوح، کیوں منصرف ہے؟

جواب: نوح، منصرف اس لئے ہے کہ نوح یہ عجمی زبان کا لفظ ہے لیکن جو دو شرطیں (تحرک الاوسط اور زیاۃ علی الثلاثۃ) ہیں ان میں سے ایک بھی شرط موجود نہیں ہے، اس بناء پر اس کو منصرف پڑھیں گے۔

سوال: شتر، کیا ہے؟

جواب: شتر، غیر منصرف ہے۔

سوال: شتر، غیر منصرف کیوں ہے؟

جواب: شتر (یہ ایک قلعہ کا نام ہے) عجمی زبان کا لفظ ہے، اس کو غیر منصرف اس لئے پڑھیں گے کہ اس میں علمیت اور تحرک الاوسط دونوں شرطیں پائی گئیں۔

سوال: ابراھیم، کیا ہے؟

جواب: ابراھیم، غیر منصرف ہے۔

جواب:: ابراھیم، عجمی زبان کا لفظ ہے، اس میں علمیت اور زیادۃ علی الثلاثۃ ہے، اس لئے اس کو غیر منصرف پڑھیں گے۔

سوال: بحث چل رہی ہے غیر منصرف کی اور نوح منصرف کی مثال کو مقدم کیا، حالانکہ غیر منصرف کی مثال کو پہلے لانا چاہئے؟

جواب: مصنف نے بعض حضرات کے قول کی تردید کرنے کے لئے منصرف کی مثال (نوح) کو مقدم کیا اس لئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نوح کو ھند کے ساتھ مشابہت ہے، اس لئے غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ مصنفؒ نے نوح کو مقدم کر کے بتایا کہ نوح کا قیاس کرنا ھند پر یہ درست نہیں ہے یہ غیر منصرف نہیں بلکہ منصرف ہوگا۔

سوال: فرشتوں کے نام منصرف ہیں یا غیر منصرف ہیں؟

جواب: قاعدہ اکثریہ ہے کہ سب کے سب فرشتوں کے نام غیر منصرف ہیں۔

سوال: انبیاء کرام کے تمام نام منصرف ہیں یا غیر منصرف ہیں؟

جواب: چھ نام کے علاوہ تمام غیر منصرف ہیں (۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۲) صالح علیہ الصلوۃ والسلام (۳) شعیب علیہ الصلوۃ والسلام (۴) ھود علیہ الصلوۃ والسلام (۵) نوح علیہ الصلوۃ والسلام (۶) لوط علیہ الصلوۃ والسلام۔ بعض نے اور دو بڑھائے ہیں (۱) عزیر علیہ الصلوۃ والسلام (۲) شیث علیہ الصلوۃ والسلام۔

شعر: درہمی خواہی دانی اسم ہر پیغمبر تا کید آمد است اے برادر نزد نحوی منصرف
صالح وہود و محمد با شعیب و نوح و لوط منصرف داں و دگر باقی ہمہ لاینصرف۔

سوال: شہروں اور قبائل کے نام منصرف یا غیر منصرف؟

جواب: مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں علمیت کے ساتھ کوئی دوسرا سبب ظاہر ہے تو یقینی طور پر غیر منصرف ہوں گے جیسے: باھلة، تغلب، خراسان۔

(۲) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں علمیت کے ساتھ کوئی دوسرا سبب ظاہر نہیں، پھر بھی اہل عرب اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں تو ہم بھی غیر منصرف پڑھیں گے جیسے: سدوس خندف، ھجر، عمان۔

(۳) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں علمیت کے ساتھ کوئی دوسرا سبب ظاہر نہیں، پھر بھی اہل عرب اس کو منصرف پڑھتے ہیں تو ہم بھی منصرف پڑھیں گے جیسے ثقیف، معد، حنین، دابق۔

(۴) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں علمیت کے ساتھ کوئی دوسرا سبب ظاہر نہیں، اور اہل عرب ان کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھتے ہیں، تو ہم بھی ان کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھیں گے جیسے: ثمود، واسط اور قریش۔

(۵) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں اہل عرب سے استعمال کرنے کی کوئی کیفیت معلوم نہیں تو ان میں بھی منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہوگا ،تاویل بالأم کریں تو غیر منصرف اور تاویل بالاب کریں تو منصرف۔

سوال: سورتوں کے نام منصرف ہیں یا غیر منصرف؟

جواب: قرآن کریم کی سورتوں کے ناموں کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) وہ سورتیں جن کے ناموں کے شروع میں الف ولام ہے، ان کو منصرف ہی پڑھیں گے جیسے الانفال، الانعام اور الاعراف۔

(۲) وہ سورتیں جن کے ناموں کے شروع میں الف لام نہیں، ان میں تفصیل ہے، اگر اس کی طرف سورۃ کی اضافت نہ کی جائے تو ان کو غیر منصرف پڑھیں گے (علمیت اور تانیث کی وجہ سے) جیسے ھذہ ھودُ۔

اور اگر سورۃ کی اضافت کی جائے تو منصرف (گو علمیت کے ساتھ عجمہ ہے، لیکن عجمہ کی شرط نہ دارد) جیسے قرأتُ سورۃ ھودٍ۔ ہاں! اگر منصرف پڑھنے سے کوئی

مانع ہوتو اس صورت میں اضافت کے باوجود اس کو غیر منصرف پڑھا جائے گا جیسے سورۃ یونس۔

(۳) وہ سورتیں جو حروفِ ہجا کے نام سے موسوم ہیں جیسے ص، ن، ق وغیرہ تو دوصورتیں جائز ہیں (۱) مبنی علی السکون، اس لئے کہ حروف جیسے ہوتے ہیں ویسے ہی ان کی حکایت کی جاتی ہے۔(۲) معرب اس لئے کہ وہ حروف ہجا کے اعلام اور نام ہیں اور اعلام ونام اسم ہوتے ہیں اور اسم میں اصل معرب ہونا ہے۔

فائدہ: اگر ان حروف کو اسم مان کر معرب پڑھیں، تو حرف کی تذکیر کا اعتبار کرتے ہوئے منصرف اور تانیث کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے ،خواہ اس کی طرف سورۃ کی اضافت کریں یا نہ کریں۔

مبنی علی السکون کی مثال: قرات صاداوسورۃ صاد۔

غیر منصرف، تانیث کا اعتبار کرتے ہوئے: قرات صاداوسورۃ صاد۔

منصرف، تذکیر کا اعتبار کرتے ہوئے: قرات صاداوسورۃ صادٍ۔

(۴) وہ سورتیں جن کے ناموں کے اوزان عجمی اوزان کے مطابق ہیں، جیسے حم، طس اوریس وغیرہ، تو ان میں ابن عصفورؒ نے حکایت کا اعتبار کرتے ہوئے مبنی علی السکون کو واجب قرار دیا ہے۔

علامہ الشلو بینؒ نے مبنی علی السکون کے ساتھ اعراب کو بھی جائز قرار دیا ہے اور اعراب میں ھابیل اور قابیل کے ہم وزن ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

(۵) وہ سورتیں جن کے نام مرکب ہیں جیسے طسم اگر ان کی طرف سورۃ کی اضافت نہ کی جائے تو ابن عصفورؒ اور علامہ الشلو بینؒ کی وہی رائے ہے، جو ماقبل میں مذکور ہوئی۔ اور تیسری رائے یہ ہے کہ دونوں جز خمسۃ عشر کی طرح مبنی علی الفتح ہوں گے۔

اگران کی طرف سورۃ کی اضافت کی جائے،تو جزءاول طسم مبنی علی الفتح ہوگا اور جزءثانی میم پر بعلبک کی طرح اعراب جاری ہوگا۔

نیز جزءاول طسم کو مابعد کی طرف مضاف قرار دے کرنون پر مضاف کی طرح اعراب جاری کریں گے اور جزءثانی میں میم مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگی،لیکن ''میم'' میں تذکیر کا اعتبار کرتے ہوئے منصرف پڑھنا جائز ہے اور جر کسرہ کے ساتھ ہوگا،اور''میم'' میں تانیث کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے، اور جر فتحہ کے ساتھ ہوگا۔

البتہ کھیعص اور حم عسق میں حکایت (مبنی علی السکون) کے علاوہ کوئی اور صورۃ جائز نہیں،خواہ سورۃ کی اضافت کی جائے یا نہ کی جائے۔

الجمع

الجمع : شرطه : صيغة منتهى الجموع بغير هاء كمساجدو مصابيح: و أما فرازنة فمنصرف۔

ترجمہ: جمع تو اس کی شرط منتہی الجموع کا ایسا وزن ہے جو بغیر ہاء کے ہو جیسے: مساجد اور مصابیح اور بہر حال فرازنۃ تو وہ منصرف ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا چھٹا سبب: جمع ہے

جمع: سے مراد یہ ہے کہ وہ اسم منتہی الجموع کے وزن پر ہو۔ یہ دو، وزن ہیں:

(ا) مفاعل شروع میں دوحرف مفتوح ہوں (میم کا ہونا ضروری نہیں) اور تیسری جگہ

الف ہو، اور اس کے بعد دو حرف ہوں، خواہ جدا جدا ہوں خواہ مدغم جیسے مساجد اور دواب (چوپایے)۔

(۲) مفاعیل: شروع میں دو حرف مفتوح ہو (میم کا ہونا ضروری نہیں) اور تیسری جگہ الف ہو اور اس کے بعد تین حروف ہوں اور درمیان میں حرفِ ساکن ہو جیسے مصابیح (چراغ) لیکن اگر جمع کے آخر میں ''تائے تانیث'' آ سکتی ہو تو وہ لفظ غیر منصرف نہ ہو گا جیسے صیاقلة (تلواروں کو تیز کرنے والے) اسی طرح فرازنة، فرزون کی جمع (شطرنج کی ایک گوٹی جس کو وزیر کہتے ہیں) بھی منصرف ہے، کیونکہ ان کے آخر میں تاء تانیث موجود ہے، جو حالت وقف میں (ہ) ہو جاتی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جمع غیر منصرف کا سبب ہے۔

سوال: جمع، غیر منصرف کا سبب کب بنے گا؟

جواب: جمع، غیر منصرف کا سبب اس وقت بنے گا جبکہ جمع، منتهى الجموع کے وزن پر آئے۔

سوال: جمع منتہی الجموع کی تعریف کیا ہے؟

جواب: جمع منتہی الجموع کہا جاتا ہے ایسی جمع مکسر کو جس پر جمع کی انتہاء ہو۔

سوال: جمع منتہی الجموع کے اوزان کیا ہیں؟

جواب: جمع منتہی الجموع کے مشہور اوزان دو ہیں۔

(۱) مفاعل: جس کا پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہو جیسے مساجد (۲) مفاعیل: جس کا پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف

الف ہواور الف کے بعد تین حروف ہوں اور درمیان ساکن ہواور اخیر میں گول ''ۃ'' نہ ہو۔

فائدہ: ہدایت النحو میں دواب کو بھی جمع منتھی الجموع کا وزن بیان کیا ہے۔

دواب: پہلا حرف مفتوح ہواور تیسرا حرف الف ہوالف کے بعد حرف مشدد ہو۔

فائدہ: استقراء کے مطابق جمع منتہی الجموع کے سترہ اوزان ہیں جو مندرجۂ ذیل ہیں۔

(۱) مفاعل جیسے مساجد (۲) فواعل جیسے جواھر (۳) افاعل جیسے اصابع (۴) فعالل جیسے جعافر (۵) فعائل جیسے صحائف (٦) فعالی جیسے ذراری (۷) فعالی جیسے صحاری و ثنایا (۸) فعالن جیسے بلاغن (۹) تفاعل جیسے تجارب (۱۰) تفاعیل جیسے تماثیل (۱۱) مفاعیل جیسے مصابیح (۱۲) فعالیل جیسے قنادیل (۱۳) فعالیل جیسے اقالیم (۱۴) فعالین جیسے سلاطین (۱۵) فعالی جیسے کراسی (۱٦) فعاللة جیسے ملائکہ، فرازنة (۱۷) افاعلة جیسے اشاعرة۔

فائدہ: ان سترہ اوزان میں سے آخری دو وزن منصرف ہیں کیونکہ ان دونوں میں تاء تانیث ہے یا یوں سمجھئے کہ ان دونوں میں الف جمع کے بعد تین حروف میں سے درمیانی حرف ساکن نہیں ہے، باقی چودہ وزن غیر منصرف ہیں، لیکن ساتواں وزن بعض علماء کے نزدیک جمع منتہی الجموع کا وزن نہیں ہے، مگر اس کے باوجود وہ اسکو غیر منصرف ہی مانتے ہیں، کیونکہ اسکے اخیر میں الف مقصورہ ہے۔

سوال: جمع منتہی الجموع، دوسبب اور دو علتوں کے قائم مقام کیوں ہے؟

جواب: (۱) جمع منتہی الجموع، دوسبب اور دو علتوں کے قائم مقام اسلئے ہے کہ اس وزن پر جو جمع کے صیغے ہیں، کچھ تو ایسے ہیں جن میں حقیقۃ تکرار پایا جاتا ہے،

جیسے اکالب جو اکلب کی جمع ہے اور اکلب یہ کلب کی جمع ہے اور اساوریہ جو اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ، سوار (کنگن) کی جمع ہے اور اناعیم جو انعام کی جمع ہے اور انعام یہ نعم کی جمع ہے بمعنی چوپایہ۔ ان تینوں مثالوں میں جمع حقیقۃ مکرر ہے۔

اور کچھ صیغے ایسے ہیں جن میں تکرار حکماً ہے جیسے مساجداور مصابیح ان میں جمع حقیقۃ مکرر نہیں ہے، لیکن یہ ان جموع کے وزن پر ہیں جن میں حقیقۃ تکرار ہے، مثلاً مساجد، اکالب کے وزن پر ہے اور مصابیح، اناعیم کے وزن پر ہے اور اکالب اور اناعیم میں حقیقۃ جمع مکرر ہے، اس لئے ان کے ہم وزن جو کلمے ہوں گے ان میں بھی تکرارِ جمع کا حکم لگایا جائے گا اور دونوں قسم کے صیغے تکرارِ جمع کی وجہ سے دو فرع ہوں گے، جس کی وجہ سے فعل کے مشابہ ہو جائیں گے، جس طرح فعل میں دوفرعیں ہیں اسی طرح اس وزن پر جمع کے جو صیغے آئیں گے ان میں بھی دوفرعیں ہو جائیں گی اور فعل کی مشابہت کی وجہ سے کسرہ اور تنوین نہ آئیں گے۔

(۲) جمع منتہی الجموع میں دو چیزیں ہیں (۱) اس کا جمع ہونا (۲) جمع تکسیر کی انتہاء کالازم اور ضروری ہونا، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اعتبار سے ایک ہی ہے، لیکن حقیقت میں دو ہیں، اس وجہ سے جمع منتہی الجموع دوسبب اور دوعلتوں کے قائم مقام ہو گیا۔

(فائدۃ)

وحضاجر: علما للضبع غیر منصرف لانہ منقول عن الجمع۔

ترجمہ: اور حضاجر بجّو کا علم غیر منصرف ہے، اس لئے کہ یہ جمع سے منقول ہے۔

مختصر تشریح

حضاجر : (بجو: لکڑ بھگا، ایک خونخوار جانور) منتھی الجموع کے وزن پر ہے، مگر جمع نہیں پس جمعیت نہیں تو یہ غیر منصرف کیوں ہے؟ مصنفؒ اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ درحقیقت حضجر (بڑے پیٹ والے) کی جمع ہے، پھر اس کو جمعیت سے نقل کر کے بجو کا نام رکھ دیا (بجو کے لئے اسم جنس بنا دیا) پس جمعیتِ اصلیہ کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہے، کیونکہ منتھی الجموع کے لئے جو جمعیت شرط ہے وہ عام ہے خواہ فی الحال ہو یا دراصل ہو، دونوں غیر منصرف کا سبب ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اعتراض کا جواب: دینا ہے۔

سوال: اعتراض کیا ہے؟

جواب: اعتراض یہ ہے کہ حضاجر مفاعل کے وزن پر ہے، لیکن حضاجر کا لفظ مفرد سے نہیں بنایا گیا بلکہ واضع نے اسکو اولاً بجو ہی کے لئے وضع کیا ہے، اس لئے کہ جمع کہا جاتا ہے جسکی اصل واحد ہو، یہاں حضاجر کا کوئی مفرد نہیں ہے۔

سوال: حضاجر کو کیوں غیر منصرف پڑھا گیا؟

جواب: دراصل حضاجر یہ حضجر کی جمع ہے، ابتدا میں حضجر کو وضع کیا گیا تھا ایسی شئ کے لئے جس کا پیٹ بڑا ہو، لیکن بعد میں دیکھا گیا کہ بجو کا پیٹ بھی بڑا ہوتا ہے، تو حضاجر کا لفظ بجو کے لئے استعمال ہونے لگا، گو ظاہر میں اس کا مفرد نہیں ہے، لیکن حقیقت میں وضع اول کے اعتبار سے حضاجر، حضجر کی جمع ہے

، گویا اس کا مفرد اصلا موجود ہے، پس وضع اول کی بنا پر غیر منصرف پڑھنا جائز ہوا۔ اس جواب: کی طرف مصنف نے لانه منقول عن الجمع سے اشارہ فرمایا۔

(فائدۃ)

و سراویل : اذا لم يصرف و هو الاكثر فقد قيل : اعجمي حمل على موازانه وقيل : عربي : جمع سروالة : تقديرا ، واذا صرف فلا اشكال۔

ترجمہ: اور سراویل جب کہ منصرف نہیں ہے اور یہی اکثر کا قول ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے اس کو اس کے ہم وزن پر محمول کرلیا گیا ہے اور کہا گیا کہ یہ عربی لفظ ہے تقدیراً سروالۃ کی جمع ہے اور جب اس کو منصرف پڑھا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔

مختصر تشریح

سراویل: شلوار کی عربی ہے اور منتہی الجموع کا وزن ہے، مگر جمع نہیں، پھر اس کو غیر منصرف کیوں پڑھا جاتا ہے؟

جواب: اکثر عرب اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور وہ اس کے غیر منصرف ہونے کی دو توجیہیں کرتے ہیں (۱) یہ عجمی لفظ ہے، اس کو عربی کے اس کے ہم وزن الفاظ پر محمول کیا گیا ہے جیسے مصابیح غیر منصرف ہے، اس لئے سراویل بھی غیر منصرف ہے۔

(۲) سراویل: کو سروالۃ کی جمع فرض کیا گیا ہے۔ اور جو حضرات اس کو

منصرف پڑھتے ہیں ان کے مذہب پر تو کوئی اشکال ہی نہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اعتراض کا جواب: دینا ہے۔

سوال: اعتراض کیا ہے؟

جواب: سراویل جمع منتھی الجموع کے وزن پر ہے، حالانکہ یہ کسی سے منقول ہو کر نہیں آیا بلکہ واضع نے اس کو پائجامہ کے لئے اسی طرح وضع کیا ہے، لہذا اس کو منصرف پڑھنا چاہئے، غیر منصرف کیوں پڑھا؟

سوال: سراویل کو کیوں غیر منصرف پڑھا؟

جواب: (۱) سراویل اگر عجمی لفظ ہے گو اس کا کوئی مفرد نہیں ہے لیکن عربی کلمہ مصابیح ومفاتیح کے ہم وزن ہے، ہم وزن ہونے کے بناء پر غیر منصرف ہوگا۔

(۲) اور اگر سراویل عربی لفظ ہے تو تقدیراً سروالۃ کی جمع مانیں گے، لہذا غیر منصرف پڑھنا صحیح ہوا، لیکن اگر اس کو منصرف پڑھا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔

(فائدۃ)

ونحو جوار رفعا وجرا کقاض۔

ترجمہ: اور جیسے جوار حالت رفعی اور حالت جری میں قاض کی طرح ہیں۔

مختصر تشریح

جو جمع، واوی یا یائی فواعل کے وزن پر ہو اور اس پر حرکت کے ذریعہ اعراب آتا ہو جیسے جوارِی: جاریۃ (باندی) کی جمع اور دواعی: داعیۃ کی جمع یہ حالت رفعی و جری میں حذفِ یاء اور تنوین کے داخل ہونے میں قاض کے مانند ہے جیسے: جائتنی جوار، رایت جواریَ، مررت بجوار۔

رہی یہ بات کہ جوار منصرف ہے یا غیر منصرف، تو اس میں اختلاف ہے، اس لئے مصنفؒ نے اس کو ذکر نہیں کیا، پس استعمال کا طریقہ بتادیا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ ہر وہ جمعِ منقوص جو فواعل کے وزن پر ہو چاہے یائی ہو یا واوی اس کا اعراب قاض کے مانند حالت رفع میں ضمۂ تقدیری اور حالت جری میں کسرۂ تقدیری ہوگا۔

سوال: بحث چل رہی ہے منصرف اور غیر منصرف کی اور مصنف نے نحو جوار رفعا و جرا کقاض سے وجہ اعراب کو بیان کیا، حالانکہ اعراب کی بحث تو پوری ہوگئی؟

جواب: دراصل جمعِ منقوص جو فواعل کے وزن پر ہو، چاہے واوی ہو یا یائی، اس کے غیر منصرف اور منصرف پڑھنے میں شدید اختلاف ہے۔ علامہ ابن حاجبؒ اسکو ذکر کرتے تو عبارت طویل ہو جاتی، طول عبارت سے اجتناب اور پرہیز کرتے ہوئے اعراب کی طرف اشارہ کردیا۔

سوال: شدید اختلاف کیا ہے؟

جواب: بطور تمہید کے ایک چیز کا جاننا ضروری ہے، کلمہ میں منصرف یا غیر منصرف پڑھنا مقدم ہے یا تعلیل مقدم ہے؟

بعض حضرات کے نزدیک منصرف یا غیر منصرف پڑھنا مقدم ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ میں تعلیل کی جاتی ہے ثقالت کو دور کرنے کے لئے، اور ثقالت کا علم تلفظ کے بعد ہوگا اور کلمہ کا تلفظ انصراف یا عدم انصراف کے ساتھ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ انصراف و عدم انصراف تعلیل پر مقدم ہوگا۔

بعض حضرات کے نزدیک تعلیل مقدم ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ تعلیل کا تعلق ذات کے ساتھ ہے اور انصراف یا انصراف کا تعلق صفت کے ساتھ ہے اور ذات مقدم ہوتی ہے صفت پر، اس سے معلوم ہوا کہ تعلیل مقدم ہے۔

اب جو حضرات انصراف اور عدم انصراف کو مقدم مانتے ہیں، تو ان کے نزدیک غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ تلفظ کے وقت وہ فواعل کے وزن پر ہوگا جو مفاعل کے ہم وزن ہوگا۔

اور جو حضرات تعلیل کو مقدم مانتے ہیں ان کے نزدیک منصرف ہوگا اس لئے کہ تعلیل کے بعد وہ فواعل ہم وزن مفاعل باقی نہیں ہے۔

سوال: جوار کی تشبیہ قاض کے ساتھ صحیح نہیں ہے، کیونکہ جوار یہ جمع ہے اور قاض مفرد ہے؟

جواب: جوار کو جو قاض کے ساتھ تشبیہ دینا یہ حکم میں ہے نہ کہ صیغہ میں۔

سوال: حکم میں بھی تشبیہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ قاض بالاتفاق منصرف ہے اور جوار غیر منصرف ہے؟

جواب: جوار کی تشبیہ قاض کے ساتھ صورۃ و شکلا ہے۔

سوال: صورۃ بھی تشبیہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ جوار یہ فواعل کے وزن پر ہے اور قاض یہ فاعل کے وزن پر ہے؟

جواب: جوار کی تشبیہ قاض کے ساتھ صورۃ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یاء حذف ہوکر تنوین داخل ہونے میں تشبیہ ہے، کہ جس طرح قاض میں یا حذف ہوتی ہے جوار میں بھی یا حذف ہوگی۔

فائدہ: جوار کا یہ اعراب اس وقت ہے جبکہ الف لام کے ساتھ آئے اگر بغیر الف لام کے ہوتو تینوں حالتوں میں جر کی تنوین کے ساتھ اعراب آئے گا جیسے جائتنی جوار، رأیت جوار، مررت بجوار۔

الترکیب

الترکیب : شرطه العلمية و ان لا یکون باضافة و لا اسناد مثل بعلبك۔

ترجمہ: ترکیب تو اس کی شرط علم ہونا اور ترکیبِ اضافی اور ترکیبِ اسنادی کا نہ ہونا ہے، جیسے بعلبک (ایک شہر کا نام ہے)۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا ساتواں سبب ترکیب ہے

ترکیب سے مراد مرکبِ منع صرف ہے، اس کا مطلب دو کلموں کو اسناد اور اضافت کے بغیر ملا دینا (اور دوسرا کلمہ نہ صوت ہو جیسے سیبویہ اور نہ حرف کو متضمن ہو جیسے ثلاثۃ عشر ترکیب کے سبب بننے کے لئے علمیت شرط ہے جیسے بعلبک،

حضرموت (شہروں کے نام ہے) معدیکریب (آدمی کا نام)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے ایک سبب ترکیب کو بیان کرنا ہے۔

سوال: ترکیب کے لغوی معنی کیا ہے؟

جواب: ترکیب کے لغوی معنی جوڑنا، ملانا۔

اصطلاح نحو میں ترکیب کہا جاتا ہے دو کلموں کو ایک کلمہ بنانا، اس طریقہ پر کہ درمیان میں کوئی حرف نہ ہو نیز دونوں کلموں میں سے ایک کلمہ دوسرے کلمے کا جزء نہ بن جائے جیسے بعلبک، سعیداحمدوغیرہ وغیرہ۔

سوال: النجم الف لام اور نجم سے اور بصری، بصر اور ی سے مرکب ہے، تو پھر ان کو غیر منصرف پڑھنا چاہیئے؟

جواب: الف لام، نجم کا جزء بن چکا ہے اور (ی) بصر کا جزء ہو گیا ہے، اس لئے منصرف پڑھیں گے۔

سوال: ترکیب کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے کتنی شرطیں ہیں؟

جواب: ترکیب کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے دو قسم کی شرط ہیں (۱) وجودی (۲) عدمی۔

سوال: وجودی شرط کیا ہے؟

جواب: وجودی شرط ہے علم کا ہونا۔

سوال: ترکیب میں علم کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: واضع نے دو کلموں کو الگ الگ وضع کیا تھا، ترکیب کی شکل میں

وضع نہیں کیا تھا، ترکیب تو گویا بعد میں آئی، وضع کے اعتبار سے الگ الگ تھی، اس سے معلوم ہوا کہ ترکیب عارضی چیز ہے اور عارضی چیز زوال کو قبول کرتی ہے، خطرہ تھا کہ ترکیب ختم ہوجائے۔ اس لئے علم کی قید لگائی اب ترکیب زوال سے بچ گئی، اس لئے کہ علم بمنزلۂ حکایت کے ہے، جس میں حذف واقع نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے اتنی قوت پیدا ہوجائے گی کہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے مؤثر ہوگی۔

سوال: عدمی شرط کتنی ہیں اور کونسی؟

جواب: عدمی شرطیں تین ہیں (۱) ترکیب اضافی نہ ہو جیسے مساجد کم۔

سوال: ترکیب اضافی کی نفی کیوں فرمائی؟

جواب: ترکیب میں اگر اضافت ہو تو اضافت تو غیر منصرف کو بھی منصرف بنا دیتی ہے اور بحث غیر منصرف کی چل رہی ہے۔

(۲) ترکیب اسنادی نہ ہو جیسے تابط شرا یہ ترکیب اسنادی کی مثال ہے (اس نے شر کو بغل میں دبایا)۔

سوال: ترکیب اسنادی کی نفی کیوں فرمائی؟

جواب: اس لئے کہ ترکیب اسنادی مبنی کے حکم میں ہے، جیسے ضرب زید اور منصرف وغیر منصرف کا تعلق معرب کے ساتھ ہے نہ کہ مبنی کے ساتھ اور بحث معرب کی چل رہی ہے۔

(۳) ترکیب توصیفی نہ ہو۔

سوال: ترکیب توصیفی کو مصنف نے بیان کیوں نہیں کیا؟

جواب: ترکیب اسنادی کے ماتحت اس کو داخل کر دیا۔

فائدہ: بعلبک، بعل ایک بت کا نام ہے (حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم پوجتی تھی) اور "بک" بادشاہ کا نام ہے جو "بعل" کا پجاری تھا پھر عابد و معبود کا نام ملا

کر ملک شام کے ایک شہر کا نام رکھ دیا جس شہر کا مالک بک بادشاہ تھا۔

تابط شرًا (اس نے شر کو بغل میں دبایا) اصل ایک لکڑ ہارہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر گٹھر اٹھا کر لایا، جب گھر آ کر کھولا تو اس میں سے سانپ نکلا، تو کسی نے کہا تابط شراً اب یہ مثل کے طور پر استعمال ہونے لگا۔

الالف والنون

الالف و النون ۔(الف)ان کانتا فی اسم :فشرطه : العلمية، کعمران،(ب)او صفة : انتقاء فعلانة،وقيل :وجود فعلی

ثمرۃ الاختلاف

ومن ثم اختلف فی رحمن دون سکران وندمان

ترجمہ: الف نون اگر اسم میں ہو تو اس کی شرط علمیت ہے جیسے عمران اور اگر صفت میں ہو تو فعلانۃ وزن پر نہ ہو اور کہا گیا ہے کہ فُعلی کے وزن کا پایا جانا ہے اسی وجہ سے رحمن میں اختلاف کیا گیا ہے نہ کے سکران (مدہوش) اور ندمان (ساتھی) میں۔

مختصر تشریح

اسم کے آخر میں الف اور نون کا ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہے، اگر یہ الف اور نون اسم ذات کے آخر میں ہوں تو علمیت شرط ہے جیسے عثمان، سلمان، عمران۔

اور اگر اسم صفت کے آخر میں ہوں تو یہ شرط ہے کہ اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آتا ہو، جیسے سکران (مدہوش) اور بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر آتا ہو۔

اسم ذات: وہ اسم ہے جو محض کسی ذات پر دلالت کرے، کسی حالت پر دلالت نہ کرے جیسے کتاب، جدار۔

اسم صفت: وہ اسم ہے جو ذات کے ساتھ حالت پر بھی دلالت کرے جیسے سکران (مدہوش، شراب پیا ہوا) عطشان (پیاسا) غضبان (غضبناک)۔

پس رحمن میں اختلاف ہے، کیونکہ اس کا مؤنث نہیں ہے، پس جو لوگ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آتا ہو، وہ رحمٰن کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، کیونکہ شرط پائی گئی۔ اور جو لوگ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کا مؤنث فعلیٰ کے وزن پر آتا ہو، وہ منصرف پڑھتے ہیں۔

اور سکران اور ندمان بالاتفاق غیر منصرف ہیں، کیونکہ ان کا مؤنث سکریٰ اور عطشیٰ ہے، پس دونوں مذہبوں پر شرط محقق ہے فعلانۃ کے وزن پر مؤنث کا آنا اور فعلیٰ کے وزن پر آنا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ الف نون زائدتان غیر منصرف کا سبب ہے۔

سوال: الف، نون کے کتنے نام ہیں؟

جواب: الف، نون کے دو نام ہیں (۱) زائدتان (۲) مضارعتان۔

سوال: الف اور نون کو زائدتان کیوں کہتے ہیں؟

جواب: الف اور نون بعد میں بڑھائے جاتے ہیں اور حروف زائدتان الیوم تنساہ میں سے ہیں، اس لئے اس کو زائدتان کہتے ہیں۔

سوال: اس کو مضارعتان کیوں کہتے ہیں؟

جواب: مضارعت کے معنی مشابہت کے آتے ہیں، الف اور نون کی مشابہت تانیث مقصورہ وممدودہ کے الف کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

سوال: مشابہت کس اعتبار سے؟

جواب: الفِ تانیث کے ہوتے ہوئے تاء تانیث اس میں داخل نہیں ہو سکتی، اسی طریقہ سے الف اور نون زائدتان، کلمہ کے اخیر میں موجود ہو تب بھی تانیث کی تاء داخل نہیں ہو سکتی اس اعتبار سے دونوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

سوال: الف نون مطلقا غیر منصرف کا سبب ہے؟

جواب: نہیں، بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

الف اور نون کبھی اسم غیر صفتی ہوگا اور کبھی اسم صفتی ہوگا، اگر وہ کلمہ جس کے اخیر میں الف اور نون زائدتان ہے، اسم غیر صفتی ہو تو اب غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے علمیت شرط ہے۔

سوال: علمیت کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: الف ونون زائدتان ہیں، جو کلمہ کے اخیر میں ہوتے ہیں اور جو چیز اخیر میں ہو اور وہ بھی زائد ہو، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، علم کو شرط قرار دیکر اسکو حذف سے بچالیا، کیونکہ علَم بمنزلۂ حکایت کے ہے، اسکو کوئی حذف نہیں کر سکتا اور اس میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے کافی ہو جاتی ہے، جیسے عمران، غفران۔

سوال: اگر الف اور نون زائدتان، اسم صفتی کے اخیر میں ہو تو غیر منصرف

کا سبب ہونے کے لئے کیا شرط ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے۔

(۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہونا چاہئے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اسکا مؤنث فعلی کے وزن پر ہونا چاہئے۔

سوال: اگر الف اور نون اسم صفتی کے اخیر میں آئے تو بعض حضرات نے اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہونے کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: اگر الف اور نون اسم صفتی کے اخیر میں آئے، تو بعض حضرات نے اسکا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی، کہ اگر اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر آئے تو مشابہت کمزور ہو جائے گی، الف اور نون کی تانیث کے دو الفوں کے ساتھ، اس لئے کہ تانیث کے دو الف جہاں آتے ہیں، چاہے ممدودہ ہو یا مقصورہ، گول ''ۃ'' اخیر میں داخل نہیں ہوتی، چونکہ الف ونون کی مشابہت پائی جاتی ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ، اب اگر اسم صفتی جس کے اخیر میں الف اور نون آئے اور اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر آئے تو اس صورت میں الف ونون زائد کے اخیر میں (ۃ) داخل ہو جائے گی اور اس کی مشابہت الف مقصورہ وممدودہ کے ساتھ تھی وہ ختم ہو جائے گی، اس لئے یہ شرط لگائی۔

سوال: اگر الف اور نون اسم صفتی کے اخیر میں آئے تو بعض حضرات نے اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر ہونے کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: اگر الف اور نون اسم صفتی کے اخیر میں آئے تو بعض حضرات نے اس کے مؤنث فعلی کے وزن پر ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر اس کا مؤنث

فعلی کے وزن پر ہوگا تو اس میں (ۃ) داخل نہیں ہوسکتی، جس کی بنا پر اس کی مشابہت الف مقصورہ وممدودہ کے ساتھ باقی رہے گی۔

ومن ثم اختلف فی رحمن:

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد ماقبل کے اختلاف پر مثال کو متفرع کرنا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

لفظ رحمن کے غیر منصرف اور منصرف ہونے میں اختلاف ہے۔

رحمن میں الف ونون زائدتان ہے اور اسم صفتی ہے، جو جماعت کہتی ہے کہ اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہونا چاہیئے، ان کے نزدیک رحمٰن غیر منصرف ہوگا، اس لئے کہ اس کا مؤنث ہے ہی نہیں۔

اور جو جماعت کہتی ہے کہ اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر ہو، ان کے نزدیک منصرف ہوگا، اس لئے کہ اسکا مؤنث ہی نہیں آتا ہے چہ جائیکہ فعلی کے وزن پر آئے۔

دون سکران وندمان:

سکران بالاتفاق غیر منصرف ہے، اس لئے کہ دونوں جماعت کی شرطیں پائی جاتی ہیں، اس طرح کہ اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر آتا ہے، لہذا اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہیں آئے گا۔

ندمان: بالاتفاق منصرف ہے اس لئے کہ دونوں حضرات کی شرطیں نہیں پائی جاتی اس طرح کہ اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر آتا ہے لہذا اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر نہیں آئے گا۔

فائدہ: ندمان منصرف اس وقت ہوگا جب کہ یہ ندیم (ہم نشیں) سے مشتق ہو اس لئے کہ اس صورت میں اس کا مؤنث ندمانۃ بروزن فعلانۃ آتا ہے، نہ کہ فعلی

کے وزن پر۔

اگر ندمان، ندمانۃ (پشیمانی) سے مشتق ہو تو یہ غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں اس کا مؤنث ندمی بروزن فعلی آتا ہے، نہ کہ فعلانۃ پر۔

سوال: کافیہ میں فشرطہ العلمیۃ کی ضمیر مجرور کا مرجع الف ونون ہیں، لیکن ضمیر و مرجع میں مطابقت نہیں ہے، کیونکہ ضمیر واحد ہے اور مرجع دو چیزیں (الف و نون) ہیں؟

جواب: شرط مذکور ان کے علت (سبب) ہونے کے لئے ہے اور علت (سبب) الف ونون میں سے ہر ایک نہیں ہے بلکہ دونوں مل کر ایک علت (سبب) ہے، لہذا ایک علت ہونے کے لحاظ سے فشرطہ میں واحد کی ضمیر لائی گئی ہے۔

سوال: کانتا میں ضمیر تثنیہ لائی گئی ہے؟

جواب: کانتا میں ضمیر تثنیہ اس لئے لائے کہ وجود میں الف ونون دو ہیں۔

سوال: ''او'' حرف عطف احد الامرین کے لئے آتا ہے، لہذا عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ الف ونون اسم ذات اور اسم صفت میں سے کسی ایک میں ہوتے ہیں دونوں میں نہیں ہوتے، لیکن یہ غلط ہے کیونکہ الف اور نون اسم ذات اور صفت دونوں میں ہوتے ہیں؟

جواب: عبارت میں ''او'' تقسیم کے لئے ہے، جس سے الف ونون کا دو حال پر منقسم ہونا معلوم ہوتا ہے، ایک حال یہ ہے کہ اسم ذات میں وہ دونوں ہوتے ہیں اور ایک حال یہ ہے کہ اسم صفت میں وہ دونوں ہوتے ہیں۔

سوال: فانتفاء فعلانۃ شرط کی جزاء ہے، لیکن شرط کی جزاء ہمیشہ جملہ ہوتی ہے اور یہ جملہ نہیں ہے؟

جواب: عبارت میں فشرطه حذف ہے اصل عبارت (فشرطه انتفاء فعلانة) ہے اور یہ جملۂ اسمیہ جزاء ہے پھر جملۂ اسمیہ کا مبتدا بقرینۂ سابق حذف کر دیا گیا اور فاء جزائیہ خبر پر داخل کر دی گئی ہے تو فانتفاء فعلانة ہو گیا۔

سوال: و من ثمة میں ثم بفتح تاء اسم اشارہ ہے، جو مکان کی طرف اشارہ کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے، اس کے اخیر میں (ۃ) کیسی ہے؟

جواب: یہ (ۃ) سکتہ کے لئے ہے جو وصل و وقف دونوں حالتوں میں لکھی جاتی ہے۔

وزن الفعل

وزن الفعل : شرطه : (الف) أن يختص به كشمر و ضرب (ب) أو يكون فى اوله زيادة كزيادته غير قابل للتاء ومن ثم : امتنع احمر وانصرف يعمل۔

ترجمہ: وزن فعل اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو ، جیسے شمر (حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام ہے) اور ضرب (بحالت علمیت) یا اس کے شروع میں فعل کی زیادتی کے مانند زیادتی ہو، اس حال میں کہ تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ اسی وجہ سے احمر غیر منصرف ہے اور یعمل منصرف ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا نواں سبب: وزن فعل ہے

اسم فعل کے وزن پر ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہے اور فعل کے اوزان میں سے تین قسم کے وزنوں کا اعتبار ہے۔

(۱) فعل کا مخصوص وزن جو اسم میں شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہو ایسے وزن دو ہیں فعل جیسے شمر (تیز ہانکنا) اور فعل جیسے ضرب۔

(۲) فعل میں زیادہ تر استعمال ہونے والا وزن ثلاثی مجرد کا فعل امر کا وزن ہے افعل (ہمزہ پر دو حرکتیں ضمہ اور کسرہ اور عین پر تینوں حرکتیں، یہ وزن مصنف نے بیان نہیں کیا)۔

(۳) فعل مضارع کا وزن: وہ اسم جس کے شروع میں حروف تین میں سے کوئی حرف ہو جیسے یزید، تغلب، احمر اور اس تیسرے وزن کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے آخر میں (ۃ) نہ آسکتی ہو پس یعمل اور نصیر منصرف ہیں کیونکہ ان کا مؤنث یعملۃ اور نصیرۃ آتا ہے ناقۃ یعملۃ: کام میں استعمال ہونے والی اونٹنی اور امراۃ نصیرۃ: مددگار عورت۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے ایک سبب، وزن فعل کو بیان کرنا ہے۔

سوال: وزن فعل غیر منصرف کا سبب کب بنے گا؟

جواب: وزن فعل غیر منصرف کا سبب اس وقت بنے گا جبکہ، اسم ایسے وزن پر ہو جو فعل کے اوزان کے ساتھ خاص ہو جیسے شَمَّرَ باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ ہے (دامن سمیٹنا) بعد میں اس کا استعمال تیز رفتار گھوڑے کے لئے ہونے لگا اور شَمَّرَ حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام تھا۔

بَذَّرَ باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ ہے (فضول خرچی کرنا) بعد میں زمزم کے کنویں کے لئے استعمال ہونے لگا۔

خَصَّمَ باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ ہے (منہ بھر کے کھانا) بعد میں بنوتمیم کے ایک شخص کا نام پڑ گیا اس لئے کہ وہ منہ بھر کر کھاتا تھا۔

ان تمام کلمات کو دو سبب (علمیت اور وزن فعل) کے پائے جانے کی بناء پر غیر منصرف پڑھا جائے گا۔

یا اس کے شروع میں فعل کی زیادتی کے مانند کوئی زیادتی ہو (فعل کی زیادتی سے مراد علامت مضارع ہے) اور وہ تاء کو قبول نہ کرے۔

سوال: وہ اوزان جو فعل کے ساتھ خاص ہیں کیا کیا ہیں؟

جواب: فعل کے کل اوزان ۸ آتے ہیں۔

(۱) ثلاثی مجرد معروف (۲) ثلاثی مجرد مجہول (۳) ثلاثی مزید فیہ معروف (۴) ثلاثی مزید مجہول (۵) رباعی مجرد معروف (۶) رباعی مجرد مجہول (۷) رباعی مزید معروف (۸) رباعی مزید مجہول۔ ان میں سے ۶ اوزان (ثلاثی مجرد معروف، رباعی مجرد معروف یہ دونوں اسم و فعل کے مابین مشترک اوزان ہیں) کے علاوہ صرف ۲۔ اوزان فعل کے ساتھ خاص ہیں۔

سوال: وزن فعل کے غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے پہلی شرط کیوں لگائی کہ اسم کا جو وزن ہے وہ فعل کے ساتھ خاص ہونا چاہئے؟

جواب: جب اسم کا وزن بعینہ فعل کا وزن ہوگا تو اس میں ایک قسم کی ثقالت پیدا ہوگی جو اسم کو منصرف سے غیر منصرف میں داخل کرے گی۔

سوال: علامت مضارع میں سے کوئی ایک شروع میں ہو، یہ شرط کیوں لگائی؟

جواب: علامت مضارع میں سے کوئی ایک شروع میں ہو یہ شرط اس لئے لگائی تا کہ کم از کم فعل کے وزن کے ساتھ مشابہت ہو جائے اور مشابہت کی وجہ سے اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی جو اسم کو منصرف سے غیر منصرف میں داخل کرے گی۔

سوال: تاء کو قبول نہ کرے یہ شرط کیوں؟

جواب: تاء کو قبول نہ کرے یہ شرط اس لئے لگائی کہ اگر فعل کا وزن تاء کو قبول کرے گا تو فعل کا وزن باقی نہیں رہے گا، بلکہ اسم کے مشابہ ہو جائے گا، جب فعل کا وزن باقی نہیں رہے گا، تو غیر منصرف میں مؤثر بھی نہیں ہوگا۔

شرطه ان يختص به:

اس میں دو چیزیں ہیں۔

(۱) وزن فعل (۲) اختصاص کے معنی۔

وزن فعل: وہ اسمِ غیر منصرف، ایسے وزن پر ہو جو فعل کے اوزان میں شمار کیا جاتا ہو۔

سوال: اختصاص کا کیا مطلب؟

جواب: اختصاص کا مطلب یہ ہے کہ واضع نے اس وزن کو فعل کے لئے ہی وضع کیا ہو اور عربی اسم میں اس کا استعمال فعل سے منقول ہو کر ہوتا ہو، اسم کے لئے اصلاً وضع نہ کیا گیا ہو۔

شَمَّر (ماضی معروف) ضُرِب (ماضی مجہول)۔

اصل شَمَّر کہتے ہیں جلدی کرنا، دامن سمیٹنا شَمَّر حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام ہے: علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اسی طرح ضُرِبَ کسی کا علم رکھ دیا جائے تو علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

سوال: مصنف شَمَّر کو ضُرِبَ پر مقدم کیوں کیا، جبکہ ضُرِبَ ثلاثی مجرد

ہے اور شَمَّر ثلاثی مزید فیہ؟

جواب: اس کے تین جواب:ات ہیں۔

(۱) شَمَّر فعل معروف ہے اور ضُرِبَ فعل مجہول اور مجہول پر معروف کو شرف ہوتا ہے۔

(۲) شَمَّر معروف ہو یا مجہول، دونوں صورتوں میں فعل سے مختص ہے اور ضُرِبَ مجہول فعل کے ساتھ مختص ہے، لیکن ضُرِبَ معروف فعل کے ساتھ مختص نہیں۔

(۳) شَمَّر غیر منصرف ہے، کیونکہ اس میں وزن فعل اور علمیت ہے اور ضُرِبَ غیر منصرف نہیں ہے، کیونکہ اس میں وزن فعل تو ہے، لیکن دوسرا سبب ابھی اس میں نہیں ہے اگر اس کو کسی کا علم قرار دیا جائے تو یہ بھی غیر منصرف ہو جائے گا۔

ومن ثم امتنع احمر:

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ احمر کو غیر منصرف پڑھا جائے گا، اس لئے کہ اس میں وزن فعل اور وصف دو سبب ہے اور شروع میں علامت مضارع میں سے ہمزہ بھی موجود ہے اور تاء بھی نہیں ہے۔

وانصرف یعمل:

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد یعمل منصرف ہے اس کو بتانا ہے، اس لئے کہ اس کے شروع میں علامت مضارع میں سے یاء تو پائی گئی، لیکن یعمل تاء کو قبول کرنے والا ہے، اس لئے یہ منصرف ہوگا جیسے: اہل عرب کہتے ہیں ناقۃ یعملۃ (بہت کام کرنے والی اونٹنی)۔

(قاعدة)

وما فيه علمية مؤثرة: اذا نكر صرف۔

ترجمہ: اور وہ جس میں علمیت مؤثر ہو، جب اس کونکرہ بنادیا جائے تو وہ منصرف ہو جائے گا۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کے سلسلہ کا پہلا قاعدہ:

غیر منصرف کے جن پانچ اسباب (تانیث بالتاء، مونث معنوی، عجمہ، ترکیب، اورالف نون زائدتان) میں علمیت شرط ہے، اگران کونکرہ بنادیا جائے گا تو وہ منصرف ہو جائیں گے، جیسے: رب فاطمةٍ، رب زینبٍ، رب ابراهيمٍ، رب معديكريبٍ، رب عمرانٍ (بہت سی فاطمائیں الخ)۔

اس کی وجہ: پہلے یہ بات وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ علمیت سات اسباب میں پائی جاتی ہے، ان میں سے پانچ میں شرط ہے، پس جب ان کونکرہ بنادیا جائے گا تو ان میں غیر منصرف کا کوئی سبب باقی نہیں رہے گا، کیونکہ دوسرا سبب: علمیت کی شرط کے ساتھ سبب تھا پس جب علمیت نہ رہی تو وہ دوسرا سبب بھی باقی نہ رہا۔ اور دوسببوں (عدل اوروزن فعل) میں شرطیت کے بغیر علمیت پائی جاتی ہے، پس جب ان کونکرہ بنادیا جائے گا تو ان میں ایک ہی سبب باقی رہے گا، جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔ رہے عدل اور وزن فعل تو وہ دونوں ایک اسم میں جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں تضاد ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک قاعدہ کلیہ بیان کرنا ہے کہ جو اسم غیر منصرف ایسا ہو کہ اس میں علمیت مؤثر ہو، جب اس کو نکرہ کر لیا جائے (اس کی علمیت زائل کر دیں) تو وہ منصرف ہو جائے گا۔

سوال: غیر منصرف میں علمیت کے مؤثر ہونے کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: غیر منصرف میں علمیت کے مؤثر ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) علمیت صرف سبب ہو اور کسی دوسرے سبب کے لئے شرط نہ ہو۔

(۲) علمیت سبب بھی ہو اور دوسرے سبب کے لئے شرط بھی ہو۔

سوال: وہ اسباب کتنے ہیں جن میں علمیت صرف سبب ہو اور کسی دوسرے سبب کے لئے شرط نہ ہو؟

جواب: وہ اسباب کل دو ہیں، جن میں صرف سبب ہو اور کسی دوسرے سبب کے لئے شرط نہ ہو، وہ یہ ہیں۔ (۱) عدل (۲) وزن فعل۔

سوال: وہ اسباب کتنے ہیں جن میں علمیت سبب بھی ہو اور دوسرے سبب کے لئے شرط بھی ہو؟

جواب: وہ اسباب جن میں علمیت سبب بھی ہو اور دوسرے سبب کے لئے شرط بھی ہو، کل پانچ ہیں۔ (۱) ترکیب (۲) تانیث بالتاء (۳) تانیث معنوی (علمیت جوازی شرط ہے) (۴) عجمہ (۵) الف ونون زائدتان، جب کہ اسم ذات کے اخیر میں آئے۔

سوال: مؤثرۃ کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مؤثرۃ کی قید اس لئے لگائی کہ جہاں علمیت مؤثر نہیں ہے، نہ

سبب ہے نہ شرط اگر وہاں علمیت زائل کر دی جائے تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا جیسے الف مقصورہ اور الف ممدودہ، جمع منتہی الجموع، ان میں اگر علمیت پائی جائے یا نہ پائی جائے یہ غیر منصرف رہیں گے کیوں کہ علمیت ان کے ساتھ جمع تو ہوتی ہے لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہے، نہ سبب ہے نہ شرط، کیوں کہ یہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں، ان کے غیر منصرف ہونے میں کسی اور سبب کی ضرورت نہیں ہے۔

اذا نکر

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد علمیت کو زائل کرنے کی دو صورتوں کو بیان کرنا ہے۔

چنانچہ علمیت کو زائل کرنے کی دو صورتیں یہ ہیں۔

(۱) اس نام کی جماعت کا ایک فرد غیر معین مراد لیا جائے جیسے: ھذا زید، رایت زیدا آخر۔ اول مثال میں زید معرفہ ہے اور دوسری مثال میں زید نکرہ ہے، آخر صفت لا کر اس کی نکارت کو بیان کیا، اس لئے کہ آخر ہمیشہ نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے۔

(۲) علم سے کوئی مشخص فرد مراد نہ ہو بلکہ اس کا وصفِ مشہور مراد لیا جائے جیسے لکل فرعون موسی میں فرعون کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مشہور وصف مبطل مراد ہے، اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ان کا وصف مشہور محق مراد ہے، اب اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر باطل پرست کے مقابلے کے لئے ایک حق پرست ہوتا ہے، جو باطل کی طاقت کو پاش پاش کرتا ہے۔

(وجهه)

لما تبين: من انها لا تجامع مؤثرة الا ما هي شرط فيه

الا العدل و وزن الفعل و هما متضادان فلا یکون معها الا احدهما فاذا نکر بقی بلا سبب او علی سبب واحد۔

ترجمہ: اس لئے کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی، مگر اس سبب کے ساتھ جس میں علمیت شرط ہے، سوائے عدل اور وزن فعل کے اور وہ دونوں (عدل اور وزن فعل) آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں، لہذا علمیت کے ساتھ ان دونوں میں سے صرف کوئی ایک ہوگا، پس جب اس اسم کو نکرہ بنا دیا جائے گا تو وہ بغیر کسی سبب کے یا ایک سبب پر باقی رہ جائے گا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: صاحب کافیہؒ اسی عبارت کی وضاحت کر رہے ہیں جیسا کہ ظاہر ہوا یعنی بعض جگہ علمیت شرط ہے اور بعض میں مستقل سبب ہے۔

سوال: عبارت میں مستثنیٰ منہ واحد ہے اور مستثنیٰ متعدد ہیں (۱) الا ما ھی شرط فیه (۲) الا العدل و وزن الفعل اور دونوں کے درمیان حرف عطف بھی نہیں اور قاعدہ ہے کہ دو مستثنیٰ کے درمیان اگر حرف عطف نہ لایا جائے تو ثانی مستثنیٰ، اول مستثنیٰ سے بدل غلط واقع ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ الا ما ھی کو غلطی سے ذکر کر دیا ہے، مقصود صرف الا العدل و وزن الفعل ہے، گویا اصل عبارت یہ ہے ''لا تجامع موثرة الا العدل و وزن الفعل'' جس کا مطلب یہ ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر صرف دو سببوں میں پائی جاتی ہے (۱) عدل (۲) وزن فعل حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے اس لئے کہ

جس طرح علمیت ان دوسببوں میں مؤثر ہے،ان کے علاوہ چنداسباب اور ہیں جن میں علمیت مؤثر ہے جیسے (۱) ترکیب (۲) تانیث بالتاء اور تانیث معنوی (۳) عجمہ (۴) الف ونون زائدتان جب کہ اسم ذات کے اخیر میں آئے۔

جواب: عبارت میں جس طرح مستثنیٰ متعدد ہیں اسی طرح مستثنیٰ منہ بھی متعدد ہیں۔

جس کی تفصیل یہ ہے''**لاتجامع موثرة الا ما هي شرط فيه**'' یہ عبارت علیحدہ ہے''**الا العدل و وزن الفعل**'' سے اس کا تعلق نہیں ہے اس میں ایک مستثنیٰ منہ ہے اور ایک مستثنیٰ ہے،مطلب یہ ہے کہ علمیت مؤثر ہوکر صرف انہیں اسباب میں پائی جاتی ہے جن میں شرط ہے۔اس عبارت سے ایک قضیہ سالبہ مفہوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے ''**لا تجامع غير ما هي شرط فيه**'' (جہاں علمیت شرط نہیں ہے وہاں مؤثر ہوکر نہیں پائی جائے گی) یہ مستثنیٰ منہ ہوگا اور **الا العدل و وزن الفعل** مستثنیٰ ہوگا اب اس عبارت کا مطلب ہوگا کہ جہاں علمیت شرط نہیں ہے وہاں مؤثر ہوکر نہیں پائی جائے گی لیکن عدل اور وزن فعل یہ دوسبب ایسے ہیں جن میں علمیت شرط نہیں ہے،لیکن مؤثر ہے (سبب واقع ہے) معلوم ہوا کہ **الا العدل و وزن الفعل** کا مستثنیٰ منہ علیحدہ ہے اور **الا ما هي شرط فيه** کا علیحدہ ہے۔

وهما متضادان

ترجمہ: اور وہ دونوں (عدل اور وزن فعل) آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔

سوال: وہ اعتراض کیا ہے؟

جواب: ماقبل میں ما فيه علمية موثرة اذا نكر صرف سے ایک قاعدۂ کلیہ بیان کیا ہے وہ ہمیں تسلیم نہیں، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت عَلَم عدل اور وزن فعل تینوں جمع ہو جائیں، اس وقت اگر علمیت کو زائل کر دیا جائے تو کلمہ منصرف نہ ہوگا، بلکہ عدل اور وزن فعل کے پائے جانے کی وجہ سے اب بھی غیر منصرف رہے گا، معلوم ہوا یہ قاعدۂ کلیہ صحیح نہیں۔

مصنفؒ نے وهما متضادان سے اس اعتراض کا جواب: دیا ہے کہ عدل اور وزن فعل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہ دونوں کبھی بھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، لہذا علم کے ساتھ دونوں میں سے ایک ہوگا دونوں نہ پائے جائیں گے، معلوم ہوا ہمارا قاعدہ صحیح ہے۔

سوال: عدل اور وزن فعل میں تضاد کیوں؟

جواب: نحویوں نے جب ان الفاظ کا تتبع کیا جن میں عدل پایا جاتا ہے، تو ان میں سے کوئی بھی فعل کے وزن پر نہیں ملا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔

کسی شاعر نے اوزان عدل کو اس نظم میں جمع کیا ہے۔

اوزان عدل را تمامی شش شمر	مفعل، فعل، مثالهما مثلث، عمر
فعل است مثل امس، فعال ست چو ثلاث	مثل فعال داں تو قطام و فعل سحر

عدل کے اوزان چھ ہیں (۱) مَفْعَلُ جیسے مَثْلَثُ (۲) فُعَلُ جیسے عُمَر (۳)

فَعْلِ جیسے اَمْسِ (۴) فُعَالُ جیسے ثُلَاثُ (۵) فَعَالِ جیسے قَطَامِ (۶) فِعْل جیسے سِحْر۔

(اختلاف سیبویہ)

خالف سیبویہ الاخفش فی مثل احمر: علما: اذا نکر، اعتبارا للصفۃ الاصلیۃ بعد التنکیر۔

ترجمہ: امام سیبویہ نے اخفش سے اختلاف کیا ہے احمر جیسی مثالوں میں، اس حال میں کہ وہ علم ہو، جب ان کو نکرہ بنا دیا جائے، نکرہ بنانے کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کرنے کی وجہ سے۔

مختصر تشریح

سیبویہ کا اختلاف:

امام سیبویہ، مذکورہ قاعدہ میں ایک صورت میں اختلاف کرتے ہیں اور وہ صورت یہ ہے کہ اگر کسی اسمِ وصف کے ذریعہ کسی کا نام رکھ دیا جائے، مثلاً کسی کا احمر نام رکھ دیا جائے، پھر اس کو نکرہ بنا دیا جائے، تو کیا حکم ہے؟

اِمام سیبویہؒ (جو استاذ ہیں) کہتے ہیں کہ نکرہ بنانے کے بعد بھی وہ غیر منصرف ہوگا، کیونکہ علَم ہونے کی وجہ سے جو وصفیت زائل ہوگئی تھی وہ نکرہ بنانے کے بعد لوٹ آئے گی اور دوسرا سبب وزن فعل موجود ہے اس لئے وہ غیر منصرف ہوگا۔

امام اخفشؒ (جو شاگرد ہیں) کہتے ہیں کہ اب وہ منصرف ہو جائے گا، کیونکہ اب اس میں صرف ایک سبب، وزن فعل رہ جائے گا، جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔ اور جو وصفیت، نام رکھ دینے کی وجہ سے زائل ہوگئی تھی، وہ نکرہ بنانے کے بعد

نہیں لوٹے گی، کیونکہ معدوم کا اعادہ محال ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔

فائدہ: چونکہ امام اخفشؒ کا مذہب جمہور کے مذہب کے موافق تھا، اس لئے مصنفؒ نے مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کی ہے، جو اگر چہ مستحسن نہیں مگر ترجیح کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو سیبویہ کی بات بھی ایک درجہ میں معقول ہے اور اخفش کی بھی۔

جب رُبَّ احمر کہیں گے اس وقت تو وصفیت کے معنی نہیں لوٹتے، کیونکہ علیت کا اثر باقی ہے۔ مگر صرف احمر کر دیا جائے تو اب وصفیت ہی کے معنی ہونگے۔ پس اخفش کے قول کا مصداق رب والی تنکیر ہے اور سیبویہ کے قول کا مصداق مطلق تنکیر ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: امام سیبویہ اور امام اخفش کے درمیان اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

سوال: اختلاف کس مسئلہ میں ہے؟

جواب: قاعدہ: احمر جیسے لفظ کے علاوہ اسم میں تو اتفاقی ہے، لیکن مثل احمر میں اختلاف ہے۔

سوال: مثل احمر سے کیا مراد ہے اور اختلاف کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: مثل احمر سے مراد ہر وہ اسم غیر منصرف ہے، جس میں علیت سے پہلے معنی وصفی ظاہری طور پر پائے جاتے ہوں، اس میں کسی قسم کا خفا نہ ہو۔

ایسے اسم میں امام سیبویہ کے نزدیک جب اس میں علیت زائل ہو جائے گی تو

وصف اصلی

پھر لوٹ آئے گا، جس کی وجہ سے کلمہ غیر منصرف رہے گا، پہلے، علمیت اور دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف تھا، اب وصف اور کسی دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

سوال: امام سیبویہ کی دلیل کیا ہے؟

جواب: امام سیبویہ احمر کو ارقم و اسود پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح علمیت کو زائل کرنے کے بعد وصف اصلی لوٹ آتا ہے اور وصف اصلی نیز دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف پڑھتے ہیں، اسی طرح مثل احمر میں بھی وصف اصلی لوٹ آئے گا اور وصف اصلی نیز دیگر سبب کے ساتھ غیر منصرف پڑھا جائے گا۔ اور امام اخفش کے نزدیک منصرف ہوگا۔

سوال: امام اخفش کی دلیل کیا ہے؟

جواب: (۱) امام اخفش کی دلیل یہ ہے کہ جب وصف اصلی زائل ہو چکا اور قاعدہ ہے "الزائل لا یعود" تو پھر وصف اصلی اب کیسے عود کرے گا؟ یہ ہی قول جمہور کا ہے۔

(۲) اصل اسم میں منصرف ہے، جب وصف اصلی کو زائل کر کے علمیت اور دوسرے سبب کے ساتھ غیر منصرف پڑھا، پھر علمیت کو زائل کر دیا تو اصل انصراف کا اعتبار کرتے ہوئے منصرف پڑھنا بہتر ہوگا۔

سوال: امام سیبویہ کی دلیل کا کیا جواب: ہے؟

جواب: امام سیبویہ کا ارقم و اسود پر قیاس صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ارقم و اسود میں علمیت کو زائل کرنے کے باجود وصفیت کا شائبہ پایا جاتا ہے لیکن احمر میں علمیت زائل کرنے کے بعد وصفیت کا شائبہ نہیں پایا جاتا ہے۔

سوال: خالف کا فاعل کون ہے سیبویہ یا اخفش؟

جواب: بعض کے نزدیک خالف کا فاعل امام سیبویہ ہے۔

سوال: اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: قاعدہ ہے کہ مفعول لہ کا فاعل اور اس کے فعل کا فاعل ایک ہوتا ہے اور تنکیر کے بعد صفتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے والے سیبویہ ہے، معلوم ہوا کہ خالف کا فاعل بھی سیبویہ ہے۔

بعض کے نزدیک خالف کا فاعل امام اخفش ہے۔

سوال: اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: خالف کا فاعل اخفش نہ مانے، سیبویہ مانے تو استاد نے شاگرد کی مخالفت کی اور مخالفت کی نسبت استاد کی طرف کرنا مناسب نہیں ہے۔

سوال: صحیح کیا ہے؟

جواب: خالف کا فاعل سیبویہ کا ہونا صحیح ہے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ اخفش جن کی کنیت ابوالحسن ہے یہ امام سیبویہ کے شاگرد ہیں، مخالفت کی نسبت استاد سیبویہ کی طرف کی ہے، اگر خالف کا فاعل اخفش ہوتا تو نسبت بجائے سیبویہ کے اخفش کی طرف کرتے، معلوم ہوا مصنف نے اصح اور غیر اصح کا لحاظ کیا ہے، استاد اور شاگرد کی نسبت کی رعایت نہیں کی۔

اس کا علم اعتبار اللصفۃ الاصلیہ سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔

جواب: الاشکال

ولا یلزمہ باب حاتم لما یلزم من اعتبار المتضادین فی حکم واحد۔

ترجمہ: اور امام سیبویہ پر باب حاتم (میں وصف اصلی کا اعتبار کرنا) لازم نہیں، کیوں کہ ایک ہی حکم میں دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آئے گا۔

مختصر تشریح

امام اخفشؒ نے سیبویہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ علَم میں تنکیر کے بعد وصفیت کا اعتبار کیا جائے گا تو علَم ہونے کی حالت میں بھی اس کا اعتبار کرنا چاہئے، جیسے حاکم کے معنی قاضی اور فیصلہ کرنے والے کے ہیں، پس نام ہونے کی حالت میں اس کا اعتبار کریں گے تو علمیت اور وصفیت دو سبب پائے گئے، پس اس کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

جواب: یہ ہے کہ تنکیر کے بعد وصفیت کا اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نام ہونے کی حالت میں بھی اس کا اعتبار کیا جائے، ایسا کیسے کیا جا سکتا ہے؟ علمیت اور وصفیت میں تو تضاد ہے، ایک حالت میں دونوں کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور تنکیر کے بعد اعتبار کرنے میں کوئی تضاد کی بات نہیں، اس لئے سیبویہ اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

نوٹ: اخفش کا مذہب صحیح ہے، جمہور کے قول کے مطابق ہے مگر ان کا سیبویہؒ پر اعتراض صحیح نہیں اس لئے مصنفؒ نے اس کا جواب: دیا ہے۔

فائدہ: حاتم جیسے الفاظ سے مراد وہ تمام الفاظ ہیں جو وصفی معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے قاسم، ھاشم۔

جب ان کے ذریعہ کسی کا نام رکھ دیا جائے تو نام ہونے کی حالت میں وصفی معنی کا اعتبار نہیں ہوگا، اخفش نے یہی اعتراض کیا ہے کہ جب تنکیر کے بعد سیبویہ وصفی معنی کا اعتبار کرتے ہیں تو چاہئے کہ نام ہونے کے حالت میں بھی اس کا اعتبار کرے اور

ان سب الفاظ کو وصفیت اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف قرار دے، مگر ظاہر ہے کہ اخفش کا یہ اعتراض صحیح نہیں، نام ہونے کی حالت میں وصفی معنی کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے، یہ تو حالت واحدہ میں دو متضاد باتوں کا اعتبار کرنا ہیں اور نام ہونے کی حالت میں وصفی معنی کی طرف لوگوں کا ذہن بھی نہیں جاتا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد امام اخفش کی طرف سے امام سیبویہ پر باب حاتم سے اعتراض کو ذکر کرنا ہے۔

سوال: باب حاتم سے کیا مراد ہے؟

جواب: باب حاتم سے مراد ہر وہ کلمہ ہے جو اصل میں وصف ہو اور علمیت اس میں باقی ہو۔

سوال: اعتراض کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: اعتراض کی تفصیل یہ ہے کہ سیبویہ نے جس طرح احمر جیسی مثال میں تنکیر کے بعد (علمیت کے زائل ہونے کے بعد) وصفیت کا اعتبار کیا ہے، حالانکہ وصفیت زائل ہو چکی تھی، تو حاتم جیسی مثال میں بھی وصفیت کا اعتبار کر لیتے۔ (علمیت کے ساتھ وصف کا اعتبار کر کے اس کو بھی غیر منصرف پڑھتے)۔

سوال: اس اعتراض کا جواب: مصنف نے کیا دیا؟

جواب: اب حاتم میں اگر وصفیت کا اعتبار کیا جاتا ہے، تو متضاد چیزوں کا ایک حکم میں اعتبار کرنا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے اور متضاد چیزیں وصفیت اور علمیت ہیں، ان میں تضاد اس وجہ سے ہے کہ علَم خصوص کے لئے ہے اور وصف عموم کے لئے بالفاظ دیگر علم ذاتِ معین پر دلالت کرتا ہے اور وصف، ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور

معین اور مبہم میں تضاد ہے۔

(قاعدة)

وجميع الباب باللام أو بالاضافة: ينجر بالكسر.

ترجمہ: اور پورا باب غیر منصرف، لام تعریف یا اضافت کی وجہ سے کسرہ کی شکل میں مجرور ہوتا ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کے سلسلہ کا دوسرا قاعدہ:

جب غیر منصرف پر الف لام آئیں یا اس کی دوسرے اسم کی طرف اضافت کی جائے تو حالت جری میں اس پر کسرہ آسکتا ہے۔ البتہ تنوین نہیں آسکتی، کیونکہ معرف باللام اور مضاف پر تنوین نہیں آتی جیسے في المساجد، في احسن تقويم (بہترین سانچہ میں)۔

احسن: غیر منصرف ہے وصف اور وزن فعل کی وجہ سے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک قاعدہ بیان کرنا ہے۔

سوال: وہ قاعدہ کیا ہے؟

جواب: وہ قاعدہ یہ ہے کہ غیر منصرف پر کسرہ نہیں آتا لیکن جب الف لام داخل ہو یا اس کلمہ کی اضافت ہوگی تو اب الف لام یا اضافت کی وجہ سے حالت جری

میں کسرہ داخل ہوگا۔

سوال: مصنف نے کسرہ کا تذکرہ کیا، تنوین کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: لام اور اضافت کی وجہ سے تنوین کا آنا محال ہے، جس کی بناء پر تنوین کا تذکرہ نہیں کیا۔

سوال: مصنف نے عبارت میں باللام کہا، باء حرف جر اور لام یہ بھی حرف جر، گویا حرف حرف پر داخل ہوا؟

جواب: دخول درمیان میں محذوف ہے، اصل عبارت بدخول لام التعریف ہے۔

سوال: مصنفؒ کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ غیر منصرف پر لام داخل ہونے سے اس پر کسرہ آتا ہے، کیونکہ المال لاحمد میں احمد پر لام داخل ہے لیکن کسرہ نہیں ہے؟

جواب: لام سے لام تعریف مراد ہے، نہ کہ لام جارہ اور لاحمد میں لام جارہ ہے۔

سوال: ہم ایسی مثال پیش کرتے ہیں کہ جس میں اضافت موجود ہے، اس کے باوجود آپ اس کو کسرہ نہیں دیتے، جیسے رایتُ غلامَ احمدَ میں احمد مضاف الیہ اور غلام مضاف، لیکن کسرہ نہیں لائے؟

جواب: بالاضافه سے مضاف مراد ہے، مضاف الیہ مراد نہیں اور یہاں پر احمد مضاف الیہ ہے۔

سوال: ینجر بالکسر کہا، مصنف ینجر کہہ دیتے تو کافی تھا بالکسر کہنے کی ضرورت نہیں تھی، بالکسر کی قید کیوں لگائی؟

جواب: نادان کے وہم کو دور کرنے کے لئے اگر بالکسر نہ کہتے تو نادان یہ گمان کرتا کہ لام کے دخول کی وجہ سے اور اضافت کی وجہ سے کسرہ ہوگا، حالانکہ ایسی

بات نہیں ہے پہلے سے حالت جری تو ہے، لیکن فتحہ کی شکل میں، بالکسر کی قید لگا کر بتایا کہ اب فتحہ کی شکل میں نہیں، بلکہ ان کی وجہ سے کسرہ کی شکل میں آئے گا۔

سوال: اگر مصنفؒ ینجر بالکسر کی جگہ ینصرف لکھتے تو کیا خرابی تھی؟

جواب: مصنفؒ کا مذہب یہ ہے کہ لام تعریف داخل ہونے اور مضاف ہونے سے غیر منصرف کا منصرف بن جانا لازم نہیں ہے، اس لئے مصنفؒ نے منصرف نہیں لکھا۔

المرفوعات

سوال: المرفوعات میں باعتبار اعراب کے کتنے احتمالات ہیں؟

جواب: المرفوعات میں باعتبار اعراب کے تین احتمالات ہیں۔(۱) رفع (۲) نصب (۳) جزم۔

(۱) رفع: اس صورت میں المرفوعات مبتدا ہوگا اور خبر ھذہ محذوف ہوگی، اس وقت عبارت ہوگی "المرفوعات ھذہ" اگر اس کا عکس ہو تو یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

(۲) نصب: مفعول کی بنا پر، تقدیری عبارت ہوگی خذ المرفوعات یا اشرع المرفوعات۔

(۳) جزم: مبنی ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ یہ موقع فصل میں واقع ہے اور فصل کے لئے کوئی اعراب نہیں ہوتا، نیز یہ بغیر عامل کے ہے اور غیر مرکب ہے۔

بیان الفاعل

هو ما اشتمل على علم الفاعلية۔

ترجمہ: وہ اسماء جو فاعل ہونے کی نشانی (پیش) پر مشتمل ہیں۔

وضاحت

سوال: مرفوع کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مرفوع اس اسم کو کہتے ہیں جو فاعل کی علامت پر مشتمل ہو۔

سوال: مرفوعات کتنے ہیں اور کون کون سے؟

مرفوعات آٹھ ہیں (۱) فاعل (۲) نائب فاعل (۳) مبتدا (۴) خبر (۵)

حروف مشبہ بالفعل کی خبر (٦) افعال ناقصہ کا اسم (٧) ماولا مشابہ بلیس کا اسم (٨) لائے نفی جنس کی خبر۔

سوال: اس کی وجہ حصر کیا ہے؟

جواب: اس کی وجہ حصر یہ ہے۔

عامل یا تو لفظی ہوگا یا معنوی، اگر عامل معنوی ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو مسندالیہ ہوگا یا مسند ہوگا اگر مسندالیہ ہے تو مبتدا اور اگر مسند ہے تو خبر۔ اور اگر عامل لفظی ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو عامل فعل ہوگا یا حرف، اگر فعل ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو اسکی نسبت مرفوع کی طرف علی جهة القيام ہوگی یا علی جهة الوقوع، اول فاعل ہے اور دوسرا نائب فاعل اور اگر عامل حرف ہے تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو معمول مسندالیہ ہوگا یا مسند، اگر اول ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں ، اول افعال ناقصہ کا اسم ہوگا اور دوسرا ما و لا المشھبتین بلیس ہوگا اور اگر مسند ہے تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو کلام موجب میں یا کلام غیر موجب میں، اول حروف مشبہ بالفعل کی خبر اور دوسرا لائے نفی جنس کی خبر۔

سوال: مصنف نے افعال ناقصہ کے اسم کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: مصنفؒ نے اس کو اس وجہ سے بیان نہیں کیا کیونکہ کافیہ ماخوذ ہے ''المفصل'' سے اور ''المفصل'' میں علامہ زمخشریؒ نے اس کو منصوبات میں ذکر کیا ہے نہ کہ مرفوعات میں، اس لئے ان کی اتباع میں مصنف نے افعال ناقصہ کے اسم کا تذکرہ نہیں کیا۔

سوال: مرفوع، اسم مذکر ہے، اس کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ کیوں نہیں لائے؟

جواب: اسم مرفوع مذکر ہے، لیکن غیر ذوی العقول ہے اور غیر ذوی العقول

کی جمع الف اور لمبی تاء کے ساتھ آتی ہے، واؤ اور نون کے ساتھ نہیں آتی، اس لئے مرفوع کی جمع مرفوعات لائے نہ کہ مرفوعون۔

سوال: واؤنون اور یاءنون کے ساتھ جمع لانے کے لئے ذوی العقول ہونا شرط ہے، تو پھر سِنَة (سال) جمع سِنُوْنَ، اَرْض (زمین) کی جمع اَرْضُوْنَ، ثُبَة (جماعت اور گروہ) ثُبُوْنَ اور قُلَّة (گلی ڈنڈا) جمع قُلُوْنَ یہ چاروں غیر ذوی العقل ہونے کے باوجود ان کی جمع واؤنون اور یاءنون کے ساتھ کیوں لائے ہیں؟

جواب: سِنَةُ (سال) جمع سِنُوْنَ، اَرْض (زمین) کی جمع اَرْضُوْنَ، ثُبَة (جماعت اور گروہ) ثُبُوْنَ اور قُلَّة (گلی ڈنڈا) جمع قُلُوْنَ شاذ ہے اور شاذ معدوم کی طرح ہوتا ہے اور معدوم کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔

سوال: قرآن میں رأیتھم لی ساجدین آیا ہے اور ساجدین کواکب کی صفت ہے اور کواکب غیر ذوی العقل ہیں، تو ان کی جمع یاءنون کے ساتھ نہ آنی چاہئے؟

جواب: ساجدین گو ذوی العقل کے قبیل سے نہیں ہیں، لیکن وہ ذوی العقل کے مشابہ ہیں، سجدہ کا فعل کرنے کے اعتبار سے کہ ان سے بھی ذوی العقل کی طرح سجدہ کا فعل صادر ہوا، اس لئے ان کی صفت کی جمع یاءنون کے ساتھ لائے ہیں۔

سوال: مرفوعات کو منصوبات پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: مرفوعات، منصوبات کے مقابلے میں قلیل ہیں اور قلیل کثیر پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے مرفوعات کو مقدم فرمایا۔

تعریف: مرفوع وہ اسم ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہو۔

سوال: فاعلیت کی علامت کیا ہے؟

جواب: فاعلیت کی علامت رفع ہے۔

سوال: عبارت میں فاعلیت کیوں کہا؟

جواب: عبارت میں فاعلیت اس لئے کہا تا کہ فاعل کے ساتھ ملحقات فاعل (مبتدا، خبر وغیرہ) بھی داخل ہو جائیں۔

سوال: ''ما'' سے کیا مراد ہے اور کیوں؟

جواب: ''ما'' سے مراد اسم ہے، اس لئے کہ بحث اسم کی چل رہی ہے، فعل اور حرف کی بحث نہیں اور یہ بات قرینہ ہے۔

سوال: مصنف نے علی علم الفاعلیۃ کہا علی رفع الفاعلیۃ کیوں نہیں کہا؟

جواب: اگر رفع الفاعلیۃ کہتے تو وہ شخص جو مرفوع کو نہیں جانتا وہ رفع کو کیسے جانے گا، اس لئے رفع الفاعلیۃ کے بجائے علم الفاعلیۃ کہا۔

فمنه الفاعل و هو ما اسند اليه الفعل أو شبهه و قدم عليه: على جهة قيامه به مثل: قام زيد و زيد قائم أبو ه۔

ترجمہ: پس مرفوعات میں سے ایک فاعل ہے اور فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہو اور اس کو فاعل سے پہلے لایا گیا ہو اس کے ساتھ قائم ہونے کے طور پر جیسے قام زید، وزید قائم ابوہ۔

مختصر تشریح

فاعل: وہ اسم ہے جس کی طرف کسی فعل یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو اور اس فعل یا شبہ فعل کو پہلے لایا گیا ہو اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کے ذریعہ وجود میں آیا ہو جیسے قام

زید اور قیام زید میں زید کی طرف فعل قام اور مصدر قیام کی نسبت کی گئی ہے، اور کھڑا ہونا زید کے ذریعہ وجود میں آیا ہے، اس لئے زید فاعل ہے۔

شبہ فعل پانچ ہیں (۱) اسم فاعل (۲) اسم مفعول (۳) اسم تفضیل (۴) صفت مشبہ (۵) مصدر۔

یہ سب فعل کی طرح عمل کرتے ہیں اور عام طور پر اپنے پہلے معمول کی طرف مضاف ہوتے ہیں جیسے قیام زید میں ''مصدر قیام'' فاعل کی طرف مضاف ہے۔

وضاحت

سوال: مرفوعات آٹھ ہیں، ان میں سے سب سے پہلے فاعل کو کیوں بیان کیا؟

جواب: جملہ کی دو قسمیں ہیں (۱) جملہ فعلیہ (۲) جملہ اسمیہ۔

(۱) جملہ فعلیہ: جملہ اسمیہ پر مقدم ہے، اس لئے کہ جملہ فعلیہ میں فاعل شامل ہوتا ہے اور فاعل عمدہ جزء ہے۔

(۲) فاعل میں عامل، لفظی ہوتا ہے اور مبتدا کا عامل، عامل معنوی ہوتا ہے اور عامل لفظی یہ عامل معنوی کے مقابلے میں قوی ہوتا ہے، اس لئے فاعل کو مقدم کیا۔

(۳) تمام مرفوعات کی اصل فاعل ہے، اس لئے کہ تمام مرفوعات فاعل کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں اس لئے فاعل کو مقدم کیا۔

سوال: فاعل کی تعریف کیا ہے؟

جواب: فاعل: وہ اسم ہے، جسکی طرف فعل کی اسناد یا شبہ فعل کی اسناد کی جائے اور فعل یا شبہ فعل اس اسم پر اس طریقے پر مقدم ہو کہ فعل کا قیام، اس اسم کے ساتھ ہو جیسے قام زید اس میں (قام) فعل کی نسبت فاعل کی طرف کیا ہے اور زید قائم ابوہ میں قائم شبہ فعل کی اسناد، فاعل (ابوہ) کی طرف ہے۔

سوال: شبہ فعل کسے کہتے ہیں؟

جواب: (۱) جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو۔

(۲) شبہ فعل کہا جاتا ہے جس کی فعل کے ساتھ لفظاً اور معنیً مشابہت پائی جاتی ہو۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، یہ تعریف بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے۔

چنانچہ ما اسند الیہ بمنزلہ جنس ہے اور قدم علیہ فصل اول ہے، اس سے زید ضرب جیسی مثالوں کو خارج کیا اور علی جھة قیامه فصل ثانی ہے، نائب فاعل کو خارج کیا، اس لئے کہ فعل یا شبہ فعل کے قائم ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ فاعل کی طرف جس کی اسناد ہو رہی ہے وہ معروف کا صیغہ ہو، مجہول نہ ہو اور نائب فاعل میں اس کی طرف فعل مجہول کی اسناد ہوتی ہے۔

فائدہ: شبہ فعل کی قید لگا کر اسمِ فعل کو خارج کر دیا جیسے علیک اسم فعل ہے، معنیً تو فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے لیکن لفظاً نہیں۔

نوٹ: شبہ فعل پانچ ہیں، اسم فاعل؛ اسم مفعول؛ اسم تفضیل؛ صفت مشبہ؛ اور مصدر؛ یہ سب فعل کی طرح عمل کرتے ہیں اور عام طور پر اپنے پہلے معمول کی طرف مضاف ہوتے ہیں جیسے قیام زید۔

سوال: کافیہ ”المفصل“ سے ماخوذ ہے اور ”المفصل“ میں علی جھة قیامه کی قید نہیں ہے تو پھر مصنف نے اس کو کیوں ذکر کیا؟

جواب: مصنفؒ اور صاحب مفصل کے درمیان اختلاف ہے، صاحب مفصل کے نزدیک مفعول مالم یسم فاعله، فاعل ہی کے حکم میں ہے، اس لئے یہ قید نہیں لگائی تا کہ فاعل کی تعریف میں مفعول ما لم یسم فاعله بھی داخل رہے اور

مصنف کافیہ کے نزدیک مفعول ما لم یسم فاعله، فاعل سے خارج ہے، اس لئے مصنف نے یہ قید لگا کر فاعل کی تعریف سے اس کو خارج کر دیا۔

(قاعدة)

و الاصل ان یلی الفعل، فلذلك: جاز: ضرب غلامه زيد، وامتنع ضرب غلامه زیدا۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور اصل یہ ہے کہ وہ فعل کے متصلا بعد ہو اسی وجہ سے جائز ہے ضرب غلامہ زید (زید نے اپنے غلام کو مارا) اور ممتنع ہے ضرب غلامُہ زیداً۔

مختصر تشریح

اصل یہ ہے کہ فاعل فعل سے متصل آئے (مفعول سے مقدم آئے) اسی ضابطہ سے ضرب غلامہ زید کہنا درست ہے (زید نے اپنے غلام کو مارا) اس میں زید فاعل ہے، جملہ میں اگر چہ مفعول کے بعد آیا ہے، مگر اس کا مرتبہ مقدم ہے اس لئے اس کی طرف غلامہ کی ضمیر لوٹ سکتی ہے، یہ اضمار قبل الذکر نہیں اور ضرب غلامہ زیدا کہنا درست نہیں (زید کے غلام نے زید کو مارا)، کیونکہ غلامہ کی ضمیر زیداً کی طرف لوٹتی ہے، جو مفعول بہ ہے جو لفظاً اور رتبۃً مؤخر ہے اس لئے یہ اضمار قبل الذکر ہے اور نا جائز ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ ایک اصول بیان کرتے ہیں۔

سوال: وہ اصول کیا ہے؟

جواب: فاعل میں اصل یہ ہے کہ وہ فعل سے متصل ہو۔

سوال: فاعل کا فعل سے متصل ہونے کا کیا مطلب؟

جواب: فاعل کا فعل سے متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے بعد فاعل واقع ہواور فعل کے معمولات میں سے کوئی معمول فاعل پر مقدم نہ ہو۔

سوال: فاعل کا فعل سے متصل ہونا کیوں مناسب ہے؟

جواب: فاعل کا فعل سے متصل ہونا اس لئے مناسب ہے کہ فاعل فعل کے جز کی طرح ہے، کیوں کہ فاعل کی طرف فعل کی احتیاج، دیگر معمولات کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

فائدہ: فاعل کا فعل سے متصل ہونا مناسب اس وقت ہے، جب کہ کوئی مانع نہ ہو، اگر اتصال سے کوئی مانع ہوگا تو اس اصل پر عمل نہ ہوگا جیسے ضربک زید میں زید فاعل اپنے فعل ضرب کے ساتھ اس وجہ سے متصل نہیں ہے کہ اس میں ''ک'' ضمیر مفعول کا اتصال اس سے قبل ہو رہا ہے، اب اگر زید کو ضوب کے ساتھ متصل کرتے ہیں تو ضمیر کو منفصل کرنا لازم آئے گا۔

فلذلك: جاز : ضرب غلامه زيد وامتنع ضرب غلامه زيدا ۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: اصل مذکور پر تفریع مقصود ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اصل فاعل کا فعل سے متصل ہونا ہے، اس لئے ضرب غلامہ زید جائز ہے کیونکہ زید فاعل ہے اور فاعل مرتبہ کے اعتبار سے ضرب کے متصل ہے لہذا غلامہ کی ضمیر زید کی طرف لوٹتی ہے اس میں اضمار قبل الذکر لفظاً لازم آئے گا، رتبۃً لازم نہ آئے گا اور یہ نا جائز نہیں۔

امتنع ضرب غلامہ زیدا۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ضرب غلامہ زید کا ممتنع (محال) ہونا بیان کرنا ہے۔

سوال: امتناع کی وجہ کیا ہے؟

جواب: امتناع کی وجہ یہ ہے کہ غلامہ فاعل ہے جو اپنے فعل کے ساتھ متصل ہے اس میں ضمیر زیدا کی طرف راجع ہے اور زیدا مفعول بہ ہے جو مؤخر ہے، اس لئے اضمار قبل الذکر لفظاً و رتبۃً دونوں طرح لازم آئے گا جو ناجائز ہے۔

(قاعدة)

و اذا نتفى الاعراب فيهما لفظا و القرينة أو كان مضمرا متصلا أو وقع مفعوله بعد الا أو معناها: وجب تقديمه۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور جب فاعل اور مفعول بہ میں اعرابِ لفظی اور قرینہ نہ ہو یا فاعل ضمیر متصل ہو یا اس کا مفعول بہ ''الا'' یا معنیٰ ''الا'' کے بعد واقع ہو، تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ:

(۱) جب فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں اور اشتباہ کا اندیشہ ہو جیسے ضرب موسی عیسی (موسیٰ نے عیسیٰ کو مارا) تو فاعل کی تقدیم واجب ہے اور اگر

اشتباہ کا اندیشہ نہ ہو تو تقدیم واجب نہیں جیسے اکل الکمثری موسی (موسی نے ناش پاتی کھائی) ناش پاتی مفعول ہی ہوسکتی ہے، خواہ پہلے آئے یا بعد میں۔

(۲) جب فاعل ضمیر مرفوع متصل ہو جیسے ضربت زیدا۔

(۳) جب مفعول، الا کے بعد آئے (مفعول کا حصر کرنا مقصود ہو) جیسے ما ضرب زیدٌ الا عمراً (زید نے عمرو ہی کو مارا)۔

(۴) جب مفعول "الا" کے ہم معنی کلمات حصر کے بعد آئے (مفعول کا حصر کرنا مقصود ہو) جیسے انما ضرب زید عمرا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد فاعل کی تقدیم کے وجوب کی چار صورتوں کو بیان کرنا ہے اور وہ چار صورتیں یہ ہیں۔

پہلی صورت: فاعل اور مفعول پر اعراب لفظی نہ ہو اور قرینہ جو فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہو وہ بھی نہ ہو، جیسے ضرب موسیٰ عیسیٰ، موسیٰ اور عیسیٰ دونوں میں اعراب لفظی نہیں ہے اور قرینہ بھی نہیں ہے لہذا فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

سوال: فاعل اور مفعول پر اعراب لفظی نہ ہو اور قرینہ جو فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہو وہ بھی نہ ہو، تو فاعل کو مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فاعل اور مفعول پر اعراب لفظی نہ ہو اور قرینہ جو فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہو وہ بھی نہ ہو تو فاعل کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر فاعل کو مقدم کرنا واجب نہ ہو تو فاعل اور مفعول کے درمیان التباس لازم آئے گا، یہ نہ معلوم ہوگا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول ہے۔

سوال: قرینہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: قرینہ کہتے ہیں جو مقصود کی تعیین پر بلا وضع دلالت کرے۔

قرینہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) قرینۂ لفظیہ: جیسے ضربت موسی حبلی اس میں تاءِ تانیث فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس میں حبلی فاعل ہے، اگر اس کو مؤخر کیا جائے تب بھی اس کا فاعل ہونا معلوم ہو جائے گا۔

(۲) قرینۂ معنویہ: جیسے اکل الکمثری یحیی اس میں الکمثری (ناش پاتی) مفعول ہے اور یحیی فاعل ہے، از روئے عقل یہ سمجھ لیا جائے گا کہ یحیی فاعل ہے، کیونکہ کھانے کی صلاحیت اس کے اندر ہے۔

سوال: مصنف کی عبارت و اذا انتفی الاعراب فیھما میں اضمار قبل الذکر ہے، کیونکہ "ھما" ضمیر مجرور کا مرجع، فاعل و مفعول ہے اور فاعل و مفعول کا تذکرہ ماقبل میں نہیں گزرا ہے؟

جواب: ماقبل میں فاعل کا ذکر صراحۃً بھی ہے اور مثالوں کے ضمن میں بھی اور مفعول کا ذکر ماقبل میں اگرچہ صراحۃً نہیں ہے، لیکن مثالوں کے ضمن میں ہے، کیونکہ فرد کا ذکر کلی کے ذکر کو متضمن ہوتا ہے اس لئے اضمار قبل الذکر کا اشکال لازم نہ آئے گا۔

أو کان مضمرا متصلا

دوسری صورت: فاعل ضمیر متصل ہو جیسے ضربت زیدا میں (تُ) ضمیر فاعل متصل ہے۔

سوال: فاعل ضمیر متصل ہو تو فاعل کو مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فاعل ضمیر متصل ہو تو فاعل کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر فاعل کو مقدم نہ کریں اور مؤخر کر دیں، تو اس صورت میں اتصال نہ رہے گا اور متصل کو

منفصل کرنا لازم آئے گا جیسے ضربت زیدا میں (تُ) ضمیر فاعل ہے اور زیدا مفعول ہے، اب اگر (تُ) ضمیر فاعل ہے اس کو مقدم نہ کریں بلکہ مؤخر کریں تو انفصال کی شکل میں لانا پڑے گا، اس لئے کہ ضمیر متصل کے لئے سہارے کی ضرورت ہے اور یہاں کوئی سہارا نہیں ہے۔

أو وقع مفعوله بعد الا۔

تیسری صورت: فاعل کا مفعول "الا" کے بعد واقع ہو جیسے ما ضرب زیدٌ الا عمروًا۔

سوال: فاعل کا مفعول "الا" کے بعد واقع ہو تو مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فاعل کا مفعول "الا" کے بعد واقع ہو تو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے، کہ فاعل اور مفعول میں سے جو بھی "الا" کے بعد واقع ہوگا، اس میں حصر ہوگا، اس لئے مفعول پر حصر کی صورت میں فاعل کا مقدم کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو فاعل پر حصر ہو جائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

سوال: اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: اس کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

جیسے ما ضرب زیدا لا عمروا (نہیں مارا زید نے مگر عمرو ہی کو) اس مثال سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ زید نے عمرو ہی کو مارا، زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو نہیں مارا اور ہوسکتا ہے کہ عمرو کو کسی اور نے بھی مارا ہو، اگر فاعل پر مفعول کو مقدم کر کے اس طرح کہا جائے ما ضرب عمروا الا زیدٌ تو مطلب ہوگا کہ عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے نہیں مارا اور ہوسکتا ہے زید نے کسی اور کو بھی مارا ہو۔

علمی انداز میں اگر کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ متکلم کا مقصود فاعل (ضارب)

کی فاعلیت (ضاربیت) کو مفعول میں منحصر ہونا بتلانا ہے اگر فاعل کو مقدم نہ کیا جائے تو مفعول (مضروب) کی مفعولیت (مضروبیت) فاعل میں منحصر ہو جائے گی۔

أو معناها وجب تقديمه:

چوتھی صورت: فاعل کا مفعول "انما" کے بعد واقع ہو جیسے انما ضرب زید عمروا۔

سوال: فاعل کا مفعول "انما" کے بعد واقع ہو تو مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فاعل کا مفعول "انما" کے بعد واقع ہو تو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے جو بھی "انما" کے بعد واقع ہوگا، اس میں حصر ہوگا اور اس جگہ "انما" کے بعد مفعول ہے، اس لئے مفعول پر حصر ہوگا، اس حصر کی وجہ سے فاعل کا مقدم کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو فاعل پر حصر ہو جائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

سوال: اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: اس کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

جیسے انما ضرب زید عمروا (جز ایں نیست کہ زید نے عمرو ہی کو مارا) اس مثال سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ زید نے عمرو ہی کو مارا، زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو نہیں مارا اور ہو سکتا ہے کہ عمرو کو کسی اور نے بھی مارا ہو، اگر فاعل پر مفعول کو مقدم کر کے اس طرح کہا جائے انما ضرب عمروا زید تو مطلب ہوگا کہ عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے نہیں مارا اور ہو سکتا ہے کہ زید نے کسی اور کو بھی مارا ہو۔

علمی انداز میں اگر کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ متکلم کا مقصود فاعل (ضارب) کی فاعلیت (ضاربیت) کو مفعول میں منحصر ہونا بتلانا ہے، اگر فاعل کو مقدم نہ کیا جائے تو

مفعول (مضروب) کی مفعولیت (مضروبیت) فاعل میں منحصر ہو جائے گی۔

(قاعدة)

و اذا اتصل به ضمير مفعول أو وقع بعد الا أو معناها
أو اتصل به مفعوله وهو غير متصل: وجب تاخيره-

ترجمہ: اور جب فاعل سے مفعول بہ کی ضمیر متصل ہو، یا فاعل ''الا'' یا معنیٰ ''الا'' کے بعد واقع ہو، یا فعل سے اس کا مفعول بہ متصل ہو اور فاعل متصل نہ ہو تو فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ:

چار صورتوں میں فاعل کو مفعول بہ کے بعد لانا واجب ہے۔

(۱) جب فاعل کے ساتھ ایسی ضمیر لگی ہوئی ہو جو مفعول کی طرف لوٹتی ہو جیسے ضرب زیدا غلامه۔

(۲) جب فاعل ''الا'' کے بعد آئے جیسے ما ضرب عمرا الا زید۔

(۳) جب فاعل ''الا'' کے ہم معنیٰ کلماتِ حصر کے بعد آئے (اس کا حصر کرنا مقصود ہو) جیسے انما ضرب عمروا زید۔

(۴) فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر ملی ہوئی ہو اور فاعل ضمیر غیر متصل ہو جیسے ضربک زید تو فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ ان مواقع کو بیان کرتے ہیں جہاں فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے۔

سوال: وہ مواقع کتنے ہیں اور کون کون سے؟

جواب: وہ مواقع چار ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) مفعول کی ضمیر فاعل کے ساتھ متصل ہو جیسے و اذا بتلی ابراھیم ربه۔

سوال: مفعول کی ضمیر فاعل کے ساتھ متصل ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: مفعول کی ضمیر فاعل کے ساتھ متصل ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے، اگر فاعل کو مؤخر نہ کیا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جیسے و اذا بتلی ابراھیم ربه (اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ ابراہیم کو ابراہیم کے رب نے آزمایا) اس میں فاعل ''رب'' ہے اور ''ربُه'' میں ضمیر مفعول کی ہے، جو ابراہیم کی طرف لوٹتی ہے، اگر فاعل کو مؤخر نہ کریں اور و اذا بتلی ربه ابراھیم ہو تو ضمیر مفعول (ہ) مقدم ہوگی اور اس کا مرجع ابراہیم، مؤخر ہوگا، تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور وہ ناجائز ہے۔

(۲) فعل کا فاعل ''الا'' کے بعد واقع ہو جیسے ما ضرب عمرواً الا زیدٌ۔

سوال: فعل کا فاعل ''الا'' کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فعل کا فاعل ''الا'' کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے جو بھی ''الا'' کے بعد واقع ہوگا، اس

میں حصر ہوگا اور اس جگہ ''الا'' کے بعد فاعل ہے، اس لئے فاعل پر حصر ہوگا، اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو مفعول پر حصر ہوجائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

سوال: اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: اس کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

جیسے ما ضرب عمروا الا زیدٌ (نہیں مارا عمرو کو مگر زید ہی نے) اس مثال سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ عمرو کو فقط زید ہی نے مارا ہے، عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے نہیں مارا اور ہوسکتا ہے کہ زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو بھی مارا ہو، اگر فاعل کو مفعول سے مقدم کر کے اس طرح کہا جائے ما ضرب زید الا عمروا تو مطلب ہوگا کہ زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو نہیں مارا اور عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے بھی مارا ہے۔

علمی انداز میں اگر کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ متکلم کا مقصود مفعول (مضروب) کی مفعولیت (مضروبیت) کو فاعل میں منحصر کرنا ہے، اگر فاعل کو مؤخر نہ کیا جائے تو فاعل (ضارب) کی فاعلیت (ضاربیت) مفعول میں منحصر ہوجائے گی۔

(۳) فعل کا فاعل ''معنیٰ انما'' کے بعد واقع ہو جیسے انما ضرب عمرو زیدا۔

سوال: فعل کا فاعل ''معنیٰ انما'' کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فعل کا فاعل ''انما'' کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے جو بھی ''انما'' کے بعد واقع ہوگا اس میں حصر ہوگا، اور اس جگہ ''الا'' کے بعد فاعل ہے، اس لئے فاعل پر حصر ہوگا، اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو مفعول پر حصر

ہو جائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

سوال: اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: اس کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

جیسے انما ضرب عمرو أزیدٌ (مارا عمرو کو زید ہی نے) اس مثال سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ عمرو کو فقط زید ہی نے مارا ہے عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے نہیں مارا اور ہوسکتا ہے کہ زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو بھی مارا ہو، اگر فاعل کو مفعول سے مقدم کر کے اس طرح کہا جائے ما ضرب زید الا عمروا تو مطلب ہوگا کہ زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو نہیں مارا اور عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے بھی مارا ہے۔

علمی انداز میں اگر کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ متکلم کا مقصود مفعول (مضروب) کی مفعولیت (مضروبیت) کو فاعل میں منحصر کرنا ہے، اگر فاعل کو مؤخر نہ کیا جائے تو فاعل (ضارب) کی فاعلیت (ضاربیت) مفعول میں منحصر ہو جائے گی۔

(۴) فعل کے ساتھ فعل کا مفعول متصل ہو، فاعل متصل نہ ہو جیسے ضربہ زید۔

سوال: فعل کے ساتھ فعل کا مفعول متصل ہو، فاعل متصل نہ ہو تو فاعل کو مؤخر کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فعل کے ساتھ فعل کا مفعول متصل ہو، فاعل متصل نہ ہو تو فاعل کو مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر فاعل کو مؤخر نہ کیا جائے تو مفعول کی ضمیرِ متصل کو منفصل کرنا لازم آئے گا جیسے ضربہ زید (زید نے اس کو مارا) اس مثال میں ضرب کے ساتھ اس کا مفعول (ہ) ضمیر متصل ہے، اگر فاعل کو مفعول سے مؤخر نہ کریں بلکہ مقدم کریں تو ضمیر کو منفصل کی شکل میں لانا لازم آئے گا اور اتصال، انفصال کے مقابلہ میں اصل ہے۔

(قاعدة)

وقد يحذف الفعل لقيام قرينة-

ترجمہ: (قاعدہ) اور کبھی فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے کسی قرینہ کے پائے جانے کے وقت۔

(الف) جوازاً في مثل: زيد لمن قال من قام؟

ترجمہ: (الف) جواز کے طور پر زید جیسی مثالوں میں، اس شخص کے جواب: میں جو کہے من قام (کون کھڑا ہے؟)۔

شعر:

وليبك يزيد ضارع لخصومة و مختبط مما تطيح الطوائح

ترجمہ: چاہئے کہ رویا جائے یزید (کون روئے؟ روئے اس کو) جھگڑے کے وقت عاجز رہ جانے والا، اور آفات میں ہلاک ہونے سے بے وسیلہ سوال کرنے والا۔

(ب) و وجوبا في مثلوَ اِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِسْتَجَارَكَ۔

ترجمہ: (ب) اور وجوبی طور پر (فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے) وَاِنْ اَحَدُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِسْتَجَارَكَ جیسی مثالوں میں۔

وقد يحذفان معا: في مثل: نعم لمن قال اقام زيد؟

ترجمہ: (قاعدہ) اور کبھی فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے کسی قرینہ کے پائے جانے کے وقت۔

مختصر تشریح

قاعدہ(۱): قرینہ کی موجودگی میں فعل کو حذف کیا جاتا ہے: جوازاً بھی اور وجوباً بھی، جوازاً حذف فعل کی مصنفؒ نے دو مثالیں دی ہے۔

(۱) کسی نے پوچھا: من قام؟ کون کھڑا ہوا؟ آپ نے جواب: دیازید، اور یہاں قام محذوف ہے اور حذف کا قرینہ سوالِ محقق (واقعی سوال) ہے۔

(۲) جواز حذف کی دوسری مثال: ایک شاعر اپنے بھائی یزید کا مرثیہ کہتا ہے:

ولیبک یزید ضارع لخصومۃ　　　ومختبط مما تطیح الطوائح

ترجمہ:

چاہئے کہ رویا جائے یزید! (کون روئے؟ روئے اس کو) جھگڑے کے وقت عاجز رہ جانے والا۔ اور آفات میں ہلاک ہونے سے بے وسیلہ سوال کرنے والا۔

دو شخص اس کو روئیں: ایک جھگڑے کے وقت مدد چاہنے والا، دوسرا سخت آفات میں بے وسیلہ تعاون کی درخواست کرنے والا، کیونکہ یزید ان دونوں کی مدد کیا کرتا تھا۔

اس شعر میں ضارع سے پہلے یبکی محذوف ہے اور قرینہ سوالِ مقدر (فرضی سوال) ہے اور مختبط کا عطف ضارع پر ہے۔

ضارع: عاجز رہ جانے والا۔ لخصومۃ: لام وقتیہ ہے، مختبط: آفات میں ہلاک ہونے والا، مما میں ''ما'' مصدریہ ہے، اطاحۃ: ہلاک کرنا، طائحۃ: آفت۔

(۳) اور وجوباً فعل محذوف ہونے کی مثال سورۂ توبہ کی آیت ۶ ہے: وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِسْتَجَارَكَ۔

ترجمہ:

اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ کا طلب گار ہو۔

یہاں احد سے پہلے استجارک محذوف ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ ان حرف شرط فعل ہی پر داخل ہوتا ہے۔

فی مثل سے مراد ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے، (بعد میں تفسیر کرنے والا فعل آرہا ہو) تو پہلی جگہ فعل کو مقدر ماننا ضروری ہے۔

(۴) قاعدہ: اگر قرینہ موجود ہو تو فعل اور فاعل دونوں کو حذف کرنا بھی جائز ہے، جیسے کسی نے پوچھا: أقام زید؟ کیا زید کھڑا ہوا؟ آپ نے جواب: دیا: نعم: ہاں! تو یہاں قام زید محذوف ہے أی نعم قام زید۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول بیان کرنا ہے۔

سوال: وہ اصول کیا ہے؟

جواب: وہ اصول یہ ہے کہ کبھی کبھی فعل کو حذف کیا جاتا ہے، جوازی طور پر اور کبھی وجوبی طور پر۔

سوال: فعل کو جوازاً حذف کب کیا جاتا ہے؟

جواب: فعل کو جوازاً حذف اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسے من قام کے جواب: میں زید کہا جائے، اصل تو یہ تھا کہ کہا جاتا قام زید لیکن اس جگہ سوال محقق، قرینہ بنا۔

اس لئے کہ سوال کی دو قسمیں ہیں (۱) سوالِ محقق (۲) سوالِ مقدر۔

سوال: سوال محقق کی تعریف کیا ہے؟

جواب: سوال محقق: حقیقۃ لفظوں میں سوال ہو مذکورہ مثال من قام کے

جواب: میں زید تو سوال حقیقۃ موجود ہے، جو قرینہ بنا جواب: میں قام فعل کے حذف کا۔

سوال: سوال مقدر کی تعریف کیا ہے؟

جواب: سوال مقدر: حقیقۃ لفظوں میں سوال نہ ہو بلکہ مانا جائے۔

جیسے

ولیبک یزید ضارع لخصومہ و مختبط مما تطیح الطوائح

(چاہیئے کہ رویا جائے یزید پر ہر ذلیل جس کا کوئی مددگار نہیں اور فقیر جو سوال کرنے والا ہو جس کو زمانے کے حوادثات نے ہلاک کر دیا ہو)۔

یہ مثال، سوال مقدر کی ہے، جب شاعر نے ولیبک یزید (چاہیئے کہ رویا جائے یزید) کہا تو سوال پیدا ہوا کہ کون روئے؟ تو جواب: میں کہا گیا روئے ضارع لخصومۃ و مختبط مما تطیح الطوائح اصل میں یبکی ضارع لخصومہ و مختبط مما تطیح الطوائح ہے، گویا یبکی فعل محذوف ہے اس مثال میں من یبکی سوال مقدر ہے جو قرینہ بنا جواب: میں یبکی فعل کے حذف کا۔

سوال: یہ شعر کس کا ہے؟

جواب: اس میں تین قول ہیں۔

(۱) ضرار بن نہشل (۲) حارث بن نہشل (۳) ضرار اور حارث کی ماں۔

سوال: یہ شعر محل استشہاد کب بنے گا؟

جواب: یہ شعر محل استشہاد اس وقت بنے گا جبکہ ولیبک مجہول پڑھا جائے اور اگر معروف پڑھا جائے تو یزید منصوب ہوگا اور یہ شعر فعل کے محذوف ہونے کی مثال نہ بن سکے گا۔

وَوجوبا فی مثل وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِسْتَجَارَكَ۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد فاعل کے فعل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے، اس کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مفاعل کے فعل کو حذف کرنا واجب کب ہوتا ہے؟

جواب: فاعل کے فعل کو حذف کرنا واجب اس وقت ہوتا ہے جب کہ قائم مقام اور قرینہ دونوں پائے جائے۔

جیسے وَ اِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِسْتَجَارَكَ، اصل میں تھا و ان استجارک احد من المشرکین اس میں احد یہ فاعل ہے، اس کے فعل (استجارک) کو حذف کردیا گیا ہے۔

سوال: اس میں قرینہ کون ہے؟

جواب: اس میں قرینہ حرف (ان) ہے، جو شرط کے لئے ہے اور حرفِ شرط کا مدخول فعل ہوتا ہے اسم نہیں ہوتا اور یہاں مدخول احد ہے جو کہ اسم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان اور احد کے مابین فعل محذوف ہے۔

سوال: ماس میں قائم مقام کون ہے؟

جواب: اس میں قائم مقام استجارک ہے، جو اخیر میں ہے، اس لئے کہ اگر اول استجارک کو حذف نہ کرتے تو گویا مفسرّ اور مفسرِّ دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے، اس لئے اول استجارک کو حذف کردیا۔

نوٹ: مثل سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جہاں قرینہ کی بنیاد پر فعل کو حذف کیا گیا ہو اور اس کی وجہ سے ابہام پیدا ہوا ہو اور ابہام کو دور کرنے کے لئے مفسرِّ کو ذکر کیا جائے، تو فعلِ اول کو حذف کردیا جائے گا۔

وقد یحذف معاً۔

ترجمہ: کبھی فعل اور فاعل دونوں کو ایک ساتھ حذف کیا جاتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ بعض مرتبہ قرینہ کی وجہ سے فعل اور فاعل دونوں کو ایک ساتھ حذف کر دیا جاتا ہے جیسے کسی نے کہا قام زید؟ (کیا زید کھڑا ہے؟) جواب: میں کہا جائے نعم حالانکہ اصل نعم قام زید آنا چاہیے لیکن قرینہ سوالیہ محققہ (واقعی سوال) کی وجہ سے فعل اور فاعل دونوں کو حذف کر دیا اور فقط نعم کہا۔

تنازع الفعلان

واذا تنازع الفعلان ظاهرا بعدهما فقد یکون: (الف) فی الفاعلیة مثل : ضربنی و اکرمنی زید (ب) و فی المفعولیة مثل : ضربت و اکرمت زیدا (ج ود) وفی الفاعلیة و المفعولیة مختلفین فیختار البصریون اعمال الثانی و الکوفیون الاول : (الف) فان اعملتَ الثانی اضمرتَ الفاعل فی الاول علی وفق الظاهر دون الحذف خلافا للکسائی و جاز خلافا للفراء و حذفت المفعول ان استغنی عنه والا اظهرت -(ب) و ان

اعملت الاول اضمرت الفاعل فی الثانی و المفعول علی المختار الا ان یمنع مانع فتظھر

(فائدہ) و قول امرء القیس:

شعر

کفانی ولم اطلب قلیل من المال

لیس منہ لفساد المعنی

ترجمہ: اور جب دو فعل کسی ایسے اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان دونوں کے بعد واقع ہو تو یہ تنازع کبھی فاعلیت میں ہوتا ہے جیسے ضربنی و اکرمنی زید اور کبھی مفعولیت میں جیسے ضربتُ و اکرمتُ زیدا اور کبھی فاعلیت اور مفعولیت (دونوں) میں درانحالیکہ دونوں فعل (عمل میں) مختلف ہوں۔ پس بصریین دوسرے فعل کو عمل دلانا پسند کرتے ہیں اور کوفیین پہلے فعل کو (الف) پس اگر آپ (بصریین کے مذہب کے مطابق) دوسرے فعل کو عمل دلائیں، تو آپ پہلے فعل میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر لے آئیں، حذف نہ کریں، برخلاف امام کسائی کے، اور (مذکورہ صورت میں) دوسرے فعل کو عمل دلانا جائز ہے، برخلاف امام فراء کے اور آپ مفعول بہ کو حذف کر دیں اگر اس سے بے نیازی ہو سکے، ورنہ (مفعول بہ کو) ظاہر کر دیں۔ (ب) اور اگر آپ (کوفیین کے مذہب کے مطابق) پہلے فعل کو عمل دلائیں تو آپ دوسرے فعل میں فاعل کی ضمیر لے آئیں، اور مفعول بہ کی پسندیدہ قول کے مطابق، مگر یہ کہ کوئی مانع (اس سے) روکے، تو آپ (مفعول بہ کو) ظاہر کر دیں۔

(فائدہ) اور امرء القیس کا قول: ''کفانی ولم اطلب قلیل من المال'' تنازع

فعلان کے قبیل سے نہیں ہے معنی کے خراب ہونے کی وجہ سے۔

وضاحت

بحث تنازع الفعلان

واذا تنازع الفعلان۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد تنازع فعلان کی بحث کو بیان کرنا ہے۔

سوال: تنازع فعلان کسے کہتے ہیں؟

جواب: تنازع فعلان کہتے ہیں، جب دو فعل تنازع کرے ایک اسم ظاہر میں، جو اسم ظاہر ان دو فعلوں کے بعد آئے۔

سوال: تنازع فعلان کی عقلی طور پر کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: تنازع فعلان کی عقلی طور پر چار صورتیں ہیں۔

(۱) فعل اول وثانی دونوں فاعل کا تقاضہ کریں جیسے ضربنی واکرمنی زید۔

(۲) فعل اول وثانی دونوں مفعول کا تقاضہ کریں جیسے ضربت واکرمت زیدا۔

(۳) فعل اول فاعل کا تقاضہ کرے اور فعل ثانی مفعول کا تقاضہ کرے جیسے ضربنی واکرمت زید۔

(۴) فعل اول مفعول کا تقاضہ کرے اور فعل ثانی فاعل کا تقاضہ کرے جیسے ضربت واکرمنی زید۔

سوال: فعل اول وثانی دونوں میں سے کس کو عمل دیا جائے گا؟

جواب: فعل اول وثانی دونوں کو عمل دینا جائز ہے، البتہ اختلاف، قولِ

مختار اور غیر مختار میں ہے، چنانچہ بصریین کے نزدیک فعلِ ثانی کو عمل دینا مختار ہے اور کوفیین کے نزدیک فعلِ اول کو عمل دینا مختار ہے۔

سوال: حضرات بصریین فعل ثانی کو عمل دینا پسند فرماتے ہیں، ان کی کیا دلیل ہے؟

جواب: ان کے پاس دو دلیلیں ہیں۔

(۱) فعل ثانی معمول سے متصل ہوتا ہے، فعل اول متصل نہیں ہوتا، بلکہ درمیان میں فعل ثانی کا واسطہ ہوتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل، قرآن کریم کی آیت ھاؤم اقرءوا کتابیه (آؤ! پڑھو اپنے نامہ اعمال کو) سے استدلال کرتے ہیں، استدلال کی تفصیل یہ ہے کہ ھاؤم فعل اول ہے اور اقرءو فعل ثانی ہے، دونوں کتابیه کے بارے میں تنازع کر رہے ہیں اور اقرءوا کو عمل دیا ہے، اس لئے کہ اگر ھاؤم کو عمل دیا ہوتا تو کتابیه یہ ھاؤم کا معمول ہوتا اور فعل ثانی میں ضمیر لاتے اور اقرءوہ ہوتا، لیکن ضمیر نہیں لائے اس سے معلوم ہوا کہ عمل، فعل ثانی کو دیا ہے۔

سوال: حضرات کوفیین فرماتے ہیں کہ فعل اول کو عمل دینا مختار و پسندیدہ ہے ان کی کیا دلیل ہے؟

جواب: ان کے پاس بھی دو دلیلیں ہیں۔

(۱) فعلِ اول، فعل ثانی کے مقابلے میں اصل ہے، اس لئے کہ فعلِ اول، فعل ثانی کے مقابلہ میں طلب میں مقدم ہے، لہذا فعل اول کو عمل دیا جائے گا نہ کہ فعل ثانی کو "الاقدم فالاقدم" کے طور پر۔

(۲) دوسری دلیل امرء القیس کا شعر کفانی و لم اطلب قلیل من المال ہے، اس مثال میں کفانی فعل اول ہے اور و لم اطلب فعل ثانی ہے، قلیل من المال

میں دونوں تنازع کرر ہے ہیں، کفانی یہ فاعل کا تقاضا کرتا ہے اور لم اطلب یہ مفعول کا تقاضا کرتا ہے، تو امرء القیس نے فعل اول کو عمل دیا، اس لئے قلیل پر رفع آیا ہے۔

سوال: مصنفؒ کے نزدیک بصریین کا قول راجح ہے یا کوفیین کا قول راجح ہے؟

جواب: مصنفؒ کے نزدیک بصریین کا قول راجح ہے۔

سوال: اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ نے کوفیین کی دلیل کا جواب: دیا ہے، یہ بات قرینہ ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک بصریین کا قول راجح ہے چنانچہ فرمایا کوفیین کا کفانی و لم اطلب قلیل من المال کو دلیل میں پیش کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اس شعر کو تنازع فعلان مانتے ہیں تو معنی میں فساد لازم آئے گا۔

سوال: معنی میں فساد کیسے لازم آئے گا؟

جواب: امرء القیس کا شعر اس طرح ہے" ولو ان ما اسعی لادنی معیشه کفانی ولم اطلب قلیل من المال" اور قاعدہ ہے کہ "لو" اگر داخل ہو مثبت پر تو مثبت کو منفی بنادے گا اور اگر "لو" کا مدخول منفی ہو تو منفی کو مثبت بنادے گا اور معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے، اب شعر کا ترجمہ ہوگا۔

میں کوشش نہیں کرتا تھوڑے مال کی اور تھوڑا مال مجھ کو کافی نہیں ہے اور میں تھوڑا مال طلب کرتا ہوں۔

تو دعوی میں تناقض لازم آئے گا، اس لئے کہ ایک طرف کہہ رہا ہے کہ میں قلیل مال کی کوشش نہیں کرتا اور وہ مجھے کافی نہیں ہے اور دوسری طرف کہتا ہے، میں قلیل مال طلب کرتا ہوں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ شعر باب تنازع سے نہیں ہے۔

سوال: جب یہ شعر باب تنازع سے نہیں ہے تو ولم اطلب کا مفعول کون

ہوگا؟

جواب: و لم اطلب کا مفعول (الملک و المجد) محذوف ہے اصل عبارت ہے و لم اطلب من الملک و المجد اب شعر کا ترجمہ ہوگا میں قلیل مال کی کوشش نہیں کرتا اور وہ مجھے کافی نہیں ہے اور میں طلب کرتا ہوں حکومت اور بزرگی کو۔

سوال: و لم اطلب کا مفعول (الملک و المجد) کو کہاں سے اخذ کیا؟

جواب: و لم اطلب کا مفعول (الملک و المجد) کو ایک دوسرے شعر سے اخذ کیا ہے، وہ کیا ہے۔

و لکنما اسعی لمجد مؤثل۔ و قد یدرک المجد المؤثل امثالی

(بلکہ میں مضبوط بزرگی کے لئے کوشش کرتا ہوں اور تحقیق کہ مضبوط بزرگی مجھ جیسا آدمی پالیتا ہے)۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ امرء القیس کے اس شعر سے دعوی کی دلیل پکڑنا درست نہیں ہے۔

سوال: مصنفؒ نے تنازع کا لفظ استعال کیا ہے تنازع کے معنی آتے ہے لڑنا جھگڑنا اور یہ تو ذی روح کی صفت ہے اور فعل یہ جاندار نہیں ہے؟

جواب: عبارت میں تنازع کے مجازی معنی مراد ہے حقیقی اور معنی نہیں ہے اور معنیٔ مجازی متوجہ ہونا۔

سوال: مصنفؒ نے فعلان کا صیغہ استعمال کیا، حالانکہ جس طرح فعل تنازع کرتا ہے، اسی طرح اسم بھی تو تنازع کرتا ہے، جیسے زید ضارب مکرم عمرو یہاں پر فعل کو خاص کیوں کیا؟

جواب: فعل کی طرح اسم بھی تنازع کرتا ہے، لیکن عمل میں فعل قوی ہوتا

ہے اسم کے مقابلہ میں، اس لئے فعل کو ذکر کیا اور اسم کو اس کے تابع بنا دیا۔

سوال: فعلان، تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا، حالانکہ دو سے زیادہ فعل بھی تنازع کرتے ہیں جیسے کما صلیت و سلمت و بارکت و رحمت و ترحمت علی ابراھیم اس میں پانچ فعلوں نے تنازع کیا، نیز حدیث میں تسبحون و تحمدون و تکبرون دبر کل صلاۃ ثلاثا و ثلاثین آیا ہے، تو مصنفؒ نے دو کی تخصیص کیوں فرمائی؟

جواب: مصنفؒ نے اقل عدد کو بیان کیا ہے، اس لئے کہ تنازع فعلان کے لئے کم از کم دو فعلوں کا ہونا ضروری ہے، زائد کی کوئی حد نہیں۔

سوال: ظاھرا کی قید لگا کر کس کو خارج کیا؟

جواب: ظاھرا کی قید لگا کر اسم ضمیر کو خارج کر دیا، اس لئے کے اسم ضمیر میں دو فعل تنازع نہیں کرتے۔

سوال: اسم ضمیر میں فعل تنازع کیوں نہیں کرتا؟

جواب: اسم ضمیر میں فعل تنازع اس لئے نہیں کرتا کہ اسم ضمیر متصل ہوگا یا منفصل ہوگا، اگر متصل ہے تو جس فعل سے متصل ہے اس کو عمل دیں گے، ہاں منفصل کی صورت میں تنازع ہوسکتا ہے لیکن ضمیر متصل میں نہیں تو منفصل کی صورت میں بھی طرداً للباب منع کیا۔

سوال: بعدھما کی قید کیوں لگائی؟

جواب: بعدھما کی قید اس لئے لگائی کہ اسم ظاہر دو فعلوں کے درمیان میں ہو یا اول میں ہو تو فعل اول کو عمل دیا جائے گا قرب کی بناء پر۔

فان اضمرت الفاعل الخ:

سوال: اس سے مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد بصریین کے قول کی تفسیر کرنا ہے۔

اگر بصرین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دے دیا تو فعل اول میں اسم ظاہر کے مطابق ضمیر لائیں گے۔

اگر موافق صورتوں میں اسم ظاہر واحد ہے، تو ضمیر بھی واحد جیسے ضربني و اكرمني زيد اور اسم ظاہر تثنیہ ہے تو ضمیر بھی تثنیہ جیسے ضرباني و اكرمني الزيدان اور اگر اسم ظاہر جمع ہے تو ضمیر بھی جمع لائیں گے جیسے ضربوني و اكرمني الزيدون اور مخالف صورتوں میں ضربني و اكرمت زيدا و ضرباني و اكرمت الزيدين و ضربوني و اكرمت الزيدين۔

سوال: فعل اول فاعل کا تقاضہ کرے اور فعل ثانی بھی فاعل یا مفعول کا تقاضہ کرے تو اگر بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول میں کیا لایا جائے گا؟

جواب: اس بارے میں اختلاف ہے۔

(۱) بصریین کے نزدیک فعل اول میں فاعل کی ضمیر لائیں گے جیسے ضربني و اكرمني زيد یا ضربني و اكرمت زيدا۔

سوال: اس سے اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا؟

جواب: بالکل! اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، لیکن فاعل میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور فاعل کلام میں عمدہ جز ہے اور عمدہ کی وجہ سے اضمار قبل الذکر کی گنجائش ہے، اگر حذف کرتے ہیں تو عمدہ کا حذف لازم آئے گا۔

(۲) امام کسائی کے نزدیک فعل اول کے فاعل کو حذف کریں گے۔

سوال: امام کسائی کی دلیل کیا ہے؟

جواب: امام کسائی کے نزدیک فعل اول کے فاعل کو حذف کریں گے، تا

کہ اضمار قبل الذکر کا اعتراض لازم نہ آئے گویا کسائی قصاب (قصائی) ہے۔

(۳) امام فراء کے نزدیک فعل اول کو عمل دیں گے، تاکہ نہ عمدہ کا حذف لازم آئے، نہ اضمار قبل الذکر لازم آئے۔

وحذفت المفعول ان الخ:

سوال: فعلِ اول مفعول کا تقاضہ کرے اور فعلِ ثانی فاعل یا مفعول کا تقاضہ کرے، اگر بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول میں کیا لایا جائے گا؟

جواب: فعلِ اول، مفعول کا تقاضہ کرے اور فعلِ ثانی، فاعل یا مفعول کا تقاضہ کرے اور اگر بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول میں بالاتفاق مفعول کی ضمیر کو حذف کیا جائے گا، جیسے تم کہوں گے موافق صورتوں میں ضربت و اکرمت زیدا و ضربت و اکرمت الزیدین و ضربت و اکرمت الزیدین اور مخالف صورتوں میں کہوں گے جیسے ضربت و اکرمنی زید و ضربت و اکرمنی الزیدان و ضربت و اکرمنی الزیدین۔

بصریین کے نزدیک: اس لئے کہ فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور کسائی کے نزدیک تو عمدہ اور فضلہ برابر ہے اور فراء کے نزدیک یہ فضلہ ہے حذف کرنا جائز ہے۔

اور اگر فعل اول، افعال قلوب میں سے ہو تو فعل اول میں مفعول کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔

سوال: اگر فعل افعال قلوب میں سے ہو تو فعل اول میں مفعول کا ظاہر کرنا کیوں ضروری ہے؟

جواب: اگر فعل، افعالِ قلوب میں سے ہو تو فعل اول میں مفعول کا ظاہر کرنا

اس لئے ضروری ہے کہ اگر حذف کریں تو افعال قلوب میں سے ایک مفعول کا حذف لازم آئے گا، حالانکہ افعال قلوب میں سے کسی مفعول کو بحذف کرنا جائز نہیں ہے۔

سوال: کیوں جائز نہیں؟

جواب: افعال قلوب متعدی بدومفعول ہیں اور مفعول اول بمنزلہ مبتدا اور مفعول ثانی بمنزلہ خبر ہوتا ہے، اس لئے حذف کرنا جائز نہیں ہے جیسے حسبنی منطلقا و حسبت زیدا منطلقا اس مثال میں حسبنی فعلِ اول ہے اور حسبت فعل ثانی ہے، فعل اول اور فعل ثانی نے اول زیداً میں تنازع کیا، فعل اول نے تقاضہ کیا کہ اس کو اپنا فاعل بناؤں اور فعل ثانی نے تقاضہ کیا کہ اپنا مفعولِ اول بناؤں، بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دے دیا اور اول میں فاعل کی ضمیر پوشیدہ مانی، اب ہر دو فعل نے منطلقا میں تنازع کیا، بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیا، اب اول میں یا تو مفعول کی ضمیر پوشیدہ مانیں گے یا حذف کریں گے، دونوں شکلیں ناجائز ہیں، تو لا محالہ اسم ظاہر کی شکل میں لائیں گے، اس لئے کہ افعال قلوب کے دونوں مفعول کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔

وان اعملت الاول الخ:

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد کوفیین کے مسلک کو بیان کرنا ہے۔

سوال: کوفیین کا مسلک کیا ہے؟

جواب: تنازع فعلان میں ان کے نزدیک فعل اول کو عمل دیا جاتا ہے۔

سوال: اگر فعل ثانی فاعل کا تقاضہ کرے تو فعل ثانی میں کیا کیا جائے گا؟

جواب: کوفیین کے مطابق فعل اول کا معمول بنا دیا تو دیکھو کہ دوسرا فعل کس کا تقاضہ کرتا ہے، اگر فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو فاعل کی ضمیر اسمِ ظاہر کے موافق لے

آئیں گے اس لئے کہ اگر اسم ظاہر لائیں گے تو تکرار لازم آئے گا اور اگر حذف کر دیں گے تو عمدہ کا حذف کرنا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے، اب ضمیر ہی لائیں گے اور ضمیر کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا، اس لئے کہ مرجع پہلے اور بعد میں ضمیر ہے جیسے تم کہو گے موافق صورتوں میں ضربني و اکرمني زيد و ضربني و اکرماني الزيدا ن و ضربني و اکرموانی الزيدون اور مخالف صورتوں میں ضربت و اکرمني زيدا و ضربت و اکرماني الزيدين و ضربت و اکرموني الزيدين ۔

سوال: اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضہ کرے تو فعل ثانی میں کیا کیا جائے گا؟

جواب: اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضہ کرتا ہے تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں (۱) دوسرے فعل کے مفعول کو حذف کر دیں گے کیونکہ مفعول بہ فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کا حذف کرنا جائز ہے، جیسے تم کہوں گے موافق صورتوں میں جیسے ضربت و اکرمت زيدا و ضربت و اکرمت الزيدين و ضربت و اکرمت الزيدين اور تم کہوں گے مخالف صورتوں میں جیسے ضربني و اکرمت زيد و ضربني و اکرمت الزيدان و ضربني و اکرمت الزيدون۔

(۲) یا مفعول کی ضمیر لے آئیں گے جیسے تم کہوں گے موافق صورتوں میں ضربت و اکرمته زيدا و ضربت و اکرمتهما الزيدين و ضربت و اکرمتهم الزيدين اور تم کہوں گے مخالف صورتوں میں ضربني و اکرمته زيد و ضربني و اکرمتهما الزيدان و ضربني و اکرمتهم الزيدون ۔

اور اگر فعل، افعال قلوب میں سے ہو تو فعل ثانی میں مفعول کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔

سوال: اگر فعل افعال قلوب میں سے ہو تو فعل ثانی میں مفعول کا ظاہر کرنا کیوں ضروری ہے؟

جواب: اگر دوسرا فعل افعال قلوب میں سے ہو تو فعل ثانی میں مفعول کا ذکر کرنا ضروری ہے حذف جائز نہیں ہے، جیسے حسبنی و حسبتهما منطلقین الزیدان منطلقا اس مثال میں حسبنی اور حسبتهما منطلقا میں تنازع کر رہے ہیں، فعل اول کو عمل دے دیا اور وہ حسبنی ہے اور دوسرے میں مفعول کو ظاہر کر دیا، پس اگر تم مفعول کو حذف کر دو اور یوں کہ حسبنی و حسبتهما الزیدان منطلقا تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف کرنا لازم آئے گا، جو کہ جائز نہیں ہے اور اگر دوسرے فعل میں ضمیر لائیں گے تو ضمیر دو حال سے خالی نہیں یا تو ضمیر واحد لائیں گے یا ضمیر تثنیہ لائیں گے، اگر ضمیر کو مفرد کی صورت میں لاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں حسبنی و حسبتهما ایاه الزیدان منطلقا تو مفعول اول اور مفعول ثانی میں مطابقت نہ ہوگی اور اگر تثنیہ کی ضمیر لائیں گے اور یوں کہیں گے حسبنی و حسبتهما ایاهما الزیدان منطلقا تو اس صورت میں تثنیہ کی ضمیر کا مفرد کی طرف لوٹنا لازم آئے گا، اس لئے دونوں میں مطابقت نہیں رہے گی (اور وہ منطلقا ہے) اور یہ بھی جائز نہیں ہے تو حذف اور ضمیر لانا جائز نہیں ہے تو ذکر کرنا واجب ہے۔

بیان مفعول مالم یسم فاعله

(اس فعل کا مفعول جس کے فاعل کا نام نہیں لیا گیا)

مفعول مالم یسم فاعله کل مفعول حذف فاعله و اقیم هو مقامه۔

ترجمہ: مفعول مالم یسم فاعلہ: ہر ایسا اسم ہے جس کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہو اور اسے فاعل کی جگہ رکھ دیا گیا ہو۔

مختصر تشریح

نائب فاعل کا بیان

مفعول مالم یسم فاعلہ : ہر وہ مفعول ہے جس کا فاعل حذف کیا گیا ہو اور اس کے مفعول کو فاعل کا قائم مقام کیا گیا ہو۔ اس لئے اس کو ''نائب فاعل'' کہتے ہیں۔

وضاحت

سوال : مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب : مصنفؒ مرفوعات میں سے دوسرا مرفوع مفعول مالم یسم فاعلہ (نائب فاعل) کو بیان کرنا ہے۔

سوال : مصنفؒ نے مفعول مالم یسمی فاعلہ کو ماقبل کی بحث سے علیحدہ بیان کیوں نہیں کیا؟

جواب : فاعل اور مفعول مالم یسمی فاعلہ کے درمیان شدت اتصال ہے، اس لئے علیحدہ بیان نہیں کیا۔

سوال : مفعول مالم یسم فاعلہ کسے کہتے ہیں؟

جواب : مفعول مالم یسم فاعلہ ایسے مفعول کو کہتے ہیں کہ جس کے فاعل کو حذف کیا گیا ہو اور مفعول کو فاعل کا قائم مقام کیا گیا ہو جیسے ضُرِبَ زَیدٌ اصل میں عبارت تھی ضرب عمرو زیدا، عمرو کو گرادیا جو کہ فاعل تھا، اس کی جگہ زیدلایا گیا جو کہ مفعول ہے۔

سوال : مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف میں فرمایا گیا ہر مفعول جس کے فاعل کو حذف کیا جائے، فاعل، فعل کا ہوتا ہے، مفعول کا نہیں ہوتا؟

جواب : فاعل، فعل ہی کا ہوتا ہے، مفعول کا نہیں ہوتا، لیکن فاعل اور مفعول

دونوں یہ فعل کے جز ہیں، جز ہونے کی حیثیت سے فعل کی جگہ مفعول کا تذکرہ کیا۔

سوال: یہ تعریف مانع نہیں کیونکہ فاعل پر بھی صادق ہے، مثلا انبت الربیع البقل میں الربیع پر صادق آتی ہے کیونکہ اصل میں یہ انبت اللہ البقل فی الربیع تھا اسم جلالت جو فاعل ہے، اس کو حذف کر دیا گیا اور الربیع جو مفعول فیہ ہے اسکو فاعل کا قائم مقام کر دیا گیا ہے، لہذا الربیع پر مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف صادق آتی ہے، جبکہ وہ بالاتفاق فاعل ہے؟

جواب: اس کا جواب: خود مصنفؒ نے دیا کہ وہ مفعول کو فاعل کے قائم مقام کرنے کے لئے شرط ہے کہ معروف کا صیغہ مجہول سے بدل دیا گیا ہو اور انبت اللہ البقل فی الربیع میں انبت معروف کا صیغہ ہے وہ بعینہ انبت اللہ البقل میں باقی ہے اس لئے الربیع مسندالیہ ہونے میں اسم جلالت کا قائم مقام نہیں ہے۔

سوال: اقیم اور مقامہ کے درمیان ھو کی ضمیر کیوں لائے؟

جواب: نادان کے وہم کو دور کرنے کے لئے، کیونکہ کوئی نادان یہ سمجھتا کہ اقیم فعل مجہول ہے اور اس کا نائب فاعل مقامہ ہے، تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے "ھو" لائے کہ "ھو" نائب فاعل ہے مقامہ نائب فاعل نہیں ہے۔

و شرطہ: ان تغیر صیغۃ الفعل الی فعل او یفعل۔

ترجمہ: اور اس کی شرط یہ ہے کہ فعل کا وزن "فُعِلَ" یا "یُفعَل" کی طرف تبدیل کر دیا جائے۔

مختصر تشریح

(۲) اور مفعول مالم یسم فاعلہ کے لئے شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فُعل یا یُفعل

سے بدل دیا جائے یعنی فعل کو مجہول بنادیا جائے تبھی اس کا نائب فاعل آئے گا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول مالم یسم فاعلہ کی شرط کو بیان کرنا ہے۔

سوال: وہ شرط کیا ہے؟

جواب: مفعول مالم یسم فاعلہ کے فعل معروف کو فُعِلَ (ماضی مجہول) یا یُفْعَلُ (مضارع مجہول) کی طرف پھیر دیا جائے۔

فائدہ: دولفظ بولے جاتے ہیں (۱) شرط (۲) رکن۔

(۱) شرط: کہتے ہیں، شیٔ سے خارج ہو، لیکن شیٔ کے لئے ضروری ہو جیسے وضو، نماز کے لئے شرط ہے لیکن اس میں داخل نہیں۔

(۲) رکن کہتے ہیں جو شیٔ میں داخل ہو اور اس کے بغیر وہ چیز پائی نہ جاتی ہو جیسے تکبیر تحریمہ، نماز کے لئے رکن ہے اور نماز میں داخل ہے۔

(قاعدۃ)

ولایقع المفعول الثانی من باب علمت۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور باب علمت کا دوسرا مفعول نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

مختصر تشریح

(۳) قاعدہ: چار مفعول نائب فاعل نہیں بن سکتے: (۱) باب علمتُ: متعدی

بدومفعول کا مفعول ثانی۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مذکورہ عبارت سے ان مواقع کو بیان فرمانا ہے، جن مواقع میں مفعول کو نائب فاعل بنانا درست نہیں۔

سوال: ایسے مواقع کتنے ہیں؟

جواب: ایسے مواقع چار ہیں۔

(ا) بابِ علمتُ کا مفعول ثانی نائب فاعل واقع نہیں ہوسکتا۔

سوال: بابِ علمتُ سے کیا مراد ہے؟

جواب: باب علمتُ سے وہ فعل مراد ہے جو متعدی بدومفعول ہو اور مفعول اول اور مفعول ثانی کے درمیان عینیت کا تعلق ہو جیسے علمتُ زیداً عالماً (میں نے جانا کہ زید عالم ہے)۔

سوال: باب علمتُ کا مفعول ثانی نائب فاعل کیوں واقع نہیں ہوسکتا؟

جواب: باب علمتُ کا مفعول ثانی نائب فاعل اس لئے واقع نہیں ہوسکتا کہ باب علمت کے مفعول اول اور مفعول ثانی کے درمیان عینیت کا تعلق ہوتا ہے۔

عینیت کا مطلب ہے دونوں کا محل ایک ہو جیسے علمت زیدا عالما میں زید اور عالم دونوں کا محل ایک ہے، زید کا تعلق جس مسمی کے ساتھ ہوتا ہے، اسی مسمی کے ساتھ عالم کا تعلق ہوتا ہے اور مفعول اول بمنزلہ مبتدا اور مفعول ثانی بمنزلہ خبر ہوتا ہے اس لئے کہ اگر علمت زیدا عالما میں سے علمت کو دور کردیں تو زید عالم باقی رہے گا اور وہ مبتدا اور خبر کی ترکیب میں ہوں گے اور مبتدا مسند الیہ اور خبر مسند ہوتی ہے۔

اب اگر مفعول اول کو حذف کر کے مفعول ثانی کو قائم مقام کردیا جائے تو

مفعول ثانی جو مسند تھا وہ اب مفعول اول کی جگہ آنے کی وجہ سے مسند الیہ بن جائے گا تو ایک چیز کا مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا، جو کہ جائز نہیں ہے۔

فائدہ: متأخرین کے نزدیک باب علمت کے مفعول ثانی کو فاعل کا قائم مقام بنانا جائز ہے اور ایک ترکیب میں ایک اسم دو جہت سے مسند اور مسند الیہ ہو تو کوئی حرج نہیں لہذا باب علمت کا مفعول ثانی فعل مجہول کا مسند الیہ اور مفعول اول کا مسند ہوسکتا ہے، جس طرح ایک اسم مضاف اور مضاف الیہ ہوا کرتا ہے، مگر ایک جہت سے نہیں، بلکہ دو جہت سے اس طرح کہ ماقبل کا مضاف الیہ اور مابعد کا مضاف تو اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیں۔

والثالث من باب اعلمت۔

ترجمہ: باب اعلمت کا مفعول ثالث نائب فاعل واقع نہیں ہوسکتا۔

مختصر تشریح

(۲) باب اعلمت یعنی متعدی بسہ مفعول کا مفعول ثالث

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: : مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ باب اعلمت کا مفعول ثالث نائب فاعل واقع نہیں ہوسکتا۔

سوال: باب اعلمت سے کیا مراد ہے؟

جواب: باب اعلمت سے مراد وہ فعل ہے، جو متعدی بسہ مفعول ہو اور

مفعول ثانی اور مفعول ثالث کے مابین عینیت کا تعلق ہو۔

سوال: باب اعلمت کا مفعول ثالث، نائب فاعل کیوں واقع نہیں ہوسکتا؟

جواب: باب اعلمتُ کے مفعول ثانی اور مفعول ثالث کے درمیان عینیت کا تعلق ہے۔

عینیت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کا محل ایک ہو جیسے **اعلمت زیدا خالدا عالما** میں خالد اور عالم دونوں کا محل ایک ہے، خالد کا تعلق جس مسمی کے ساتھ ہوتا ہے اسی مسمی کے ساتھ عالم کا تعلق ہوتا ہے۔

مفعول اول بمنزلۂ مبتدا اور مفعول ثانی بمنزلۂ خبر ہوتا ہے اس لئے کہ اگر **اعلمت زیدا خالدا عالما** میں سے **اعلمت زیدا** کو دور کردے تو **خالد عالم** باقی رہے گا اور وہ مبتدا اور خبر کی ترکیب میں ہوں گے اور مبتدا، مسند الیہ اور خبر مسند ہوتی ہے۔ اب اگر مفعول ثانی کو حذف کر کے مفعول ثالث کو قائم مقام کردیا جائے تو مفعول ثالث جو مسند تھا وہ اب مفعول ثانی کی جگہ آنے کی وجہ سے مسند الیہ بن جائے گا، تو ایک ہی چیز کا مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔

والمفعول له۔

ترجمہ: اور مفعول لہ نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

مختصر تشریح

(۳) مفعول لہ جو لام کے بغیر ہو۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مفعول لہ نائب فاعل واقع نہیں ہو سکتا۔

سوال: مفعول لہ نائب فاعل کیوں واقع نہیں ہوسکتا؟

جواب: مفعول لہ نائب فاعل اس لئے واقع نہیں ہوسکتا کہ مفعول لہ علت بیان کرنے کے لئے آتا ہے، اب اگر مفعول لہ کو نائب فاعل کی جگہ پر لاکر نائب فاعل بنادیا جائے تو مفعول لہ کا مقصود (علت بیان کرنا) فوت ہوجائے گا جیسے ضربت تادیبا، اب اس میں تادیبا کو نائب فاعل بنائیں تو اس میں نائب فاعل کا power آجائے گا اور جو مقصود ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔

والمفعول معه كذلك۔

ترجمہ: اور مفعول معہ بھی اسی طرح ہے۔

مختصر تشریح

اور مفعول معہ بھی نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول کو بیان کرنا ہے کہ مفعول معہ نائب

فاعل نہیں بن سکتا۔

سوال: مفعول معہ، نائب فاعل کیوں نہیں واقع ہوسکتا؟

جواب: مفعول معہ نائب فاعل اس لئے واقع نہیں ہوسکتا کہ اگر مفعول معہ کو نائب فاعل بنائیں اور فعل کی اسناد اس کی طرف کریں تو دو صورتیں ہوگی یا تو واؤ کو ذکر کرکے یا واؤ کے حذف کے ساتھ، اگر واؤ کے حذف کے ساتھ فعل کی اسناد کریں تو فعل کی اسناد تو درست ہوگی، لیکن وہ فعل، مفعول معہ نہیں رہے گا (اس لئے کہ مفعول معہ کہا جاتا ہے جس میں واؤ مذکور ہو) اگر واؤ کو باقی رکھتے ہیں تو مفعول معہ کی حقیقت تو اپنی جگہ پر باقی رہے گی، لیکن، فعل کی اسناد ختم ہوجائے گی، اس لئے کہ فعل اور نائب فاعل کے مابین واو کا فصل ہوجائے گا اس لئے مفعول معہ کو نائب فاعل بنانا درست نہیں ہے۔

(قاعدة)

و اذا وجد المفعول به تعين له تقول ضرب زيد يوم الجمعة امام الامير ضربا شديدا في داره. فتعين زيد فان لم يكن فالجميع سواء۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور جب مفعول بہ موجود ہو تو وہ نائب فاعل بننے کے لئے متعین ہوگا آپ کہیں گے ضُرِب زید یوم الجمعۃ، امام الامیر، ضربا شدیدا فی دارہ (زید کی پٹائی کی گئی، جمعہ کے دن، امیر کے سامنے، سخت پٹائی، اس کے گھر میں) پس (یہاں نائب فاعل بننے کے لئے) زید متعین ہے اور اگر مفعول بہ موجود نہ ہو تو سب برابر ہیں۔

مختصر تشریح

(۴) قاعدہ: دوسرے تمام مفعول، نائب فاعل بن سکتے ہیں، البتہ اگر ان میں مفعول بہ موجود ہو تو اسی کو نائب فاعل بنائیں گے، کتاب کی مثال میں زید مفعول بہ ہے، اس لئے اسی کو نائب فاعل بنایا گیا ہے، اگر وہ نہ ہوتا تو باقی کسی کو بھی نائب فاعل بنا سکتے تھے۔ یوم الجمعه: مفعول فیہ ظرف زمان ہے، امام الامیر: مفعول فیہ ظرف مکان ہے، ضربا شدیدا: مفعول مطلق ہے اور فی دارہ: ظرف ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک قاعدہ بیان کرنا ہے، کہ کلام میں مفعول بہ کے ساتھ دیگر مفاعیل بھی ہوں، جو نائب فاعل بن سکتے ہیں، تو مفعول بہ نائب فاعل بننے کے لئے متعین ہو جائے گا۔

سوال: مفعول بہ کو ترجیح کیوں حاصل ہے؟

جواب: مفعول بہ دیگر مفاعیل کے مقابلے میں فعل سے زیادہ قریب ہے۔

سوال: مفعول بہ دیگر مفاعیل کے مقابلے میں فعل سے زیادہ قریب کیوں ہے؟

جواب: فعل کا سمجھنا جیسے فاعل پر موقوف ہوتا ہے، ایسے ہی مفعول بہ پر بھی موقوف ہوتا ہے جیسے مثال دی ضرب زید یوم الجمعه امام الامیر ضربا شدیدا فی دارہ۔ اس مثال میں زید، مفعول بہ ہے اور یوم الجمعه، مفعول فیہ زمانی، امام الامیر مفعول فیہ مکانی، ضربا شدیدا مفعول مطلق، فی دارہ ظرف تو اب اس

مثال میں زید متعین ہو جائے گا۔

فان لم یکن فالجمیع سواء: مصنف اس عبارت سے اس بات کو بیان فرمارہے ہیں، کہ اگر کلام میں مفعول بہ موجود نہیں اور اسکے علاوہ جو مفاعیل ہیں وہ نائب فاعل بن سکتے ہیں، تو کسی کو ترجیح نہیں دیں گے، بلکہ سب کے سب برابر ہوں گے۔

(قاعدة)

والاول من باب اعطیت اولی من الثانی۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور باب اعطیت کا مفعول اول (نائب فاعل بنائے جانے کا) مفعول ثانی سے زیادہ مستحق ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: باب اعطیت، متعدی بدو مفعول کے پہلے دو مفعولوں کو نائب فاعل بنایا جاسکتا ہے، پھر ان میں سے بھی پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانا اولی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول بیان کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ باب اعطیت کے مفعول اول کو نائب فاعل بنانا زیادہ بہتر ہے، دوسرے مفعول کے مقابلے میں۔

سوال: باب اعطیت سے کیا مراد ہے؟

جواب: باب اعطیت سے مراد یہ وہ فعل ہے جو متعدی بدو مفعول ہو اور

مفعول اول، مفعول ثانی کا غیر ہو، ان دونوں کے درمیان اتحاد نہ ہو جیسے اعطیت زیدا درھما اس مثال میں زیدا مفعولِ اول ہے اور درھما مفعول ثانی ہے، ان دونوں کے درمیان اتحاد نہیں، بلکہ زید اور درہم دونوں کی ذات الگ الگ ہے۔

سوال: باب اعطیت کا مفعولِ اول، مفعول ثانی کے مقابلے میں نائب فاعل بننے میں اولی کیوں ہے؟

جواب: باب اعطیت کے مفعول اول میں فاعلیت کے معنی ہے اور مفعول ثانی میں فاعلیت کے معنی نہیں ہے (میں نے زید کو درہم دیا) تو زید میں فاعل بننے کی صلاحیت ہے، لیکن درہم میں فاعل بننے کی صلاحیت نہیں ہے، زید میں اخذ کی صلاحیت ہے اور درہم میں ماخوذ کی صلاحیت ہے، اس لئے باب اعطیت کے مفعول اول کا نائب فاعل بنا بہتر ہے، مفعول ثانی کے مقابلے میں۔

و منھا المبتدأ و الخبر

ترجمہ: اور مرفوعات میں سے مبتداء اور خبر ہیں۔

مبتداء اور خبر کا بیان

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مرفوعات میں سے مبتدا کو بیان کرنا ہے۔

سوال: فاعل کو جہاں بیان کیا و منہ الفاعل کہا اور یہاں و منھا المبتدا کہا یعنی مؤنث کی ضمیر لائے؟

جواب: مصنفؒ اس بات کو بتانا چاہتے ہیں کہ ضمیر کو المرفوعات کے مدلول، مرفوع کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں اور نفس مرفوعات کی طرف بھی، جب مدلول کی طرف

لوٹائیں گے تو ضمیر مذکر اور نفس مرفوعات کی طرف لوٹائیں گے تو مؤنث کی ضمیر لانا صحیح ہوگا۔

سوال: مبتدا اور خبر کو ایک عنوان کے تحت کیوں ذکر کیا؟

جواب: (۱) مبتدا اور خبر کے درمیان تلازم کی نسبت ہے، جہاں مبتدا ہوگا، وہاں خبر ہوگی اور جہاں خبر ہوگی وہاں مبتدا ہوگا۔

جواب: (۲) مبتدا اور خبر دونوں مشترک ہیں اس بات پر کہ دونوں کا عامل، عامل معنوی ہوتا ہے۔

حدالمبتدا

فالمبتدأ : هو الاسم المجرد عن العوامل اللفظية مسندا اليه ۔

ترجمہ: پس مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو، درانحالیکہ مسند الیہ ہو۔

مختصر تشریح

(۱) مبتدا کی تعریف: (الف) مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور اس کی طرف کوئی چیز منسوب کی گئی ہو، جیسے زید قائم میں زید مبتدا ہے، کیونکہ اس کی طرف قیام منسوب کیا گیا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مبتدا کی تعریف بیان کرنا ہے۔

مبتدا، وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو، اور وہ اسم مسند الیہ ہو جیسے زید قائم میں زید اسم ہے، عامل لفظی سے خالی ہے اور مسند الیہ ہے، اس میں قائم کی نسبت زید کی طرف کی گئی ہے، لہذا زید مبتدا ہے۔

سوال: مبتدا کی تعریف جامع نہیں ہے، کیوں کہ ان تصوموا خیر لکم میں ان تصوموا مبتدا ہے، لیکن اسم نہیں؟

جواب: مبتدا کا اسم ہونا عام ہے، خواہ حقیقۃ ہو یا تاویلا ہو اور مثال مذکورہ میں (ان) مصدریہ کے سبب، مبتدا بتاویل مصدر اسم ہے، ای صیامکم خیر لکم۔

سوال: مبتدا کی تعریف اب بھی مانع نہیں، کیوں کہ کبھی کبھی فعل بھی مبتدا ہوتا ہے۔ جیسے یہ شعر ہے:

تسمع المعیدی خیر من ان تراہ   و ستعرف قدرہ ان فتح فاہ

ترجمہ: معیدی کو سننا اس کو دیکھنے سے بہتر ہے اور عنقریب تو پہچان لے گا اس کی قدر اگر وہ اپنا منہ کھولے۔

اس شعر میں تسمع فعل ہے جو مبتدا ہے حالانکہ مبتدا اسم ہوتا ہے؟

جواب: اس جگہ ان تسمع المعیدی ہے اور ''اَنْ'' ناصبہ مقدر ہے، لہذا مبتدا بتاویل مصدر اسم ہے اب کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

فائدہ: معیدی، ایک شخص تھا جو بظاہر اچھا تھا مگر معاملے کے وقت بُرا تھا، اب یہ ہر ایسے آدمی کے حق میں مثل ہو گیا جو بظاہر اچھا ہو مگر معاملے کے وقت برا ہو۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، پس المجرد عن العوامل اللفظیہ کی قید لگا کر حروف مشبہ بالفعل کے اسم کو، ما اور لا کے اسم کو اور افعال ناقصہ کے اسم اور باب علمتُ کے مفعول اور اعلمتُ کے مفعولِ ثانی کو خارج کر دیا، اس لئے کہ ان

تمام میں عامل لفظی ہوتا ہے۔

سوال: مصنف نے المجرد کا صیغہ استعمال کیا، جس کے معنی ہیں خالی کیا ہوا، تو اب مبتدا کی تعریف یوں ہوگی ''مبتدا'' وہ اسم ہے جو خالی ہو عامل لفظی سے، مطلب یہ ہوگا کہ عامل لفظی لایا جائے پھر خالی کیا جائے، حالانکہ نحویوں کے نزدیک ابتداء ہی سے عامل معنوی ہوتا ہے؟

جواب: عبارت میں المجرد بمنزلۂ ضَیِّقُ فم البئر کے ہے، اہل عرب اس وقت اس کا استعمال کرتے ہیں جب کنویں کا منھ ابتداء ہی سے تنگ رکھنا ہو، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پہلے کنویں کا منھ چوڑا کرو پھر تنگ کرو، اسی طرح اس جگہ بھی مطلب یہ ہے کہ ابتداء ہی سے عامل لفظی سے خالی ہو نہ کہ داخل کر کے دور کیا جائے۔

سوال: العوامل جمع کا صیغہ استعمال کیا، جو تین سے زیادہ پر دلالت کرتا ہے، مطلب یہ ہوا کہ مبتدا ایسے اسم کو کہتے ہیں جو تین عامل سے خالی ہو، اگر ایک عامل یا دو عامل سے خالی ہو تو مبتدا نہیں ہوگا؟

جواب: العوامل پر الف لام جنس کا ہے اور الف لام جنس کا جب جمع پر دخول ہوتا ہے تو اس کی جمعیت کو ختم کر دیتا ہے اور چونکہ جنس میں قلیل و کثیر دونوں مراد لیا جا سکتا ہے، چاہے عامل ایک ہو یا زیادہ ہو، اس کو مبتدا کہا جائے گا۔

مسند الیہ کی قید لگا کر خبر اور مبتدا کی دوسری قسم کو خارج کر دیا، اس لئے کہ وہ تو عامل لفظی سے خالی ہوتے ہیں، لیکن مسند الیہ نہیں ہوتے ہیں۔

أو الصفة الواقعة بعد حرف النفي أو الف الاستفهام رافعة لظاهر مثل زيد قائم و ما قائم الزيدان و أقائم الزيدان۔

ترجمہ: درآنحالیکہ وہ کسی اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو، جیسے زید قائم (زید کھڑا ہے) ما قائم الزیدان (دو زید کھڑے نہیں ہے) اور اقائم الزیدان (کیا دو زید کھڑے ہیں؟)

مختصر تشریح

یا وہ ایسا صفت کا صیغہ ہو جو حرف نفی یا ہمزۂ استفہام کے بعد آیا ہو، اور وہ اپنے بعد آنے والے اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو۔ جیسے ما قائم الزیدان: (دو زید کھڑے نہیں) اور اقائم الزیدان: (کیا دو زید کھڑے ہیں؟)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف کرنا ہے۔

سوال: مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مبتدا کی دوسری قسم کی تعریف یہ ہے کہ وہ صفت واقع ہو (صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ وغیرہ ہے) اور ہمزۂ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہو اور وہ صفت کا صیغہ اس اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو جیسے ما قائم الزیدان اور أقائم الزیدان۔

فائدہ: صفت سے عام مراد ہے، حقیقۃً صفت ہو یا قائم مقام کے ہوں جیسے اقریشی زید۔

فائدہ: اسم ظاہر بھی عام ہے، خواہ حقیقۃً اسم ظاہر ہو یا حکماً اسم ظاہر ہو، اول کی مثال اوپر مذکور ہو چکی ہے، دوسرے کی مثال جیسے أراغب انت میں انت ہے۔

سوال: صفت کا ہمزۂ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہونے کی قید کیوں لگائی؟

جواب: صفت کا ہمزۂ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ صفت کا وجود بغیر سہارے کے نہیں ہوسکتا ہے اور حرف نفی اور ہمزۂ استفہام صفت کو سہارا دیتے ہیں، اس لئے دونوں کی قید لگائی۔

فائدہ: حرف نفی سے ''ما'' اور ''لا'' مراد ہے۔

فائدہ: اگر صفت کا صیغہ ہمزۂ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع نہ ہو تو مبتداء کی قسم ثانی نہیں بنے گا جیسے قائم زید اس میں قائم کی اسناد تو زید کی طرف پائی گئی، لیکن حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع نہیں ہے۔

فان طابقت مفردا جاز الامران۔

ترجمہ: پس اگر صیغۂ صفت، مفرد کے مطابق ہو تو وہاں دو صورتیں جائز ہیں۔

مختصر تشریح

ترکیب: اگر صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں، تو دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں: (۱) صفت کا صیغہ مبتدا، اور اس کا مابعد فاعل، قائم مقام خبر (۲) صفت کا صیغہ خبر مقدم اور اس کا مابعد مبتدا موخر۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں، تو دو ترکیبیں جائز ہیں۔

(۱) صفت مبتدا ہو اور اس کے بعد اسمِ ظاہر، بمنزلۂ خبر کے ہو۔

(۲) صفت خبر مقدم ہو اور اسم ظاہر مبتدا مؤخر ہو۔

سوال: فان طابقت مفردا میں مفردا کی قید اتفاقی ہے یا احترازی؟

جواب: ان طابقت مفردا میں مفردا کی قید احترازی ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ ترکیب کی یہ دو صورتیں جو مذکور ہوئیں اس وقت جائز ہیں، جب صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں اور صفت اور اسم ظاہر میں مطابقت تو ہو لیکن مفرد ہونے میں نہیں بلکہ دونوں تثنیہ ہوں یا دونوں جمع ہوں جیسے اقائمان الزیدان، اقائمون الزیدون ، اس میں صرف ایک صورت جائز ہے وہ یہ کہ اسم ظاہر مبتدا مؤخر ہو اور صفت کا صیغہ خبر مقدم ہو، چنانچہ اقائمان الزیدان میں الزیدان مبتدا مؤخر اور قائمان خبر مقدم ہے اور اقائمون الزیدون میں الزیدون مبتداء مؤخر اور قائمون خبر مقدم ہے۔

سوال: اقائمان الزیدان ، اقائمون الزیدون میں ایک ہی صورت کیوں جائز ہے، دوسری صورت کہ صفت کا صیغہ مبتدا ہو اور اسم ظاہر خبر ہو، کیوں جائز نہیں؟

جواب: اقائمان الزیدان ، اقائمون الزیدون میں ایک ہی صورت جائز ہے، دوسری صورت کہ صفت کا صیغہ مبتدا ہو اور اسم ظاہر خبر ہو، اس لئے جائز نہیں کہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

اور اگر صفت اور اسم ظاہر میں سرے سے مطابقت ہی نہ ہو بلکہ مخالفت ہو اس طرح کہ صفت کا صیغہ تو مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو جیسے اقائم الزیدان ، اقائم

الزیدون تو اس میں فقط ایک ہی صورت جائز ہے وہ یہ کہ اسم ظاہر، صفت کا فاعل ہو کر قائم مقام خبر ہوگا اور صفت، بمنزلہ مبتدا ہوگی۔

سوال: اقائم الزیدان، اقائم الزیدون میں ایک ہی صورت کیوں جائز ہے، دوسری صورت کہ صفت کا صیغہ خبر مقدم ہو اور اسم ظاہر، مبتدا مؤخر ہو، کیوں جائز نہیں؟

جواب: اقائم الزیدان، اقائم الزیدون میں ایک ہی صورت کیوں جائز ہے، دوسری صورت کہ صفت کا صیغہ خبر مقدم ہو اور اسم ظاہر، مبتدا مؤخر ہو، اس لئے جائز نہیں کہ اس صورت میں ضمیر اور مرجع میں مطابقت باقی نہیں رہے گی۔

حدالخبر

و الخبر : هو المجرد المسند به المغائر للصفة المذكورة-

ترجمہ: اور خبر وہ اسم ہے جو (عوامل لفظیہ سے) خالی، مسند اور مذکورہ صیغۂ صفت کے مغائر ہو۔

مختصر تشریح

(۲) خبر کی تعریف: خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور اس کو کسی دوسری چیز کی طرف منسوب کیا گیا ہو اور مبتدا کی دوسری تعریف میں جس صیغۂ صفت کا ذکر ہے، اس کے علاوہ ہو کیونکہ وہ بھی مسند بہ ہوتی ہے مگر مبتدا ہوتی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد خبر کی تعریف بیان کرنا ہے۔

سوال: خبر کی تعریف کیا ہے؟

جواب: خبر کی تعریف یہ ہے کہ خبر وہ اسم ہے، جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے اور مسند ہو جیسے زید قائم میں قائم۔

فائدہ: ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، چنانچہ هو المجرد جنس ہے، المسند به فصل اول ہے جس سے مبتدا کی قسمِ اول خارج ہوگئی اور المغائر للصفة المذكورة فصل ثانی ہے، جس سے مبتدا کی قسمِ ثانی خارج ہوگئی۔

سوال: مسند، اسناد سے مشتق ہے اور اسناد براہ راست متعدی ہوتا ہے، لہذا مسند کو باء کے ساتھ متعدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی؟

جواب: مسند کا باء کے ساتھ متعدی ہونا اس لئے ہے کہ مسند وقوع کے معنی کو شامل ہے اور چونکہ وقوع باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، لہذا مسند جو وقوع کے معنی کو شامل ہے، وہ بھی باء کے ساتھ متعدی ہوگا۔

سوال: مبتدا خبر کا عامل ہے اور خبر مبتداء کا عامل ہے، پس یہ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ مبتدا اور خبر ایسے اسم ہیں جو عامل لفظی سے خالی ہوتے ہیں؟

جواب: اس سلسلہ میں تین مذہب ہیں۔

(۱) مبتدا خبر کا عامل ہے اور خبر مبتدا کا۔

(۲) مبتدا کا عامل معنوی ہے اور خبر کا عامل مبتداء ہے۔

(۳) مبتدا اور خبر دونوں میں عامل معنوی ہوتا ہے مصنف کے نزدیک یہی تیسرا مذہب مختار ہے۔

(قاعدة)

واصل المبتدأ التقديم ،ومن ثم جاز :في داره زيد وامتنع :صاحبها في الدار

ترجمہ: (قاعدہ) اور مبتدا میں اصل (خبر پر) مقدم ہونا ہے، اسی وجہ سے فی دارہ زید (زید اپنے گھر میں ہے) جائز ہے اور صاحبھا فی الدار ممتنع ہے۔

مختصر تشریح

(۳) قاعدہ: اصل یہ ہے کہ مبتدا، خبر سے پہلے آئے، پس **فی دارہ زید** کہنا درست ہے، کیونکہ ضمیر زید کی طرف لوٹے گی اور وہ اگرچہ لفظاً بعد میں ہے مگر رتبۃً مقدم ہے، اس لئے ضمیر اس کی طرف لوٹ سکتی ہے اور **صاحبھا فی الدار** کہنا درست نہیں کیونکہ ضمیر کا مرجع لفظاً اور رتبۃً دونوں اعتبار سے مؤخر ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مبتدا میں اصل مقدم ہونا ہے۔

سوال: مبتدا اور خبر میں مبتدا کو مقدم کرنا اصل کیوں ہے؟

جواب: (۱) مبتدا اور خبر میں مبتدا کو مقدم کرنا اصل اس لئے ہے کہ مبتدا بمنزلہ موصوف کے ہے اور خبر بمنزلۂ صفت کے اور موصوف، صفت پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے مبتدا بھی خبر پر مقدم ہے۔

(۲) مبتدا، عمدۃ البیان ہے اور خبر، عمدۃ الافادۃ ہے۔ بیان اہم ہوتا ہے اور جو

چیز اہم ہوتی ہے وہ تقدیم کے لائق اور مناسب ہوتی ہے۔

فائدہ: فعل اور فاعل میں فعل اہم ہے نہ کہ فاعل۔

سوال: فعل اور فاعل میں فعل اہم کیوں ہوتا ہے؟

جواب: فعل تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے اور اسم ثبات اور دوام پر دلالت کرتا ہے، اس لئے جملۂ اسمیہ میں مبتدا کو اور جملہ فعلیہ میں فعل کو مقدم کیا جاتا ہے۔

سوال: فی الدار رجل سے مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: فی الدار رجل سے مصنف کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔

وہ اعتراض یہ ہے کہ فی الدار رجل مثال کیوں جائز ہے، حالانکہ اس میں ضمیر پہلے اور مرجع بعد میں ہے، اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے؟

جواب: مبتدا کی اصل تقدیم ہے، فی دارہ خبر اور رجل مبتدا ہے، فی دارہ رجل میں رجل مبتدا گو لفظوں کے اعتبار سے مؤخر ہے، لیکن رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے، اس لئے اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا۔

سوال: صاحبها فی الدار یہ مثال کیوں درست نہیں ہے؟

جواب: لفظاً اور رتبۃً دونوں اعتبار سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، لفظا بھی ضمیر مقدم ہے اور رتبۃ بھی، اس لئے کہ ضمیر مبتدا کے ساتھ ہے اور مبتدا مقدم ہے۔

(قاعدة)

وقد یکون المبتدأ نکرة اذا تخصصت بوجه ما۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور کبھی مبتدا نکرہ ہوتا ہے جب کہ اس میں کسی طریقہ

سے تخصیص کرلی جائے۔

مثل ،(الف) ولعبد مومن خیر من مشرك (یقیناً مؤمن غلام، مشرك سے بھتر ھے)-

(ب)أرجل فی الدار أم امراۃ ؟ (گھر میں مرد ھے یا عورت ؟)-

(ج)ما احد خیر منك (کوئی تم سے بھتر نھیں ھے)-

(د)شر أھر ذاناب (بڑے شر نے بھونکا یا کتے کو)-

(ہ)فی الدار رجل (گھر میں مرد ھے)-

(و)سلام علیك (آپ پر سلامتی ھو)-

مختصر تشریح

(ا) مبتدا معرفہ ہوتا ہے، لیکن کبھی نکرہ بھی مبتدا بنتا ہے، مگر نکرہ کے مبتدا بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کسی طرح سے تخصیص ہو جائے۔ مصنف رحمۃ اللہ نے چھ مثالیں دی ہیں جن میں مختلف طرح سے تخصیص ہوئی ہے، اس لئے ان کا مبتدا بننا درست ہوا ہے۔

(الف) ولعبد الخ اور یقینا مؤمن غلام، مشرک سے بہتر ہے۔ اس میں عبد مؤمن مبتدا اور خیر من مشرک خبر ہے۔ اور عبد کی صفت چونکہ مؤمن آئی ہے اس لئے عموم باقی نہیں رہا اور اس کا مبتدا بننا صحیح ہو گیا۔

(ب) أرجل الخ کیا گھر میں مرد ہے یا عورت؟ متکلم جانتا ہے کہ گھر میں کوئی ہے، مگر مرد ہے یا عورت؟ یہ نہیں جانتا، پس اس کی تعیین چاہتا ہے، یہ تخصیص ہوگئی اس لئے رجل مبتدا ہے، ام حرف عطف ہے، امرأۃ کا رجل پر عطف ہے اور فی الدار

:خبر ہے

(ج) ما احد الخ آپ سے بہتر کوئی نہیں ،اس میں احد ،مبتدا ہے اور خیر، خبر ہے،احد ،نکرہ تحت النفی ہے اور نکرہ نفی کے بعد عام ہوتا ہے اور عام فردِ واحد کی طرح ہوتا ہے، یہ تخصیص ہوئی اس لئے نکرہ کا مبتداء بننا درست ہو گیا۔

(د) شر الخ کسی بڑی برائی نے کتے کو بھونکایا، وہ خطرناک انداز میں بھونک رہا تھا، اس وقت انہوں نے یہ جملہ کہا یعنی کوئی خطرناک بات پیش آئی ہے، کتے کے بھونکنے کا انداز اس کی غمازی کر رہا ہے، پس شر کی تنوین تعظیم کی ہے، جس سے تخصیص پیدا ہوئی اور نکرہ کا مبتدا بننا درست ہوا۔ أھر: فعل ماضی ہے اور ذاناب مفعول ہے، پھر جملہ فعلیہ، خبر ہے۔ ناب: کچلیاں، نوکیلے دانت۔

(ہ) فی الدار الخ گھر میں کوئی مرد ہے۔ یہاں خبر کی تقدیم سے نکرہ میں تخصیص پیدا ہوئی، اس لئے اس کا مبتدا بننا درست ہوا۔

(و) سلام علیک الخ میرا آپ کو سلام۔ یہاں یائے متکلم محذوف ہے، اس لئے سلام خاص ہو گیا اور اس کا مبتدا بننا درست ہوا۔

یہ چند مثالیں ہیں، جن میں مختلف طرح سے تخصیص ہوئی ہے، اسی طرح کسی اور طرح بھی تخصیص ہو سکتی ہے۔ غرض کسی بھی طرح سے نکرہ میں تخصیص ہو جائے تو وہ مبتدا بن سکتا ہے، ورنہ نہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مبتدا کا معرفہ ہونا ضروری ہے۔

سوال: مبتدا کا معرفہ ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب: مبتدا محکوم علیہ اور خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور محکوم علیہ کہتے ہیں جس

پر حکم لگایا جائے اور کسی چیز پر حکم لگانا اسی وقت درست ہوگا جبکہ وہ ذاتِ معینہ ہو، اس لئے کہ اگر ذاتِ غیر معینہ ہو تو حکم لگانا بے سود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مبتدا کا معرفہ ہونا ضروری ہے۔

فائدہ: مبتدا جب نکرہ ہو تو تخصیص ضروری ہے ورنہ مبتدا بننا صحیح نہیں ہوگا۔

سوال: تخصیص کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: اس میں اختلاف ہے، مصنفؒ نے چھ صورتیں بیان کی اور صاحبِ تسہیل نے ۹، اور الفیہ کے حاشیہ میں ۱۹ صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

سوال: مصنف نے چھ کونسی بیان کی؟

جواب: مصنف نے چھ بیان کی جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) صفت کی وجہ سے تخصیص۔

(۲) متکلم کے علم کے اعتبار سے تخصیص۔

(۳) نکرہ تحت النفی واقع ہونے کے اعتبار سے تخصیص۔

(۴) فاعل جیسی تخصیص، بعض نے کہا صفتِ مقدرہ کی وجہ سے تخصیص۔

(۵) تقدیم خبر کی وجہ سے تخصیص۔

(۶) متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے تخصیص۔

سوال: تخصیص اور تعمیم میں تضاد ہے پس کیسے تخصیص تعمیم سے حاصل ہوگی؟

جواب: تخصیص کے دو معنی ہیں، تخصیص بمعنی قطع شرکت اور دوسرے تخصیص بمعنی رفع ابہام اور یہاں تخصیص سے دوسرے معنی مراد ہے جو تعمیم کے منافی نہیں ہے۔

سوال: صفت کی وجہ سے تخصیص کیسے ہوئی؟

بننا درست ہو جائے گا۔

سوال: متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے تخصیص کیسے؟

جواب: اس کی دو تقریریں ہیں۔

تقریرِ اول:

متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے تخصیص جیسے سلام علیک (میرا آپ کو سلام) سلامی علیک، یاء متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے تخصیص پیدا ہوگئی، لہذا مبتدا بننا درست ہے۔

تقریر ثانی:

فعل مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے تخصیص جیسے سلام علیک اس میں سلام مبتدا ہے، جو نکرہ ہے اور فعلِ مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے مخصوص ہے، کیونکہ اس جملہ کی اصل سلمت سلاما علیک ہے، مفعول مطلق کا فاعل وہی ہوتا ہے، جو اس کے فعل کا فاعل ہوتا ہے اس لئے سلاما مفعول مطلق کا فاعل وہی ہے جو سلمت فعل کا فاعل ہے، اختصار کے لئے فعل کو حذف کر دیا گیا تو سلاما علیک باقی رہا، پھر دوام واستمرار کی خاطر نصب سے عدول کر کے رفع دیا گیا تو سلام علیک ہو گیا، لیکن سلام چونکہ فعل مقدر سلمت کے فاعل کی طرف منسوب ہے، اس لئے سلام علیک گویا ایسا ہے جیسے کہا جائے سلامی علیک فعل مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے تخصیص کی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ”ویل لک“ یہ اصل میں تھا ھلکت ویلا لک اس میں ویلا مفعول مطلق ہے مگر فعل مذکور کے لفظ سے نہیں ہے جیسے قعدت جلوسا میں جلوسا مفعول مطلق ہے۔

فائدہ: سیبویہ کے مذہب میں دو جگہ تخصیص کے بغیر نکرہ کو مبتدا بنانا جائز ہے،

ایک یہ کہ نکرہ استفہام کو متضمن ہو جیسے من ابو ک اور ایک یہ کہ نکرہ افعل التفضیل ایسے جملۂ اسمیہ میں مبتدا ہو جو جملۂ اسمیہ صفت ہو جیسے جاء نی رجل افضل منه ابو ہ پہلی مثال میں ''من'' استفہامیہ نکرہ ہے اور مبتدا ہے اور دوسری مثال میں ''افضل'' نکرہ ہے اور مبتدا ہے جس کی خبر ابو ہ ہے اور مبتدا اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے، جس کا موصوف رجل ہے۔

(قاعدة)

والخبر :قد يكون جملة مثل :زيد ابوه قائم وزيد قام ابوه فلا بد من عائد۔

ترجمہ: اور خبر کبھی جملہ ہوتی ہے جیسے زید ابوہ قائم (زید کہ اس کا باپ کھڑا ہے) زید قام ابوہ (زید کہ اس کا باپ کھڑا ہے) پس (اس صورت خبر میں) کسی عائد کا ہونا ضروری ہے۔

مختصر تشریح

(ا) قاعدہ، خبر: کبھی جملہ اسمیہ ہوتی ہے، جیسے زید ابو ہ قائم۔ زید کہ اس کا باپ کھڑا ہونے والا ہے۔

زید ابو ہ قائم: زید: مبتدا، ابو ہ قائم خبر، مبتدا خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر زید کی خبر۔ اور خبر کبھی جملۂ فعلیہ ہوتی ہے، جیسے زید قام ابو ہ: زید اس کا باپ کھڑا ہوا۔

قام ابو ہ: فعل فاعل مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر زید کی خبر ہے اور جب جملہ خبر ہو تو ضروری ہے کہ اس میں کوئی ضمیر وغیرہ ہو جو مبتدا کی طرف لوٹے اور یہ عائد کبھی حذف بھی کیا جاتا ہے، جبکہ قرینہ موجود ہو، البر الکر بستين درهما: گیہوں کہ اس کا ایک کر

ساٹھ درہم میں ہے۔ یہاں منہ پوشیدہ ہے، کیونکہ گیہوں کا تاجر گیہوں کا بھاؤ بتائے گا۔

فائدہ: عائد: ضمیر کے علاوہ الف لام عہدی بھی ہوتا ہے، ضمیر کی جگہ اسمِ ظاہر بھی لایا جاتا ہے اور خبر مبتدا کی تفسیر ہو تو یہ بھی عائد کے قائم مقام ہوتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول بیان کرنا ہے کہ جس طرح خبر مفرد کی شکل میں بھی آتی ہے اسی طرح خبر جملۂ خبریہ کی شکل میں بھی آتی ہے جیسے زیدقائم میں زید مبتدا ہے اور قائم خبر ہے، یہاں خبر، مفرد ہے اور زید قام ابوہ اور زیدابوہ قائم میں زید مبتدا ہے اور قام زیداور ابوہ قائم یہ خبر ہے، جو جملہ کی شکل میں ہے۔

سوال: مصنفؒ نے جملۃ کو مطلق کیوں ذکر کیا ؟

جواب: مصنفؒ نے جملۃ کو مطلق اس لئے ذکر کیا کہ جمہور کے نزدیک جس طرح جملہ خبریہ، خبر بن سکتی ہے، اسی طرح جملہ انشائیہ بھی خبر بن سکتی ہے، البتہ ابن الانباری اور کوفیین کے نزدیک جملہ خبریہ کا مبتدا کی خبر بننا درست ہے البتہ جملہ انشائیہ مبتداء کی خبر نہیں بن سکتا۔

سوال: مبتدا کی خبر جب جملہ بنے گا، اس کی کوئی شرط ہے یا مطلقاً؟

جواب: جملہ جب مبتدا کی خبر بنے گا تو جملہ میں عائد کا ہونا ضروری ہے، عائد سے مراد رابط ہے جو جملہ کو مبتدا کے ساتھ ملا دے۔

سوال: مبتدا کی خبر جملہ کی شکل میں ہو تو عائد کا ہونا کیوں ضروری ہے۔

جواب: مبتدا کی خبر جملہ کی شکل میں ہو تو عائد کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ جملہ فی نفسہ مستقل ہوتا ہے کسی کا محتاج نہیں ہوتا، اس جگہ اس کو خبر بنانا ہے اس لئے

ربط کی ضرورت پڑیگی اور وہ کنیکشن وہ عائد اور رابط ہے۔

سوال: عائد اور رابط کتنے ہیں؟

جواب: رابط وعائد کل چار ہیں

(۱) ضمیر جیسے زید ابوہ قائم اور زید قام ابوہ میں ہاء ضمیر۔

(۲) وضع المظهر موضع المضمر: اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لانا جیسے القارعة ما القارعة، الحاقة ما الحاقة یہاں اسم ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لائے۔

(۳) الف لام زائد جیسے نعم الرجل زید اس میں الرجل میں الف لام زائد ہے۔

(۴) مبتدا کی خبر کے لئے تفسیر واقع ہو جیسے قل هو الله احد میں هو مبتدا ہے الله احد تفسیر ہے۔

وقد يحذف

ترجمہ: اور کبھی عائد کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان فرمانا ہے کہ کبھی کبھی عائد اور رابط کو حذف کر دیا جاتا ہے، جبکہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسے البر الكر بستين درهما اصل میں عبارت ہے البر الكر منه بستين درهما اسی طرح السمن منوان بدرهم اصل میں ہے السمن منوان منه بدرهم، اس لئے کہ یہاں پر قرینہ حالیہ ہے کہ گھی اور گیہوں فروخت کرنے والا انہیں چیزوں کا بھاؤ تاؤ کرے گا جس کو فروخت کر رہا ہے، دوسری چیزوں کا نہیں۔

(قاعدة)

وما وقع ظرفا فالاکثر علی انه مقدر بجملة۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور جو خبر ظرف واقع ہو تو اکثر نحویین اس طرف (گئے) ہیں کہ اس کو (فعل مقدر مان کر) جملہ کی تاویل میں کیا جائیگا۔

مختصر تشریح

(۲) قاعدہ۔ خبر، اگر ظرف زمان یا ظرف مکان یا جار مجرور ہو تو اکثر نحوی حضرات بصریین اس کو جملہ بناتے ہیں اور فعل مقدر مانتے ہیں۔ اور کوفیین اسم فاعل وغیرہ مقدر مانتے ہیں اور مفرد بناتے ہیں جیسے زید فی الدار کی تقدیر بصریوں کے نزدیک زید استقر فی الدار ہے، اور کوفیوں کے نزدیک زید ثابت فی الدار ہے (ہمارے دیار میں کوفیوں کی رائے مقبول ہے)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جب ظرف خبر واقع ہو تو اکثر لوگوں (بصریین) کے نزدیک ظرف جملہ کی تاویل میں ہوگا جار مجرور جملہ (فعل) کے متعلق ہوگا۔

سوال: ان کی دلیل کیا ہے؟

جواب: ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کا متعلق ظرف میں عامل ہوگا اور عمل میں فعل اصل ہے کیونکہ فعل عمل کے لئے ہی وضع کیا گیا ہے، پس جب تقدیر واجب ہو رہی ہو تو اصل اولی بالتقدیر (اصل فصل کو مقدر ماننا زیادہ بہتر ہے) ہے، یہ بصریوں کی

رائے ہے، جو مصنفؒ کے نزدیک مختار ہے۔

اور کوفی حضرات ظرف کو شبہ فعل (اسم فاعل) کے متعلق کرتے ہیں۔

سوال: ان کی دلیل کیا ہے؟

جواب: ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف، محل خبر میں ہے اور خبر میں اصل، مفرد ہونا ہے اور مفرد کی رعایت تبھی ہوگی، جب ظرف کو شبہ فعل کے متعلق کیا جائے۔

فائدہ: چار فعل جن کو مقدر مانا جاتا ہے (۱) وُجُودٌ (۲) ثُبُوت (۳) کَوْن (۴) حُصُوْل

فائدہ: ظرف کی دو قسمیں ہیں (۱) ظرف مستقر (۲) ظرف لغو۔

ظرف مستقر: اس ظرف کو کہتے ہیں جس کا عامل (یعنی متعلق) محذوف ہو۔

سوال: ظرف مستقر کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب: ظرف مستقر کی وجہ تسمیہ یہ ہے، یہ ظرف عامل محذوف کے قائم مقام ہوتا ہے، گویا یہ ظرف عامل کی جگہ میں مستقر ہوتا ہے۔

سوال: ظرف لغو کسے کہتے ہیں؟

جواب: ظرف لغو اس ظرف کو کہتے ہیں جس کا عامل (یعنی متعلق) مذکور ہو۔

سوال: ظرف لغو کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب: ظرف لغو کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ظرف عمل سے خالی ہو کر لغو ہو جاتا ہے، جس طرح کہ لا زید فی الدار و لا بکر میں "لا" ملغی ہے۔

(قاعدة)

واذا كان المبتدأ:

(الف)مشتملا علی ماله صدر الکلام مثل :من ابوك؟

ترجمہ:(قاعدہ)اورجب مبتدا اسی چیز پر مشتمل ہو جس کے لئے صدارت کلام ہے جیسے من ابوک؟(کون ہے تیراباپ؟)۔

(ب)أو کانا معرفتین

(ب) یا مبتدااور خبر دونوں معرفہ ہوں ۔

(ج)أو متساویین، نحو :افضل منك افضل منی

(ج) یا دونوں برابر ہوں جیسے افضل منک افضل منی (تجھ سے افضل، مجھ سے افضل ہے)

(د)أو کان الخبر فعلا له مثل :زید قام

(د) یا خبر مبتدا کا فعل ہو جیسے زید قام (زید کھڑا ہے)۔

وجب تقدیمه

تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے۔

مختصر تشریح

(٣) چار صورتوں میں مبتدا کو خبر سے پہلے لانا ضروری ہے:

(١) جب مبتدا ایسے لفظ پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہو، جیسے حرف استفہام جو کلام کے شروع ہی میں آسکتا ہے جیسے من ابوک؟ تیرا باپ کون ہے؟ اس میں من مبتدا اور ابوک خبر ہے۔

(٢) جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور مبتدا کی تعیین کا کوئی قرینہ ہو، جیسے

زید المنطلق: زید چلنے والا ہے یا چلنے والا زید ہے۔اس میں دونوں معرفہ ہے اور دونو ں مبتدا بن سکتے ہیں ایسی صورت میں مبتدا کو پہلے لانا ضروری ہے پس ترجمہ ہوگا: زید چلنے والا ہے، دوسرا ترجمہ نہیں ہوگا۔

(۳) مبتدا اور خبر دونوں تخصیص میں برابر ہوں جیسے افضل منک افضل منی، جو شخص تجھ سے بہتر ہے وہ مجھ سے بہتر ہے، اس میں اصل تخصیص میں دونوں برابر ہیں، اس لئے مبتدا کی تقدیم واجب ہے تا کہ التباس نہ ہو۔

(۴) مبتدا کی خبر ایسا کام ہو جو مبتدا سے وجود میں آیا ہو جیسے زید قام، یہا ں مبتدا کی تقدیم اس لئے واجب ہے کہ فاعل سے التباس نہ ہو۔ان چاروں صورتوں میں مبتدا کو پہلے لانا واجب ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ان چار مواقع کو بیان کرنا ہے، جہاں مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔

سوال: وہ چار مواقع کونسے ہیں؟

جواب: وہ چار مواقع حسب ذیل ہیں۔

(۱) مبتدا ایسی چیز بنے جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہے۔

سوال: کتنی چیزیں ہیں جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہیں؟

جواب: سات چیزیں ایسی ہیں جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہیں

(۱) استفہام جیسے من ابوک۔

(۲) شرط جیسے: من یکرمنی فانا اکرمہ اسی طرح من یقتل مومنا متعمدا فجزائہ جھنم۔

(۳) ضمیر شان جیسے: ھو زید منطلق۔

(۴) مبتدا پر لام ابتداء کا دخول جیسے: لزید منطلق۔

(۵) تعجب جیسے: ما احسن زید۔

(۶) نفی جیسے: ما زید قائم۔

(۷) قسم جیسے: لعمرک انھم فی سکرتھم یعمھون۔

کسی شاعر نے، چھ چیزوں کو ایک شعر میں جمع کیا ہے۔

شش بود مقتضی صدر کلام　　در جمیع فصیح شدن این نظم تمام

شرط و قسم و تعجب و استفہام　　نفی و لام ابتدا گشت تمام

سوال: یہ سات چیزیں صدر کلام کا تقاضہ کیوں کرتی ہیں؟

جواب: یہ ساتوں چیزیں جملہ کی نوعیت پر دلالت کرتی ہیں، یہ ساتوں چیزیں جملہ کے لئے عنوان کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے ان کو شروع میں لاتے ہیں تاکہ پہلے سے پتہ چل جائے کہ یہ استفہام ہے یا شرط ہے یا قسم ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۲) مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور کوئی قرینہ موجود نہ ہو، تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہوگا جیسے زید المنطلق میں زید مبتدا ہے اور المنطلق خبر اور دونوں معرفہ ہیں، اس لئے مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔

سوال: مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب کیوں؟

جواب: مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر مبتدا کو مقدم نہ کیا گیا تو التباس لازم آئے گا جیسے زید المنطلق میں زید مبتدا ہے اور المنطلق خبر ہے اگر المنطلق زید کہا جائے تو کوئی نادان المنطلق کو مبتدا مانے گا، اس لئے کہ وہ بھی معرفہ ہے، اس لئے التباس سے بچنے کے لئے مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے۔

سوال: زید المنطلق اس میں قرینہ موجود ہے، اس لئے کہ ذات کا تعلق زید کے ساتھ ہے اور المنطلق یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے تو ذات اور اسم فاعل صفت دونوں الگ الگ ہیں؟

جواب: زید کا تعلق ذات سے ہے اور المنطلق اسم فاعل، اس کا تعلق ذات سے نہیں، لیکن ذات کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے، جب المنطلق میں ذات مراد لی جائے تو التباس باقی رہے گا۔

(۳) مبتدا اور خبر دونوں کا درجہ، تخصیص میں برابر ہو تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے افضل منک افضل منی (جو تجھ سے افضل ہے وہ مجھ سے افضل ہے) افضل منک مبتدا اور افضل منی خبر ہے۔

سوال: افضل منک افضل منی تخصیص کے درجہ میں برابر کیسے ہیں؟

جواب: مبتدا بھی مفضول ہے اور خبر بھی مفضول ہے اور تیسرا جو ہے وہ افضل ہے، تو مفضول ہونے میں مبتدا اور خبر دونوں برابر ہیں۔

سوال: افضل منک افضل منی دونوں تخصیص میں برابر نہیں ہے، اس لئے کہ افضل منک میں ضمیر مخاطب اور افضل منی میں ضمیر متکلم ہے اور متکلم کی ضمیر میں ضمیر مخاطب کے مقابلہ میں تخصیص زیادہ ہوتی ہے، تو اسکو مقدم کرنا چاہیے؟

جواب: یہاں نفس تخصیص کو مراد لیا گیا ہے دونوں کے مفضول ہونے کے اعتبار سے، تخصیص کی کمی اور زیادتی مراد نہیں ہے۔

(۴) مبتدا کی خبر فعل ہو تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہوگا جیسے زید قام۔

سوال: مبتدا کی خبر فعل ہو تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب کیوں ہوگا؟

جواب: اگر مبتدا کو مقدم نہ کریں، فعل کو مقدم کریں تو وہ جملہ اسمیہ نہیں رہے گا، بلکہ جملہ فعلیہ ہو جائے گا، جو اصل مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا اور قلب

موضوع لازم آئے گا اس لئے کہ جملہ اسمیہ دوام اور اثبات پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ تجدد پر دلالت کرتا ہے جیسے زید قام۔

فائدہ: مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا دس صورتوں میں واجب ہے، جن میں سے صرف چار صورتوں کو کافیہ میں ذکر کیا گیا ہے، یہ چار صورتیں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔

بقیہ چھ، صورتیں حسب ذیل ہیں۔

(۵) مبتدا ضمیر شان ہو جیسے ھو اللہ احد۔

(۶) خبر طلب ہو جیسے زید اضربہ اور زید ھلا ضربتہ۔

(۷) مبتدا دعاء ہو جیسے سلام علیک اور ویل لزید۔

(۸) مبتدا اما کے بعد واقع ہو جیسے اما زید فمنطلق۔

(۹) مبتدا کم خبریہ ہو جیسے کم من قربتہ اھلکناھا۔

(۱۰) مبتدا الا سے پہلے یا انما کے بعد بلافصل واقع ہو جیسے مامحمد الا رسول اور انما انت نذیر۔

قاعدة

(الف) واذا تضمن الخبر المفرد ماله صدر الكلام مثل : اين زيد؟

ترجمہ: قاعدہ (الف) اور جب خبر مفرد ایسے معنی کو متضمن ہو، جس کے لئے صدارت کلام ہے جیسے این زید؟ (زید کہاں ہے؟)۔

(ب) أو كان مصححا له مثل: في الدار رجل

(ب) یا خبر مبتدا کو صحیح کرنے والی ہو جیسے فی الدار رجل (گھر میں مرد ہے)

(ج) اولمتعلقه ضمير في المبتدأ مثل على التمرة مثلها

زبدا

(ج) یا خبر کے متعلق کی مبتدا میں ضمیر ہو جیسے علی التمرۃ مثلھا زبدا (کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے)

(د) أو کان خبرا عن: "انّ" مثل: عندی انک قائم (د) یا وہ "اَنَّ" کی خبر ہو جیسے عندی انک قائم (میرے نزدیک تیرا کھڑا ہونا ثابت ہے)۔

وجب تقدیمہ

تو خبر کو (مبتدا) پر مقدم کرنا واجب ہے

مختصر تشریح

(۴) چار صورتوں میں خبر کو پہلے لانا ضروری ہے:

(۱) جب خبر مفرد کلمہ ہو اور وہ صدارت کلام کو چاہتا ہو، جیسے **این زید؟** زید کہا ہے؟ اس میں این خبر مقدم ہے، کیونکہ وہ حرف استفہام ہے، جو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ حرف استفہام کے لئے شروع میں آنا ضروری ہے۔

(۲) خبر کی تقدیم ہی سے مبتدا کا مبتدا بننا درست ہوا ہو جیسے **فی الدار رجل** گھر میں کوئی آدمی ہے۔ اس میں رجل نکرہ ہے، وہ اسی وقت مبتدا بن سکتا ہے جب اس کی خبر مقدم ہو اور تقدیم سے نکرہ میں تخصیص پیدا ہو۔

(۳) خبر سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کی طرف لوٹنے والی ضمیر مبتدا میں ہو جیسے **علی التمرۃ مثلھا زبدا**: کھجور پر اس کے بقدر مکھن ہے، اس میں خبر ثابت **علی التمرۃ** ہے اور تمرۃ کی طرف لوٹنے والی ضمیر مثلھا میں ہیں جو مبتدا ہے۔ اس صورت

میں خبر کی تقدیم اس لئے ضروری ہے کہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔

(۴) جب "أن" اپنے اسم وخبر کے ساتھ مل کر بتاویل مفرد ہو، تو اس کی خبر کی تقدیم ضروری ہے جیسے عندی انک قائم میرے نزدیک یہ بات ہے کہ آپ کھڑے ہیں۔ یہاں اگر مبتدا کو پہلے لائیں گے تو "اَنَّ" مفتوحہ "إِنَّ" مکسورہ ہو جائے گا۔ کیونکہ شروع کلام میں "إِنَّ" مکسورہ ہی آتا ہے۔ اَنَّ مفتوحہ درمیان کلام میں آتا ہے۔ ان چاروں صورتوں میں خبر کو پہلے لانا واجب ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ان مواقع کو بیان کرنا ہے، جہاں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے، چار جگہوں میں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے (۱) مبتدا کی خبر ایسی چیز پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہے جیسے این زید اس مثال میں زید مبتدا ہے اور این خبر ہے لیکن یہاں پر این کو مقدم کرنا واجب ہے، اس لئے کہ این یہ استفہام ہے اور استفہام صدارت کو چاہتا ہے۔

سوال: مصنف نے خبر کے ساتھ مفرد کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مصنف نے خبر کے ساتھ مفرد کی قید اس لئے لگائی کہ خبر اگر جملہ ہو اور جملہ میں کوئی ایسی چیز ہو جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہے، تو اس کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ جملہ کے شروع میں لانا کافی ہوگا جیسے زید من ابوہ اس مثال میں زید مبتدا ہے من ابوہ خبر ہے من استفہامیہ جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتا ہے اور یہ جملہ ہے اور جملہ کے شروع میں من لے آتے ہیں جو صدارتِ کلام کا تقاضا کرتا ہے اس لئے یہاں مبتدا (زید) پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔

سوال: مصنف نے این زید کی مثال قائم کی، این یہ مفرد نہیں ہے اس

لئے کہ این یہ ظرف ہے اور اکثر حضرات ظرف کا متعلق جملہ کو مانتے ہیں پھر تو مثال درست نہیں ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد، مفرد سے صورۃ مراد ہے اور این صورۃً مفرد ہے۔

او کان مصححا له الخ

(۲) مبتدا کی خبر، مبتدا کے لئے تصحیح کرنے والی ہو، تو مبتدا پر خبر کو مقدم کرنا واجب ہوگا، جب کہ مبتدا نکرہ ہو اور اس کی خبر ظرف کے قبیل سے ہو، جیسے فی الدار رجل مبتدا اور خبر کو مقدم و مؤخر کر دیا تو اس میں تخصیص پیدا ہوگئی لہذا مبتدا کو مؤخر کرنا واجب ہوگا۔

او لمتعلقه

(۳) خبر کے متعلق کی ضمیر مبتدا میں موجود ہو تو خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے علی التمرة مثلها زبدا (کھجور پر کھجور کے مانند مسکہ ہے) اس مثال میں علی التمرة خبر ہے مثلها مبتداء ہے زبدا تمیز ہے مثلها سے۔

دیکھئے اس مثال میں مثلها مبتدا میں ضمیر ہے مونث کی جو تمرة کی طرف لوٹتی ہے اور تمرة یہ خبر کا ایک جزء ہے خبر نہیں ہے، لہذا خبر کو مثلها پر مقدم کیا، اگر مقدم نہ کریں تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

سوال: مصنفؒ کا یہ قول غلط ہے کہ مبتدا میں کوئی ایسی ضمیر ہو کہ جس کا مرجع خبر سے تعلق رکھنے والا کوئی لفظ ہو تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے، کیونکہ بولا جاتا ہے علی اللہ عبدہ متوکل اس مقولہ میں متوکل خبر ہے اور عبدہ مبتدا ہے جس میں ایک ایسی ضمیر ہے جس کا مرجع اسم جلالت (اللہ) ہے جو خبر متوکل سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ علی اللہ جار مجرور ملکر متوکل سے متعلق ہے؟

جواب: متعلقِ خبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا تابع ہو کہ اپنے تابع ہونے کی حالت میں خبر پر مقدم نہ ہوسکتا ہو، اس وقت خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے، ورنہ نہیں اور یہاں علی اللہ جار مجرور اگر چہ خبر کا متعلق اور تابع ہے، لیکن خبر متوکل پر مقدم کرنا صحیح ہے، کیونکہ ظرف اور جار مجرور میں ایسی وسعت ہے کہ عامل پر مقدم ہو جائے تو جب اس کی تقدیم خبر پر جائز ہے تو صرف اتنے حصہ کو مبتدا پر مقدم کریں گے پوری خبر کو مقدم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۴) اَنَّ حروف مشبہ بالفعل اپنے اسم اور خبر سے ملکر مفرد کی تاویل میں ہو کر مبتدا اور اس کی کوئی خبر ہو تو اس صورت میں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے عندی انک قائم اس میں اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے ملکر مبتدا مؤخر اور عندی اپنے عامل سے ملکر خبر مقدم ہے، اگر اس کو مؤخر کر دیں تو عبارت ہوگی اِنّک قائم عندی اس میں اَنَّ کے شروع میں آنے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اس کو اِن بالکسر سمجھ لے اس لئے التباس سے بچنے کے لئے اس کا مؤخر ہونا اور خبر کا مقدم ہونا ضروری ہے، اگر تلفظ میں کوئی رعایت کر دے اور اس کو اَنَّ بالفتح پڑھیں تو کتابت میں جو التباس ہوگا اس کا تحفظ نہیں ہوسکتا، اس لئے بہرحال خبر کی تقدیم ضروری ہے۔

فائدہ: خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا دس صورتوں میں واجب ہے، جن میں سے صرف چار صورتیں کافیہ میں مذکور ہیں اور وہ چار صورتیں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔

(۵) خبر کا حصر مبتدا ہو جیسے ماقائم الا زید یا انما قائم زید۔

(۶) فاء جزائیہ داخل ہو جیسے اما عندک فزید۔

(۷) خبر اسم اشارہ مکانی ہو جیسے ثم زید

(۸) مبتدا کی خبر کم خبریہ ہو جیسے کم درھم مالک

(۹) مبتدا کی خبر کا مضاف الیہ کم خبریہ ہو جیسے صاحب کم غلام انت

(۱۰) خبر کی تاخیر مقصود میں مخل ہو۔

(قاعدة)

وقد یتعدد الخبر مثل :زید عالم عاقل

(قاعدہ) اور کبھی خبر متعدد ہوتی ہے جیسے زید عالم عاقل (زید جاننے والا اور عقل مند ہے)۔

مختصر تشریح

(ا) قاعدہ: خبر کبھی ایک سے زائد آتی ہے، جیسے زید عالم عاقل میں دو خبریں ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ اس عبارت سے اس بات کو بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح مبتدا کی خبر ایک ہوتی ہے اسی طرح مبتدا کی خبر متعدد بھی ہوتی ہے۔

مبتدا کی خبر میں تعدد، دو قسم کا ہوتا ہے (ا) لفظاً اور معنیً تعدد ہوتا ہے (۲) کبھی صرف لفظاً تعدد ہوتا ہے۔

اگر مبتدا کی خبر میں تعدد لفظاً اور معنیً دونوں اعتبار سے ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (ا) حرف عطف کے ساتھ لائیں گے (۲) بلا حرف عطف کے لائیں گے۔

(ا) حرف عطف کے ساتھ جیسے زید عالم وفاضل وقاری وکاتب وحافظ لفظوں اور معنوں کے اعتبار سے مفہوم الگ الگ ہے۔

سوال: مصنف نے لفظاً اور معنیً کی تعدد کی وہ صورت جو بلا عطف ہے

اس کی مثال تو بیان کی مگر مع عطف کی مثال بیان نہیں کی؟

جواب: مصنفؒ کا مقصود بلاعطف کی مثال بیان کرنا ہے، اس لئے کہ جو تعدد مع عطف ہے، اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے بلکہ مشہور ہے۔

(۲) صرف لفظاً خبر میں تعدد ہو اس کی دو صورتیں ہیں (ا) بلاعطف (۲) مع عطف۔ (ا) بلاعطف بہتر ہے جیسے هذا حلو حامض۔

(۲) مع عطف، بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(قاعدة)

وقد يتضمن المبتدأ معنى الشرط فيصح دخول الفاء في الخبر:

وذلك :الاسم الموصول بفعل أوظرف أوالنكرة الموصوفة بهما مثل :الذى ياتيني وفي الدار :فله درهم وكل رجل ياتيني أوفي الدار :فله درهم

ترجمہ: (قاعدہ) اور کبھی مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے پس (اس صورت میں) خبر پر فاء کا داخل ہونا صحیح ہے اور وہ اسم موصول ہے جس کا صلہ فعل یا ظرف ہو یا وہ نکرہ موصوفہ ہے جس کی صفت فعل یا ظرف لائی گئی ہو جیسے الذی ياتيني او في الدار فله درهم (جو شخص میرے پاس آئے گا یا جو شخص گھر میں ہے اس کے لئے ایک درہم ہے) كل رجل ياتيني اوفي الدار فله درہم (ہر وہ شخص جو میرے پاس آئے گا یا ہر وہ شخص جو گھر میں ہے اس کے لئے ایک درہم ہے)۔

مختصر تشریح

(٢) قاعدہ: جب مبتداء شرط کے معنی کو متضمن ہو یعنی شرط کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہو تو خبر پر فاء جزائیہ آسکتی ہے۔ شرط کے معنی سے مراد یہ ہے کہ مبتدا، خبر کا سبب ہو اور اس کی چار صورتیں ہیں۔

(ا) مبتداء ایسا اسم موصول ہو جس کا صلہ فعل (جملہ فعلیہ) ہو جیسے **الذی یأتنی فله درهم**: جو شخص میرے پاس آئے گا، اس کے لئے ایک درہم ہے، اس میں مبتدا اسم موصول **الذی** ہے اور اس کا صلہ جملہ فعلیہ **یأتینی** ہے۔

(٢) مبتدا ایسا اسم موصول ہو جس کا صلہ ظرف (جملہ ظرفیہ مؤول بجملہ فعلیہ ہو) ہو جیسے **الذی فی الدار فله درهم**: جو شخص گھر میں ہے اس کے لئے ایک درہم ہے، اس میں **الذی** مبتدا ہے اور اس کا صلہ جملہ ظرفیہ **فی الدار** ہے جو بصریین کے مذہب میں مؤول بجملہ فعلیہ ہے ای **الذی استقر فی الدار فله درهم**۔

(٣) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو جیسے **کل رجل یاتینی فله درهم**۔

(٢) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ مؤول بجملہ فعلیہ ہو جیسے **کل رجل فی الدار فله درهم**۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس عبارت کے ذریعہ ایک اصول بیان کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو تو خبر پر فاء کا داخل کرنا جائز ہے۔

سوال: مبتدا میں شرط کے معنیٰ پائے جانے کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: مبتدا میں شرط کے معنی پائے جانے کی کل آٹھ صورتیں ہیں۔

(۱) مبتدا اسم موصول ہو اس کا صلہ جملۂ فعلیہ ہو جیسے الذی یاتینی فله درهم (جو میرے پاس آئے گا اس کو ایک درہم دوں گا) اس مثال میں الذی اسم موصول ہے اس کا صلہ یاتینی جملۂ فعلیہ ہے۔

(۲) مبتدا اسم موصول ہو اس کا صلہ اسم ظرف ہو جیسے الذی فی الدار فله درهم (جو گھر میں ہے اس کے لئے ایک درہم ہے) اس مثال میں الذی اسم موصول ہے اور فی الدار یہ ظرفیہ ہے۔

(۳) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی صفت اسم موصول ہو اور اس کا صلہ جملۂ فعلیہ ہو۔

(۴) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی صفت اسم موصول ہو اور اس کا صلہ جملۂ ظرفیہ ہو۔

(۵) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملۂ فعلیہ ہو۔

(۶) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملۂ ظرفیہ ہو۔

(۷) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے اور اس نکرہ کی صفت جملۂ فعلیہ ہو۔

(۸) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے اور اس نکرہ کی صفت جملۂ ظرفیہ ہو۔

نوٹ: اسی طرح مبتدا ایسا موصوف ہو کہ جسکی صفت مذکورہ بالا اسم موصول ہو یعنی جس کا صلہ فعل یا ظرف ہو جیسے ان الموت الذی تفرو ن منه فانه ملاقیکم اس مثال میں الذی تفرو ن منه موصول صلہ سے ملکر الموت کی صفت ہے (یہ صورت متن میں مذکور نہیں ہے، البتہ ملحوظ ہے)۔

سوال: مبتدا اگر شرط کے معنی کو متضمن ہو تو خبر میں فاء کیوں لائی جاتی ہے؟

جواب: شرط کے معنی کو متضمن ہو تو خبر میں فاء اس لئے لائی جاتی ہے، تاکہ مبتدا کی مشابہت فعل کے ساتھ ہو جائے۔

سوال: مصنفؒ نے فیصح دخول الفاء کیوں لکھا، فیجب دخول الفاء فی الخبر کہتے؟

جواب: مبتدا اگر شرط کے معنی کو متضمن ہو تو مطلقاً خبر میں فاء کا لانا واجب نہیں ہوتا، بلکہ اس میں تین صورتیں ہیں۔

(۱) ایک صورت میں لانا واجب۔

(۲) دوسری صورت میں نہ لانا واجب۔

(۳) تیسری صورت میں اختیار۔

(۱) فاء کا لانا اس وقت واجب ہوگا جبکہ مبتدا کی دلالت سبب کے معنی پر مقصود ہو۔

(۲) فاء کا نہ لانا واجب اس وقت ہوگا جبکہ مبتدا کی دلالت سبب کے معنی میں مقصود نہ ہو۔

(۳) فاء کے لانے اور نہ لانے میں اختیار اس وقت ہوگا جبکہ دلالت اور عدم دلالت میں سے کوئی مقصود نہ ہو۔

✿ کتاب میں تیسری صورت مراد ہے۔

(قاعدة)

ولیت ولعل مانعان بالاتفاق وألحق بعضهم "أنّ" بهما۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور "لیت" اور "لعل" بالاتفاق (خبر پر فاء داخل کرنے سے) مانع ہیں اور بعض نحویوں نے "اِنَّ" کو (بھی) ان دونوں کے ساتھ لاحق کیا ہے ۔

مختصر تشریح

(۱) قاعدہ: جب مبتدا متضمن معنیٔ شرط پر، لیت یا لعل داخل ہوں، تو پھر خبر پر فاء جزائیہ نہیں آسکتی جیسے **لعل / لیت / الذی یاتینی / فی الدار فله درهم** کہنا صحیح نہیں۔

اور بعض نحویوں نے "اِنَّ" کو بھی لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے کہ اس کی خبر پر بھی فاء جزائیہ نہیں آسکتی (مگر قرآن میں ہے، جیسے **ان الذین کفرو او صدو اعن سبیل الله ثم ماتو او هم کفار فلن یغفر الله لهم۔** (محمد ۳۴) اس لئے یہ مذہب ضعیف ہے)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد عبارت سے یہ ہے کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو، لیکن مبتدا میں لیت اور لعل کا استعمال کیا گیا ہو تو خبر پر فاء کا لانا ممتنع ہے۔

سوال: مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو، لیکن مبتدا میں لیت اور لعل کا استعمال کیا گیا ہو تو خبر پر فاء کا لانا ممتنع کیوں ہے؟

جواب: مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو لیکن مبتدا میں لیت اور لعل کا استعمال کیا گیا ہو، تو خبر پر "فاء" کا لانا ممتنع اس لئے ہے کہ لیت تمنی کے لئے آتا ہے

اور لعل ترجی کے لئے اور تمنی اور ترجی غیر محکوم علیہ ہے، صدق اور کذب کا تعلق اس کے ساتھ نہیں کیا جاتا اور فاء کا مابعد جو ہوتا ہے وہ محض خبر ہوتا ہے، جس میں صدق اور کذب کا احتمال ہے، اگر لیت اور لعل کی خبر بن جائے گا تو اس میں صدق اور کذب کا احتمال باقی نہیں رہے گا۔

و ألحق بعضهم أَنَّ بهما :

سوال : مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب : مصنف کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بعض نحات نے، لعل اور لیت کے ساتھ اَن کو بھی شامل کر دیا ہے، کہ مبتدا پر انّ ہو تو اس کی خبر پر فاء کا لانا ممتنع ہے، جیسا کہ امام سیبویہ فرماتے ہیں، لیکن ان کا قول درست نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں فاء کے ساتھ استعمال ہوا ہے جیسے و اعلموا أنما غنتم من شيء فان لله خمسه۔

بعض نحات نے اِن کو بھی شامل کیا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں فاء کے ساتھ مستعمل ہے جیسے ان الذین کفروا و ماتوا و هم کفار فلن یقبل من احدهم۔

سوال : باب کان اور باب علمت، بھی بالاتفاق مانع ہیں، مصنف نے ان دونوں کو کیوں نہیں بیان کیا؟

جواب : اس کتاب میں تمام موانع کا احاطہ مقصود نہیں ہے، بلکہ حروف مشبہ بالفعل میں جو موانع ہیں، ان کو بیان کرنا ہے۔

سوال : حروف مشبہ بالفعل کی خصوصیت کیا ہے؟

جواب : حروف مشبہ بالفعل میں بڑے درجہ کے نحویوں کا اختلاف تھا، اس لئے اس کو بیان کیا گیا۔

بعض حضرات نے لکن کو بھی مانع مانا ہے، لیکن ان کا قول بھی درست نہیں

ہے، جیسے شاعر کہتا ہے

فو اللہ مافارقتم قالیا لکم ۔۔۔ ولکن مایقضی فسوف یکون نجدا

ترجمہ: خدا کی قسم، میں نے تم سے جدائی کسی دشمنی کی وجہ سے نہیں کی، لیکن خدا کا فیصلہ ٹل نہیں سکتا، لیکن نصیب میں ایسا ہی تھا، اس مثال میں لکن کے بعد فاء داخل ہے لہذا ان کا قول بھی درست نہیں ہے۔

(قاعدۃ)

وقد یحذف المبتدأ لقیام قرینۃ :جوازا کقول المستھل: "الھِلاَل واللہ"۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور کبھی مبتدا کو حذف کر دیا جاتا ہے کسی قرینہ کے پائے جانے کے وقت جوازا جیسے نیا چاند دیکھنے والے کا قول: الھلال واللہ (بخدا یہ چاند ہے)۔

مختصر تشریح

(۲) قاعدہ: جب قرینہ موجود ہو تو مبتدا کو حذف کرنا جائز ہے، جیسے چاند دیکھنے والے کا کہنا: الھلال و اللہ! بخدا! یہ ہے چاند۔ یہاں ھذا مبتدا محذوف ہے۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مبتدا کو حذف کرنا جائز ہے۔

سوال: مبتدا کو حذف کرنا کب جائز ہے؟

جواب: مبتدا کو حذف کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ کوئی قرینہ پایا جائے جیسے الھلال و اللہ اصل میں ھذا الھلال و اللہ ہے، قرینۂ حالیہ کی وجہ سے ھذا کو حذف کر دیا۔

سوال: قرینہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: قرینہ کہتے ہیں جو مقصود کی تعیین پر بلا وضع دلالت کرے۔

سوال: قرینہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: قرینہ کی دو قسمیں ہیں (۱) قرینۂ لفظیہ (۲) قرینۂ حالیہ۔

سوال: قرینۂ لفظیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: قرینۂ لفظیہ کہتے ہیں جو لفظ سے سمجھ میں آئے۔

سوال: قرینۂ حالیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: قرینۂ حالیہ کہتے ہیں جو حالت سے معلوم ہو۔

سوال: یہ مثال: خبر محذوف کی بھی تو ہو سکتی ہے، اس لئے کہ الھلال ھذا یہ بھی توصحیح ہے؟

جواب: متکلم کا مقصود چاند کی تعیین نہیں ہے بلکہ نفس چاند کو دیکھانا ہے، خبر محذوف کی مثال اس وقت ہوتی جبکہ متکلم کا مقصود چاند کی تعیین ہوتی۔

سوال: مثال میں و اللہ کا اضافہ کیوں کیا، جب کہ اس کا حذفِ مبتدا میں کوئی دخل نہیں؟

جواب: (۱) اہل عرب کی عادت اکثر یہی ہے کہ چاند دیکھنے کے وقت الھلال و اللہ بولا کرتے ہیں، تو ماتن نے ان کا پورا قول نقل کر دیا۔

(۲) اگر صرف الھلال ذکر کیا جائے تو وقف کی حالت میں کسی کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ منصوب ہے اور فعل محذوف کا مفعول بہ ہے، لہذا اپنے وہم کی بناء پر یہ خیال

کرے گا کہ یہ مثال صحیح نہیں ہے اور جب و اللہ کا اضافہ کر دیا گیا تو الھلال پر وقف نہیں ہوگا اور مرفوع پڑھا جائے گا، لہذا کسی کو یہ خیال نہیں ہوگا کہ یہ مثال صحیح نہیں ہے، بلکہ ہر ایک اس مثال کو صحیح ہی جانے گا۔

فائدہ: کبھی کبھی مبتدا کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔

سوال: مبتدا کو حذف کرنا واجب کب ہوتا ہے؟

جواب: جبکہ صفت موصوف سے ہٹا دیا جائے جیسے الحمد للہ, اہل الحمد اس میں للہ میں البتہ موصوف ہے اور اسکی صفت اہل الحمد ہے اہل الحمد جو صفت ہے اسکو موصوف سے ہٹا کر یعنی جر دینے کے بجائے رفع دیں گے اھلُ الحمد (مدح و ثناء میں زیادتی ہے) جب ہٹا دیں گے تو اھل الحمد سے پہلے ھو مبتدا محذوف مانیں گے۔

(الف) جوازا مثل خرجت فاذا السبع

(الف) جوازا (حذف کر دیا جاتا ہے) جیسے خرجت فاذا السبع (میں نکلا تو اچانک درندہ موجود تھا۔

مختصر تشریح

(۳) جب قرینہ موجود ہو تو خبر کا حذف کرنا جائز بھی ہے اور واجب بھی۔ جائز اس وقت ہے جب کسی چیز خبر کے قائم مقام نہ کیا گیا ہو، جیسے خرجت فاذا السبع: میں باہر نکلا تو اچانک درندہ (کھڑا ہے) یہاں واقف خبر محذوف ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد عبارت سے اس بات کو بیان فرمانا ہے کہ خبر کا حذف کرنا کبھی جوازاً ہوتا ہے اور کبھی وجوباً ہوتا ہے۔

سوال: خبر کو حذف کرنا جوازاً کب ہوگا؟

جواب: خبر کو حذف کرنا جوازاً اس وقت ہوگا جب کہ کلام میں کوئی قرینہ موجود ہو، لیکن قائم مقام موجود نہ ہو جیسے خرجت فاذا السبع (میں باہر نکلا تو اچانک درندہ کھڑا ہے) اس مثال میں واقف یا موجود خبر محذوف ہے اور قرینہ اذا ہے، اس طریقہ پر کہ اذا مفاجاتیہ ہے، اس کا مدخول جملۂ اسمیہ ہوتا ہے اور مثال مذکور میں فقط مبتدا ہی ہے، خبر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خبر محذوف ہے، اب خرجت فاذاالسبع کی اصل خرجت ففی وقت خروجی السبع واقف ہوگی اور واقف خبر محذوف ہے۔

فائدہ: یہ مثال، ممثل لہ کے مطابق اس وقت ہوگی جب کہ اذا مفاجاتیہ زمانی ہو، اس لئے کہ اگر اذا مفاجاتیہ مکانی ہو تو یہ مثال، ممثل لہ کے مطابق نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں خرجت فاذا السبع کی اصل خرجت ففی مکانی السبع (میں نکلا تو میری جگہ پر درندہ ہے) ہوگی، اس صورت میں یہ مثال، ممثل لہ کے مطاق نہیں ہوگی۔

(ب) والخبر :وجوبا :فیما التزم فی موضعه غیره مثل : لولا زید لکان کذا ومثل :ضربی زیدا قائما وکل رجل وضیعته ولعمرك لافعلنّ کذا۔

ترجمہ:اور خبر کو وجوباً (حذف کر دیا جاتا ہے) ان مواقع میں جہاں خبر کی جگہ، خبر کے علاوہ کا التزام کیا گیا ہو جیسے :لولا زید لکان کذا (اگر زید نہ ہوتا تو ایسا ہو جاتا) اور جیسے ضربی زیدا قائما (میرا زید کو مارنا کھڑا ہونے کی حالت میں ہے) کل رجل وضیعتہ (ہر شخص اپنے پیشہ کے ساتھ ہے) لعمرک لافعلن کذا (تیری زندگی کی قسم! میں ضرور ایسا کروں گا)۔

مختصر تشریح

خبر کو حذف کرنا واجب اس وقت ہے جب کہ کسی چیز کو خبر کے قائم مقام کیا گیا ہو، اور ایسا چار جگہوں پر ہوتا ہے۔

(۱) جب مبتدا لولا کے بعد آئے اور خبر افعال عامہ یعنی کون وحصول وغیرہ سے ہو تو وہاں لولا کی جزاء خبر کے قائم مقام ہو جاتی ہے، جیسے **لولا زید لکان کذا** ای **لولا زید موجود لکان کذا**۔

(۲) جب مبتدا مصدر ہو اور اس کی فاعل یا مفعول کی طرف اضافت کی گئی ہو اور اس کے بعد حال آرہا ہو تو خبر کو حذف کرنا واجب ہے جیسے **ضربی زیدا قائما**: (میرا زید کو مارنا کھڑے ہونے کی حالت میں ہے)۔ یہاں خبر حاصل، وجوباً محذوف ہے۔

(۳) جب مبتدا پر ''واو بمعنی مع'' کے ذریعہ کسی چیز کا عطف کیا گیا ہو، جیسے **کل رجل وضیعتہ**: (ہر شخص اپنی جائداد کے ساتھ ہے) ای **کل رجل مقرون مع ضیعتہ**۔

(۴) جب مبتدا مُقسَم بہ اور اس کی خبر لفظِ قسم ہو، جیسے **لعمرک لافعلن کذا**: (تیری زندگی کی قسم میں ایسا ضرور کرونگا) اس کی اصل **لعمرک قسمی**

لافعلن کذا ہے، قسمی کو جو کہ خبر ہے حذف کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ لام قسم اس پر دلالت کرتا ہے، اور جواب: قسم اس کا قائم مقام ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد عبارت سے ان مواقع کو بیان کرنا ہے، جہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

سوال: خبر کو حذف کرنا کب واجب ہے؟

جواب: خبر کو حذف کرنا اس وقت واجب ہے، جب کہ کلام میں قرینہ اور اس کا قائم مقام دونوں موجود ہوں۔

سوال: وہ کتنے مواقع ہیں جہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے؟

جواب: چار مواقع ایسے ہیں جہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

(۱) مبتدا لولا کے بعد واقع ہو اور خبر افعال عامہ میں سے ہو تو خبر کو حذف کرنا واجب ہے جیسے لولا زید لکان کذا, لولا علی لھلک عمر۔ اس مثال میں موجود خبر محذوف ہے اور حذف کا قرینہ لولا بنتا ہے، اس لئے کہ لولا کا مدخول جملۂ اسمیہ ہوتا ہے اور جملۂ اسمیہ میں دو جز ہوتے ہیں۔

مبتدا اور خبر، مثال میں مبتدا زید تو موجود ہے لیکن اسکی خبر موجود نہیں ہے، لہذا لامحالہ خبر محذوف ہوگی اور قائم مقام لولا زید لکان کذا ہے، یہ لکان کذا موجود کے قائم مقام ہے۔ لولا علی لھلک عمر میں لھلک عمر یہ موجود کے قائم مقام ہے۔

سوال: اس صورت میں مبتدا کی خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے یہ شرط کیوں ہے کہ خبر افعال عامہ میں سے ہو؟

جواب: اس لئے کہ خبر اگر افعال عامہ میں سے نہ ہو تو خبر کا حذف واجب نہیں ہوتا جیسے شعر۔

وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ يُزْرِي لَكُنْتُ الْيَوْمَ أَشْعَرَ مِنْ لَبِيدِ

ولولا خشيةُ الرَّحمنِ ربّي حسبتُ الناسَ كلهمُ عبيدي

ترجمہ:

اول شعر میں یزری اور دوسرے شعر میں عبیدی خبر مذکور ہے، مشہور ہے یہ دونوں شعر حضرت امام شافعیؒ کے ہیں۔

سوال: افعال عامہ اور افعال خاصہ میں فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب: (۱) افعال عامہ اور افعال خاصہ میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ لولا افعال عامہ کے حذف کا قرینہ بنتا ہے اور افعال خاصہ کے حذف کا قرینہ نہیں بنتا، کیونکہ لولا کا مدلولِ اول، وجود ہے اور وجود افعال عامہ میں سے ہے، تو لولا سے فعل عام کا علم تو ہو جائے گا لیکن فعل خاص کا علم نہیں ہو سکے گا۔

(۲) و مثل ضربی زیداً سے مراد مبتدا مصدر ہونا چاہے حقیقتاً ہو یا تاویلاً اور مصدر کی نسبت فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف کی جائے یا دونوں کی طرف، پھر اس کے بعد کوئی ایسا اسم ہو جو فاعل یا مفعول یا دونوں سے حال واقع ہو جیسے ضربی زیدا قائما یہ زیدا سے حال واقع ہے (میرا مارنا حاصل ہے زید کو کھڑے ہونے کی حالت میں) حاصل، خبر محذوف ہے۔

عقلی طور پر اسکی چھ صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) مبتدا مصدرِ حقیقی ہو فاعل کی طرف منسوب ہو اور فاعل سے حال واقع ہو

جیسے ضربی قائما اس میں ضربُ کی اضافت یاءِ متکلم فاعل کی طرف ہے، اس کی اصل ضربی زید حاصل اذا کنت قائما ہے۔

(۲) مبتدا مصدر حقیقی ہو، مفعول کی طرف منسوب ہو اور مفعول سے حال واقع ہو جیسے ضربی زیدا قائما اس کی اصل ضربی زیداً حاصل اذا کان قائما ہے۔

(۳) مبتدا مصدر حقیقی ہو، اسکی نسبت فاعل اور مفعول کی طرف ہو اور دونوں سے حال واقع ہے جیسے ضربی زیدا قائمین اس کی اصل (ضربی زیدا حاصل اذا کنا قائمین) ہے۔

(۴) مبتدا مصدرِ تاویلی ہو اور فاعل کی طرف منسوب ہو اور فاعل سے حال واقع ہو جیسے ان ضربت قائما اس کی اصل ضربی حاصل اذا کنت قائما ہے۔

(۵) مبتدا مصدرِ تاویلی ہو مفعول کی طرف منسوب ہو اور مفعول سے حال واقع ہو جیسے ان ضرب زید قائما اصل میں ضرب زید حاصل اذا کان قائم ہے۔

(۶) مبتدا مصدر تاویلی ہو اور فاعل اور مفعول کی طرف منسوب ہو اور دونوں سے حال واقع ہو جیسے ان ضربت زیدا قائمین اصل میں ہے ضربی زیداً حاصل اذا کنا قائمین ہے۔

تنبیہ: فعلِ متعدی معروف اور مصدرِ معروف کو جس طرح اپنے فاعل کے ساتھ نسبت ہوتی ہے، اسی طرح اپنے مفعول کے ساتھ بھی نسبت ہوتی ہے، فاعل کی طرف جو نسبت ہوتی ہے اسکو نسبتِ اسنادی کہتے ہیں اور مفعول کی طرف جو نسبت ہوتی ہے اس کو نسبتِ ایقاعی کہتے ہیں۔

(۳) مبتدا کی خبر مقارنت کے معنی کو مشتمل ہو اور اس پر ایسے واؤ کے ذریعہ عطف کیا گیا ہو جو مع کے معنی میں ہو جیسے کل رجل و ضیعتہ (ہر شخص اپنی جائداد کے

ساتھ ہے)اصل میں ہے کل رجل مقرون مع ضیعته، اس میں واؤ قرینہ ہے جو مقرون پر دال ہے اور معطوف ضیعته قائم مقام بنتا ہے۔

(۴) مبتدا مُقسَم بہ ہو جیسے لعمرک لافعلن کذا، اس مثال میں لعمرک مقسم بہ (مبتدا) ہے اور اسکی خبر محذوف ہے، جو اقسم ہے، اس لئے کہ عبارت میں قرینہ پایا جاتا ہے اور وہ قرینہ لعمرک کا لام ہے اور لافعلن کذا قائم مقام خبر ہے۔

نوٹ: ایک اور جگہ بھی مبتدا کی خبر کو حذف کرنا جائز ہے کہ مبتدا اسم تفضیل ہو جسکی اضافت مصدر صریح یا مصدر تاویلی کی طرف ہو تو اسکی بھی چھ صورتیں نکلیں گی۔

بحث

خبر ان واخواتها

ان اور اس کے اخوات کی خبر

هو المسند بعد دخول هذه الحروف، مثل: ان زيدا قائم۔

ترجمہ: وہ اسم ہے جو ان حروف (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے اِنَّ زیدا قائم (بلاشبہ زید کھڑا ہے)

مختصر تشریح

(۵) اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر (حروف متشبہ بالفعل کی خبر)۔

(۱) حروف متشبہ بالفعل: چھ ہیں: اِنّ، اَنّ، کان، لیت، لکن اور لعل۔ ان کی خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ یہ حروف فعل کے ساتھ لفظاً بھی متشابہ ہیں اور معنیً بھی۔

لفظی متشابہت دو طرح سے ہے، جس طرح فعل ثلاثی، رباعی اور خماسی ہوتا

ہے یہ حروف بھی تینوں طرح کے ہیں اور جس طرح فعل ماضی مبنی برفتحہ ہوتا ہے یہ بھی فتح پر مبنی ہیں۔

معنوی مشابہت یہ کہ یہ حروف فعل کے معنی میں ہیں پہلے دو حروف حققتُ کے معنی میں ہیں اور باقی حروف شبہت، تمنیت، استدرکت اور ترجیت کے معنی میں ہیں۔

یہ حروف جملۂ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مبتدا کو اپنا اسم اور خبر کو اپنی خبر بنا لیتے ہیں۔اِنَّ وغیرہ کے داخل ہونے بعد جملہ میں جو جزء مسند ہوتا ہے وہی ان کی خبر ہوتا ہے، جیسے اِنَّ زیداقائم۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ مرفوعات میں سے اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کو بیان فرماتے ہیں۔

سوال: حروف مشبہ بالفعل کو مشبہ بالفعل کیوں کہتے ہیں؟

جواب: حروف مشبہ بالفعل کو مشبہ بالفعل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حروف فعل کے ساتھ لفظاً معنیً اور عملاً مشابہ ہوتے ہیں۔

لفظاً مشابہت: فعل جیسے ثلاثی ہوتا ہے اِنَّ، اَنَّ، لیت یہ بھی ثلاثی ہیں۔

فعل جیسے رباعی ہوتا ہے لٰکنَّ، کانَّ، لعلَّ۔ یہ حروف رباعی ہوتے ہیں۔

معنیً مشابہت: ان حروف میں فعل کے معنی پائے جاتے ہیں جیسے اِنَّ، اَنَّ حققتُ کے معنی میں کاَنَّ شَبَّهتَ کے معنی میں۔لٰکِن استدرَکتُ کے معنی میں۔لیت تمنیتُ کے معنی میں اور لعل ترجیتُ کے معنی میں۔

عملاً مشابہت: فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے یہ

حروف بھی ایسا عمل کرتے ہیں۔

سوال: یہ حروف تو برعکس عمل کرتے ہیں، اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں؟

جواب: تمیز کے لئے برعکس عمل دے دیا، اصل اور فرع کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایسا کیا۔

سوال: حروف مشبہ بالفعل کی خبر کسے کہتے ہیں؟

جواب: حروف مشبہ بالفعل میں سے کسی ایک حرف کے داخل ہونے کے بعد جو اسم مسند بنے جیسے اِنَّ زیدا قائم اس میں زید، اِنَّ کا اسم، مسند الیہ ہے اور قائم خبر اور مسند ہے۔

پہلے قائم خبر بنتی تھی مبتدا کی، لیکن اِنَّ کے داخل ہونے کے بعد اِنَّ کی خبر بنے گی۔ تو یہاں پر قائم خبر تو ہے، لیکن مبتدا کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اِنَّ کی خبر ہونے کی حیثیت ہے۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے مذکورہ تعریف میں هو المسند بمنزلۂ جنس ہے، اس میں مبتدا کی خبر وغیرہ بھی داخل ہے اور بعد دخول هذه الحروف بمنزلۂ فصل ہے جس سے مبتدا وغیرہ کی خبر خارج ہو جائے گی، اس لئے کہ وہ مسند ہوتی ہے مبتدا کی خبر ہونے کی حیثیت سے۔

سوال: الحروف، جمع کا صیغہ استعمال کیا، اور جمع کا اطلاق تین سے زائد پر ہوتا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر جب حروف مشبہ بالفعل میں سے تین حروف اِنَّ اور اس کے اخوات کے مبتدا کی خبر پر داخل ہوں گے تب جا کر وہ اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر ہوگی، ورنہ نہیں؟

جواب: الحروف پر الف لام جنس کا ہے، جب یہ داخل ہوتا ہے تو جمع کی

جمعیت کو ختم کر دیتا ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ چاہے ایک حرف داخل ہو چاہے دو سے زائد داخل ہوں، حروف مشبہ بالفعل کی خبر ہوگی۔

سوال: تعریف کی گئی ،اِنَّ اور اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند بنے، حالانکہ ہم ایسی مثال بیان کرتے ہیں جس میں حروف مشبہ بالفعل میں سے کوئی حرف داخل ہے،لیکن وہ اسم مسند نہیں ہوتا،اس کے باوجود وہ اِنّ اور اس کے اخوات کی خبر بنتی ہے جیسے اِنَّ زیدا ابوہ قائم،اس مثال میں اِنّ حروف مشبہ بالفعل ہے زید اس کا اسم ہے ابوہ مضاف مضاف الیہ سے ملکر مسند الیہ قائم مسند،ابوہ قائم اس کی خبر بنتی ہے،تو یہاں اِنّ داخل ہوا ابوہ اس کی خبر ہے،لیکن مسند نہیں ہے، بلکہ مسند الیہ ہے تو آپ کی تعریف صحیح نہیں ہے؟

جواب: تعریف میں دخول کا جو لفظ آیا ہے،اس سے اثر مراد ہے اور اِنّ کا اثر صرف ابوہ پر نہیں بلکہ ابوہ قائم پر ہے تو تاویل میں ہو کر اِنّ کی خبر اور مسند ہے،لہذا تعریف اپنی جگہ پر درست ہے۔

سوال: اِنّ اور اس کے اخوات،مرفوعات کی ایک مستقل قسم ہے یا نہیں؟

جواب: بصریین کے نزدیک مرفوعات کی ایک مستقل قسم ہے اور کوفیین کے نزدیک اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر مرفوعات کی مستقل قسم نہیں ہے، بلکہ عامل معنوی کی وجہ سے وہ مرفوع ہے، گویا بصریین اِنَّ زیدا قائم میں قائم کا عامل اِن کو مانتے ہیں اور کوفیین اِنّ کو عامل نہیں بلکہ عامل،معنوی مانتے ہیں۔

سوال: اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کہا اور اخوات کا تعلق ذی روح کے ساتھ ہوتا ہے اور اِنَّ اور اس کے اخوا تو غیر ذی روح ہے لہذا مصنف کا اخوات کہنا صحیح نہیں ہے؟

جواب: یہاں اخوات سے مجازی معنی اشباہ،مراد ہے۔

سوال: أخت کے بجائے أخ سے تعبیر کیوں نہیں کیا؟

جواب: یہ تعبیر بتاویلِ کلمہ ہے ،اِنَّ چونکہ کلمہ ہے اور کلمہ مؤنث ہے، اس لئے اخواتھا کہا نہ کہ اخوتھا۔

(قاعدۃ)

و امرہ کامر خبر المبتدأ الا فی تقدیمہ الا اذا کان ظرفا۔

ترجمہ: (قاعدہ) اوراس کا حکم مبتداء کی خبر کے حکم کے مانند ہے، مگر اس کو مقدم کرنے کے سلسلے میں، بجز اس صورت کے جب کہ خبر ظرف ہو۔

مختصر تشریح

(۲) حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہے۔ جس طرح مبتدا کی ایک اور متعدد خبریں آسکتی ہیں اور مفرد یا جملہ ہوتی ہے اور جملہ ہونے کی صورت میں لوٹنے والی ضمیر ضروری ہے، یہ سب باتیں ان حروف کی خبر میں بھی پائی جاتی ہیں، البتہ ان کی خبر ان کے اسم پر مقدم نہیں ہوسکتی ، ان قائم زیدا نہیں کہہ سکتے ، کیونکہ یہ حروف، عاملِ ضعیف ہیں۔ البتہ ان کی خبر ظرف ہو تو اسم سے پہلے آسکتی ہیں، بشرطیکہ اسم معرفہ ہو جیسے انّ الینا ایابھم اور اگر ان کا اسم نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم واجب ہے، جیسے اِنَّ من البیان لسحرا : (بیشک بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں) یہاں من البیان خبر لائی گئی ہے کیونکہ سحرا نکرہ ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اِنَّ اور اس کے اخوات کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہے یعنی جس طرح۔

(۱) مبتدا کی خبر جملہ کی شکل میں ہوتی ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر بھی جملہ کی شکل میں ہوتی ہے۔

(۲) مبتدا کی خبر مفرد کی شکل میں ہوتی ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر بھی مفرد کی شکل میں ہوتی ہے۔

(۳) مبتدا کی خبر جب جملہ کی شکل میں ہو تو اس میں ایک عائد ہونا ضروری ہے، اسی طرح ان حروف کی خبر میں بھی عائد ہونا ضروری ہے۔

(۴) قرینہ کی وجہ سے مبتدا کی خبر میں جو عائد ہوتا ہے، حذف ہوتا ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر میں بھی بر بنائے قرینہ، عائد کو حذف کیا جاتا ہے۔

(۵) مبتدا کی خبر کا بعض مواقع میں حذف ضروری ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر تو بھی بعض مواقع میں حذف کرنا ضروری ہے۔

الّا فی تقدیمہ:

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مبتدا کی خبر کو مبتدا پر مقدم کیا جاتا ہے، لیکن اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کو، ان کے اسماء پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔

سوال: ایسا کیوں؟

جواب: اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کو اس لئے ان کے اسماء پر مقدم نہیں

کیا جاسکتا کہ اِنَّ اور اس کے اخوات، عاملِ ضعیف ہیں، فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، لہذا ترتیب میں تو عمل کریں گے، خلاف ترتیب عمل نہیں کریں گے۔

سوال: کوئی ایسی صورت ہے جس میں اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کو، ان کے اسماء پر مقدم کرنا جائز ہو؟

جواب: ہاں! ایک صورت ہے جس میں اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کو، اِنَّ کے اسماء پر مقدم کرنا جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر ظرف کے قبیل سے ہو جیسے ان الینا ایابھم میں الینا اِنَّ کی خبر ہے، ایابھم اس کا اسم ہے، لیکن ظرف کی وجہ سے الینا خبر کو، ایابھم اسم پر مقدم کیا گیا، اسی کو مصنف نے الا اذا کان ظرفا سے بیان کیا ہے۔

سوال: ایسا کیوں؟

جواب: کثرت استعمال اور قاعدہ، الظرف یتوسع فیہ مالا یتوسع فی غیرہ کی وجہ سے ظرف کو کچھ اختیارات حاصل ہیں، منجملہ ان کے، ایک تقدیم کا بھی ہے۔

فائدہ: جب حروف مشبہ بالفعل کی خبر ظرف ہو اور اس کا اسم معرفہ ہو تو خبر کی تقدیم صرف جائز ہے جیسے ان الینا ایابھم اور اگر نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم واجب ہے جیسے ان من البیان لسحرا اور ان من الشعر لحکمۃ (بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں) یہاں من البیان خبر، پہلے لائی گئی ہے، سحرا نکرہ ہونے کی وجہ سے۔

فائدہ: بعض علماء نے علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب (ھمع الھوامع) سے یہ نقل کیا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر متعدد نہیں ہوتی، کیونکہ ان کی خبر کا تعدد جائز نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

بحث

خبر لا التی لنفی الجنس
لائے نفی جنس کی خبر

هو المسند بعد دخولها مثل: لا غلام رجل ظريف فيها۔

ترجمہ: وہ اسم ہے جو اس کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے لا غلام رجل ظریف فیہا (مرد کا کوئی غلام ہوشیار گھر میں نہیں ہے)۔

مختصر تشریح

(٦) لائے نفی جنس کی خبر

لائے نفی جنس: وہ لا ہے، جو نکرہ پر داخل ہو کر ساری جنس کی نفی کرتا ہے، جیسے **لا ساکن فی الدار**: گھر میں کوئی رہنے والا نہیں (ایک دوسرا، لا مشابہ بلیس ہوتا ہے، یعنی لیس کے معنی میں ہوتا ہے، وہ صرف اپنے مدخول کی نفی کرتا ہے، اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

لائے نفی جنس: جملۂ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، اس کے داخل ہونے کے بعد جملہ کا جو جزء مسند ہو، وہی اس کی خبر ہوگا، جیسے **لا غلام رجل ظریف فی الدار**: (کسی شخص کا غلام ہوشیار گھر میں نہیں) اس میں **غلام رجل**: لا کا اسم ہے اور **ظریف** خبر ہے، کیونکہ وہی مسند ہے، غلام کی رجل کی طرف نسبت کی گئی ہے اور **فی الدار** کائن سے متعلق ہو کر رجل کی صفت ہے۔

لائے نفی جنس: حروف مشبہ بالفعل جیسا عمل کرتا ہے یعنی اسم کو نصب اور خبر کو

رفع دیتا ہے، اس کا اسم مضاف یا شبہ مضاف ہوتا ہے، جیسے لا صاحب جود ممقوت: (کوئی سخی آدمی مبغوض نہیں) اور لا طالعا جبلا حاضر: (کوئی کوہ پیما حاضر نہیں)۔ اور لائے نفی جنس کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے، جیسے لا الہ الا اللہ ای لا الہ موجود الا اللہ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد لائے نفی جنس کی خبر کو بیان کرنا ہے، جو مرفوعات میں سے ہے۔

سوال: لائے نفی جنس کی مشابہت کس کے ساتھ ہے؟

جواب: لائے نفی جنس کی مشابہت اَنَّ مفتوحہ کے ساتھ لفظاً اور معنی ہے۔

لفظاً مشابہت، شروع حرف کے مفتوح ہونے میں ہے اور معنی مشابہت دو طرح سے ہے۔

(۱) تضاد کے علاقہ کی وجہ سے اور وہ نقیض کا نقیض پر محمول کرنا ہے، اس طرح کہ لا، نفی کے لئے آتا ہے اور اَنَّ مفتوحہ، اثبات کے لئے گویا نفی اور اثبات کے مابین تضاد ہے۔

(۲) مناسبت کے علاقہ کی وجہ سے اور وہ اس لئے کہ لائے نفی کی تاکید کے لئے ہے اور اَن، اثبات کی تاکید کے لئے ہے۔

سوال: لاءنفی جنس کی تعریف کیا ہے؟

جواب: لاءنفی جنس کی خبر: وہ اسم ہے جو لاء نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند بنے جیسے لا غلام رجل ظریف فیھا، مثال مذکورہ میں محل استدلال، ظریف ہے، یہ پہلے مسند تھا اور مبتدا کی خبر تھی لیکن ''لا'' کے دخول کے بعد اب یہ مسند لاءنفی جنس

کا ہوگا۔

سوال: لا غلام رجل ظریف فیھا میں فیھا کی قید کیوں لگائی؟

جواب: فیھا کا اضافہ اس لئے کیا تاکہ خلاف وضع لازم نہ آئے (۱) اس لئے کہ اگر فیھا کی قید نہ ہوتی تو خلاف واقع لازم آتا، کیونکہ فیھا کی قید نہ ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوتا کہ کسی مرد کا غلام ظریف نہیں ہے، حالانکہ یہ کذب ہے، بہت سے لوگوں کے غلام ظریف ہوتے ہیں سب بے وقوف نہیں ہوتے، فیھا کے اضافہ سے یہ خرابی لازم نہ آئے گی، اس لئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عقلمند غلام گھر میں نہیں ہے۔

(۲) مصنفؒ کا مقصد لاءِ نفی جنس کی خبر کی دو قسموں کی طرف اشارہ کرنا ہے، کہ لاءِ نفی جنس کی خبر اسمِ ظرف بھی آسکتی ہے جیسے فیھا اور غیر ظرف بھی جیسے ظریف۔

سوال: عام کتابوں میں لاءِ نفی جنس کی خبر کی مثال لا رجل فی الدار بیان کی جاتی ہے مصنفؒ نے اس سے عدول کیوں کیا؟

جواب: لا رجل فی الدار یہ مثال مشہور ہے، لیکن اس میں خبر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا تھا، کیونکہ اس میں احتمال تھا کہ فی الدار، کائن سے متعلق ہو کر پھر رجل کی صفت ہو اور خبر محذوف ہو تو چونکہ مثال مشہور اپنے ممثل لہ میں نص نہیں ہے، اس لئے اس سے عدول کر کے ایسی مثال بیان کی جس میں خبر کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہ ہو۔

(قاعدۃ)

ویحذف کثیرا۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور اس کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔

مختصر تشریح

اور بنو تمیم، خبر کو ثابت نہیں رکھتے یعنی ان کے نزدیک یا تو خبر کا حذف کرنا واجب ہے یا وہ خبر کے قائل ہی نہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر، اکثر مرتبہ حذف کردی جاتی ہے۔

سوال: لاءِ نفی جنس کی خبر اکثر مرتبہ حذف کب کی جاتی ہے؟

جواب: لاءِ نفی جنس کی خبر جب افعال عامہ میں سے ہو (وجود، کون، ثبوت، حصول) تو خبر کو کثرت سے حذف کردیا جاتا ہے۔

سوال: لاءِ نفی جنس کی خبر، جب افعال عامہ میں سے ہو تو اکثر حذف کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: لاءِ نفی جنس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی شیٔ ہو جس کی نفی کی جائے، گویا منفی کا ہونا ضروری ہے، ورنہ نفی کا تحقق نہیں ہوگا، اب جب حرف نفی ہو اور منفی نہ ہو تو لامحالہ قانون کے مطابق حرف نفی کے لئے منفی کا ہونا ضروری ہے، لہذا منفی، افعال عامہ میں سے ہوگا جیسے لا الہ الا اللہ اصل میں تھا لا الہ موجود الا اللہ تو موجود افعال عامہ میں سے ہے، اس کو حذف کردیا۔

وبنو تمیم لا یثبتونه۔

ترجمہ: اور قبیلہ بنو تمیم کے لوگ اس کو ثابت نہیں مانتے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد بنوتمیم کے قول کو بیان کرنا ہے، کہ وہ لاءِ نفی جنس کی خبر کو ثابت نہیں مانتے۔

سوال: اس عبارت کے کتنے مطلب ہیں؟

جواب: اس عبارت کے دو مطلب ہیں۔

(۱) قبیلۂ بنوتمیم، لاءِ نفی جنس کی خبر کو بالکلیہ تسلیم نہیں کرتے، بلکہ لاءِ نفی جنس ان کے نزدیک، اسم فعل ہے، جو انتفی کے معنی میں ہے جو فاعل سے پورا ہو جاتا ہے، لہذا خبر کی کوئی ضرورت ہی نہیں جیسے لا اھل و لا مال أی انتفی الاھل و المال (مال اور اہل دونوں ختم ہو گئے)۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ قبیلۂ بنوتمیم لاءِ نفی جنس کی خبر، لفظاً ثابت نہیں مانتے بلکہ قبیلۂ تمیم، لاءِ نفی جنس کی خبر کو لفظاً حذف کرنا واجب مانتے ہیں، خواہ خبر عام ہو یا خاص، اس لئے کہ بنوتمیم کے نزدیک کثرتِ حذف؛ وجوبِ حذف کی دلیل ہے، پس خبر، وجوباً مذکور نہیں ہوگی، بلکہ خبر مقدر ہوگی۔

سوال: بنوتمیم اگر لائے نفی جنس کی خبر تسلیم ہی نہیں کرتے یا کرتے ہیں لیکن حذف، واجب بتاتے ہیں تو ان کا لا رجل قائم جیسی مثال میں کیا کہنا ہے؟

جواب: وہ اس جیسی مثال میں قائم کو رجل کی صفت مانتے ہیں۔

بحث

اسم ما و لا المشبهتین بلیس

هو المسند الیه بعد دخولها مثل ما زید قائما و لا

رجل افضل منك۔

ترجمہ: وہ اسم ہے جو ان دونوں (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو جیسے ما زید قائما (زید کھڑا نہیں ہے) لا رجل افضل منک (کوئی مرد تجھ سے افضل نہیں ہے)۔

مختصر تشریح

وہ ما اور لا جو بمعنیٰ لیس ہیں، لیس فعل ناقص ہیں، یہ دونوں لیس سے مشابہت کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، یہ دونوں جملۂ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں، اور جملہ کا جو جز، مسند الیہ ہوتا ہے، وہی ان کا اسم ہوتا ہے، جیسے ما زید قائما: (زید کھڑا نہیں) اور لا رجل افضل منک: (کوئی آدمی آپ سے بہتر نہیں)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ ما و لا مشابہ بلیس کا اسم مرفوعات میں سے ہے۔

سوال: ما و لا کی مشابہت، لیس کے ساتھ برابری کی ہے یا کمی زیادتی کے ساتھ ہے؟

جواب: ما کی مشابہت لیس کے ساتھ قوی ہے اور لا کی مشابہت لیس کے ساتھ قوی نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔

سوال: ما کی مشابہت لیس کے ساتھ قوی اور لا کے ساتھ ضعیف کیسے؟

جواب: لیس جس طرح حال کی نفی کے لئے آتا ہے اور "ما" یہ بھی حال

کی نفی کے لئے آتا ہے اور ''لا'' یہ مطلق نفی کے لئے آتا ہے۔

سوال: ماولا مشابہ بلیس کا اسم کسے کہتے ہیں؟

جواب: ماولا مشابہ بلیس کا اسم، جو ماولا کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو جیسے ما زید قائما میں زید، مسند الیہ ہے، پہلے بھی مسند الیہ تھا، اب بھی ہے لیکن حیثیت بدل گئی، پہلے مبتدا ہونے کی حیثیت سے تھا، اب ''ما'' کے اسم ہونے کی حیثیت سے ہے۔

لا رجل افضل منک میں رجل مسند الیہ ہے، پہلے بھی مسند الیہ تھا، اب بھی ہے لیکن حیثیت بدل گئی، پہلے مبتدا ہونے کی حیثیت سے تھا، اب لا کے اسم ہونے کی حیثیت سے ہے۔

سوال: ما اور لا حرف ہے اور لیس فعل ہے، تو ما اور لا کس طرح لیس کے مشابہ ہو سکتے ہیں؟

جواب: جس طرح لیس کے معنی نفی کے ہیں اسی طرح ما اور لا کے معنی بھی نفی کے ہیں اور جس طرح لیس مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ما اور لا بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، اس معنی میں مشابہت ہے، نہ کہ حرف اور فعل میں۔

سوال: ما کی مثال میں مدخول، معرفہ اور لا کی مثال میں مدخول، نکرہ ہے؟

جواب: (ا) ما اور لا میں کچھ فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ما کی مشابہت لیس کے ساتھ تام ہے، جس طرح لیس نفیٔ حال کے لئے ہے، اسی طرح ما بھی نفیٔ حال کے لئے ہے تو مشابہت تام ہونے کی وجہ سے جس طرح لیس معرفہ اور نکرہ دونوں پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ما بھی دونوں پر داخل ہوتا ہے۔

اور لا کی مشابہت لیس کے ساتھ ناقص ہے، اس لئے کہ وہ مطلق نفی کے لئے آتی ہے، تو مشابہت ناقص ہونے کی وجہ سے اس کے عمل کو صرف نکرہ پر ہی منحصر کر

دیا۔

(۲) ما مطلقاً نفی کے لئے آتا ہے اور مطلق نفی کے لئے نکرہ کا ہونا ضروری نہیں ہے اور لاء جنس کی نفی کے لئے آتا ہے اور جنس کے لئے نکرہ ہونا ضروری ہے، اس لئے لا کا دخول ہمیشہ نکرہ پر ہوگا۔

سوال: مصنف نے ما کے بعد صرف معرفہ کی مثال بیان کی، نکرہ کی مثال بیان نہیں کی؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تو معرفہ ہے اور نکرہ اس کی فرع ہے، تو جس کا عمل اصل پر ہوتا ہے فرع پر بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔

سوال: لا مشابہ بلیس اور لائے نفی جنس کے مابین فرق کیا ہے؟

جواب: لا مشابہ بلیس اور لائے نفی جنس کے مابین دو، وجہوں سے فرق ہے۔

(۱) لا مشابہ بلیس اور لائے نفی جنس کے مابین عمل کے اعتبار سے فرق ہے کہ لا مشابہ بلیس اپنے اسم کو، رفع اور اپنی خبر کو نصب دیتا ہے اور لائے نفی جنس، عمل کے اعتبار سے اس کے برعکس ہے۔

(۲) لا مشابہ بلیس، افراد میں سے صفتِ فردِ واحد کی نفی کرتی ہے جیسے لا رجل قائما کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایک مرد کھڑا نہیں، اب ہوسکتا ہے کہ دو یا زیادہ مرد کھڑے ہوں، اسی لئے لا رجل قائما بل رجلان کہنا جائز ہے۔

اور لائے نفی جنس رجل سے صفت کی نفی کرتی ہے جیسے لا رجل قائم کا مطلب ہے جنس رجل میں سے کسی بھی فرد کے ساتھ صفتِ قیام ثابت نہیں، اسی لئے لا رجل قائم بل رجلان جائز نہیں۔

(قاعدة)

وهو في "لا" شاذ۔

ترجمہ: (قاعدہ) اور وہ (یعنی عامل ہونا) ''لا'' میں شاذ ہے۔

مختصر تشریح

اور لیس جیسا عمل لا میں شاذ ہے، کیونکہ لا کی لیس کے ساتھ مشابہت ضعیف ہے۔ لیس: نفیٔ حال کے لئے ہے اور ما کی مشابہت لیس کے ساتھ قوی ہے، کیونکہ وہ بھی نفیٔ حال کے لئے ہے۔ لا زیادہ تر جنس کی نفی کے لئے آتا ہے، لیس کے معنیٰ میں اس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ لا میں عمل شاذ ہے (قلیل) ہے۔

سوال: ما اور لا، عامل ہیں یا نہیں؟

جواب: بنو تمیم کے نزدیک یہ دونوں عامل نہیں ہیں اور اہل حجاز کے نزدیک عامل ہیں۔

سوال: بنو تمیم کی دلیل کیا ہے؟

جواب: بنو تمیم کی دو دلیلیں ہیں۔

دلیل اول: عامل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک نوع کے ساتھ خاص ہو اور ما

اورلانوع واحد کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ مااورلا، اسماء وافعال دونوں پر داخل ہوتے ہیں۔

سوال: اہل حجاز کی طرف سے اس دلیل کا جواب: کیا دیا گیا؟

جواب: اہل حجاز کی طرف سے اس دلیل کا جواب: یہ دیا گیا کہ مااورلا جو اسم پر داخل ہوتے ہیں وہ، وہ نہیں ہے جو فعل پر داخل ہوتے ہیں، بلکہ مااورلا جو اسم پر داخل ہوتے ہیں ان کی نوعیت الگ ہے اور جو فعل پر داخل ہوتے ہیں ان کی نوعیت الگ ہے۔

دلیل ثانی: شاعر کے شعر

و مهفهف كالغصن قلت له انتسب فاجاب ماقتل المحب حرام

سے ہے اور محل استشہاد ما قتل المحب حرام ہے، اگر ما عامل ہوتا تو شاعر، حرام پر رفع نہیں بلکہ نصب پڑھتا، رفع پڑھنا دلیل ہے اس بات کی کہ ما ولا عامل نہیں ہے۔

سوال: اہل حجاز کی طرف سے اس دلیل کا جواب: کیا دیا گیا؟

جواب: اہل حجاز کی طرف سے اس دلیل کا جواب: یہ دیا گیا کہ حرام پر رفع ضرورتِ شعری کی وجہ سے آیا ہے، لہذا اس شعر سے دلیل پکڑنا صحیح نہ ہوگا۔

سوال: اہل حجاز کی دلیل کیا ہے؟

جواب: اہل حجاز ما اورلا کو عامل مانتے ہیں، ان کی دلیل قرآن کی آیت کریمہ ماهذا بشرا ہے کہ اس میں هذا یہ ما کا اسم اور بشرا اسکی خبر ہے، هذا مرفوع ہے تقدیراً اور بشرا پر نصب ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ما عامل ہے جس نے نصب دیا۔

سوال: کن کی دلیل قوی ہے؟

جواب: اہل حجاز کی دلیل قوی ہے، اس لئے کہ اہل حجاز کے نظریہ کی قرآن حمایت کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہے اور قرآن سے بڑھ کر کوئی اور ثبوت نہیں ہوسکتا، اسی وجہ سے مصنف نے اہل حجاز کے مسلک کو بیان کیا۔

فائدہ: لا کی مشابہت لیس کے ساتھ کمزور ہے، اس لئے لیس کا عمل لا میں شاذ ہے، مشابہت کی کمزوری اس وجہ سے ہے کہ لیس تو حال کی نفی کے لئے آتا ہے اور لیس میں کسی زمانہ کی قید نہیں مطلق نفی کے لئے آتا ہے خواہ ماضی ہو یا حال ہو یا استقبال، اور ما بھی لیس کی طرح حال کی نفی کے لئے آتا ہے، اس لئے ما کے عمل میں کوئی قید نہیں، البتہ لا کا عمل مورد سماع پر محدود رہے گا، جہاں کلام عرب میں اس کا عمل سنا گیا ہے وہیں عمل کرے گا دوسری جگہ نہیں، جیسے

من صدعن نیرانھا فانا ابن قیس لا براح

ترجمہ: جو شخص لڑائی کی آگ سے اعراض کرتا ہے اور جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا وہ شریک نہ ہو، میں تو قیس کلا بیٹا ہوں جس کی شجاعت مشہور ہے، میں جنگ سے روگردانی نہ کروں گا۔

اس میں براح لا کا اسم ہے اور لی اس کی خبر محذوف ہے، یہ شعر سعد ابن مالک کا ہے وہ اپنی شجاعت کو بیان کررہے ہیں۔

تمت بالخیر